سرخ و سیاہ

مصنّف: ستاں دال

مترجم: محمد حسن عسکری

مکتبہ جدید

چوک انارکلی لاہور

پبلشرز : چودھری رشید احمد، مکتبہ جدید لاہور
پرنٹرز : سویرا آرٹ پریس، لاہور

Read by Gh. Hassan Wani
Student of M.A. K.U.
very interesting novel.

پہلی جلد

صداقت، چاہے وہ بدمزہ ہی کیوں نہ ہو ! صداقت !

داں توں

Please Read the 2nd
edition also

This is first
Edition

M. Shafi

پہلا باب

ایک چھوٹا سا شہر

کئی ہزار آدمیوں کو ایک ساتھ بند کر دو، تو ویرانی تو کم ہو جاتی ہے مگر پنجرے میں پہلا سا مزا نہیں رہتا۔

ہوبز

یہ چھوٹا سا شہر ویریئیر فرانش کونتے والے علاقے کے سب سے خوبصورت شہروں میں سے سمجھا جا سکتا ہے۔ یہاں سُرخ کھپریل کی نوکیلی چھتوں والے مکان ایک پہاڑی کے ڈھلان پر پھیلے ہوئے ہیں جس پر جگہ جگہ شاہ بلوط کے تنومند جھنڈ ہیں۔ اور پہاڑی کے ذرا ذرا سے نشیب و فراز کا پتہ دیتے ہیں۔ پرانے زمانے میں اسپین والوں نے شہر کے گرد فصیل بنا دی تھی جس کے کھنڈر باقی ہیں۔ اس سے کئی سو فٹ نیچے دریائے ڈُوب بہتا ہے۔

شمال کی طرف ویریئیر کی حفاظت کے لئے ایک اونچا سا پہاڑ ہے جو سلسلہ کوہ ژورا کی ایک شاخ ہے۔ اکتوبر کی سردی شروع ہوتے ہی ویرا پہاڑ کی دندانے دار چوٹیاں برف سے ڈھک جاتی ہیں۔ پہاڑ سے ایک تیز رو چشمہ نکلتا ہے جو ڈُوب میں

کر ملنے سے پہلے شہر میں سے ہو کر گزرتا ہے۔ اس چشمے کی مدد سے شہر میں لکڑی چیرنے
کے بہت سے کارخانے چلتے ہیں۔ یہ بڑا سیدھا سادا کاروبار ہے اور اس کی بدولت
یہاں کے باشندوں کی اکثریت کو جو درمیانے طبقے کے نہیں بلکہ کسان مزدور پیشہ
تھوڑا بہت آرام نصیب ہو جاتا ہے۔ مگر اس چھوٹے سے شہر کی دولت مندی کا باعث
یہ کارخانے نہیں ہیں۔ یہاں چھینٹیں بھی بنتی ہیں۔ اس صنعت کے طفیل شہر میں اتنی خوشحالی
آگئی ہے کہ نپولین کے زوال کے بعد سے تو قریب قریب ہر مکان کا حلیہ بدل
گیا ہے۔

شہر میں داخل ہوتے ہی ایک خوفناک شکل کی مشین کے شور سے کان پھٹنے لگتے ہیں۔ یہ مشین
چشمے کے پانی کے زور سے چلتی ہے۔ اس میں ایک بڑا سا پہیہ ہے جس میں کوئی بیس
پچیس بھاری بھرکم ہتھوڑے لگے ہوئے ہیں جو بار بار ایسے دھڑ دھڑ گرتے ہیں کہ پوری
سڑک ہل جاتی ہے۔ ان میں سے ہر پہیہ خدا جانے کتنی ہزار کیلیں بناتا ہے۔ تروتازہ
چہروں والی خوبصورت لڑکیوں کی ایک پوری ٹولی ان زبردست ہتھوڑوں کے نیچے
لوہے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے رکھتی رہتی ہے جو فوراً کیلوں کی شکل میں
تبدیل ہو جاتے ہیں۔ دیکھنے میں تو یہ کام بڑا بھدا ہے مگر یہ اُن صنعتوں میں سے ہے
جن پر مسافر کو بڑی حیرت ہوتی ہے، خصوصاً اگر وہ فرانس کو سوئٹزرلینڈ سے الگ
کرنے والے پہاڑوں میں پہلی دفعہ پہنچا ہو۔ ویریئر میں داخل ہو کر کوئی مسافر پوچھے کہ یہ
نفیس کارخانہ جس کے شور سے بڑی سڑک پر چلنے والوں کے کان پھٹے جاتے ہیں
کس کا ہے تو اسے گھسٹتی ہوئی آواز میں جواب ملتا ہے "اوہو، یہ! یہ تو میئر
کا ہے"

مسافر اس بڑی سڑک پر جو دریا کے کنارے سے تقریباً پہاڑی کی چوٹی تک جاتی ہے۔ وہ چار منٹ کے لئے رک جائے تو سولہ آنے یقین ہے کہ اسے ایک لمبے قد کا آدمی آتا دکھائی دے گا۔ جس کی شکل سے ظاہر ہو گا کہ بڑا مصروف اور اہم شخص ہے۔ اسے دیکھتے ہی لوگ ٹوپیاں اتار اتار کر سلام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اُس کے بال سفید ہوتے جا رہے ہیں، اور وہ لباس بھی خاکستری رنگ کا پہنتا ہے۔ اسے کئی خطاب مل چکے ہیں، ماتھا اونچا اور ناک ستواں ہے اور مجموعی حیثیت سے اس کا چہرہ ایک خاص قسم کی موزونیت سے خالی نہیں بلکہ پہلی دفعہ دیکھ کر تو یہ احساس ہوتا ہے کہ اس کے چہرے میں کسی گاؤں کے میئر کا سا وقار بھی ہے اور وہ دل کشی بھی جو چالیس یا پچاس سال کے آدمی میں بھی مل سکتی ہے۔ لیکن تھوڑی ہی دیر میں پیرس سے آنے والے کو خود اطمینانی اور خود کفالت کا سا انداز دیکھ کر چڑھ ہونے لگتی ہے۔ جس میں کچھ محدود سی شخصیت اور قوت ایجاد کی سی کمی کے آثار جھلکتے ہیں۔ آخر میں یہ احساس ہوتا ہے کہ اس آدمی کا سارا ہنر بس اس بات پر ختم ہے کہ اگر کسی کے اوپر اس کا قرض ہے تو پائی پائی وصول کر لے، اور اگر اس پر کسی کا قرض ہے تو جب تک ٹالا جا سکے ٹالا جائے۔

تو یہ ہے ویریئر کا میئر موسیو دریتال۔ گمبھیر چال سے چلتا ہوا سڑک پار کر کے وہ ٹاؤن ہال میں داخل ہوتا ہے اور مسافر کی نظروں سے چھپ جاتا ہے۔ لیکن اگر مسافر اپنی چہل قدمی جاری رکھے تو کوئی سو گز اوپر جا کے اسے ایک خاصا خوش نما مکان دکھائی دے گا اور مکان کے آہنی جنگلے میں سے بڑے شاندار باغیچے نظر آئیں گے اس سے آگے افق پر برگنڈی کی پہاڑیاں چھائی ہوتی ہیں جو ایسی معلوم ہوتی ہیں۔ جیسے آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے کے مقصد ہی سے بنائی گئی ہوں۔ یہ منظر دیکھ کر مسافر اس

چھوٹی چھوٹی کاروباری باتوں کی زہریلی فضا کو یکسر بھول جاتا ہے جس سے اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔

لوگ اسے بتاتے ہیں کہ یہ موسیو ورینال کا مکان ہے۔ پنھ کے اس نفیس مکان کے لئے جو ابھی بن کر تیار ہوا ہے۔ وریئیر کا میئر اس منافع کا مرہونِ منت ہے جو اس نے اپنے کیلوں کے زبردست کارخانے سے کمایا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا خاندان بہت پرانا ہے اور اصل میں اسپین کا ہے۔ ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ ہم لوئی چہاردہم کی فتح سے بھی بہت پہلے سے اس علاقے میں آباد ہیں۔

۱۸۱۵ء سے اُسے اپنے صنعت کار ہونے پر شرم آنے لگی ہے ۔ ۱۸۱۵ء میں وہ وریئیر کا میئر بنا تھا۔ اس کا شاندار باغ تختہ بہ تختہ دوب تک اترتا چلا گیا ہے اس باغ کے مختلف حصوں کے پشتے بھی لوہے کی تجارت میں موسیو ورینال کی ہنروری کا انعام ہیں۔

فرانس میں وہ حسین باغ دیکھنے کی امید نہ رکھئے جو جرمنی کے صنعتی شہروں یعنی لیپ زگ، فرینک فرٹ، نیورمبرگ وغیرہ کے گرد نظر آتے ہیں۔ فرانش کوئنتے میں تو یہ حال ہے کہ آدمی جتنی دیواریں زیادہ بنائے، اپنی زمین میں پتھر پہ پتھر رکھ کے جتنے زیادہ ٹیلے کھڑے کرے۔ ہمسایوں کی عزت کا اتنا ہی زیادہ مستحق ٹھہرتا ہے۔ موسیو رینال کے باغیچے مارے دیواروں کے مکھیوں کا چھتہ بنے ہوئے ہیں۔ اُن کی تعریف اس لئے اور بھی زیادہ کی جاتی ہے کہ جن چھوٹے چھوٹے قطعوں پر یہ باغیچے بنے ہیں۔ انہیں ورینال نے سونے کے مول خریدا ہے۔ مثلاً جب آپ وریئیر میں داخل ہوئے ہیں تو آپ کو دوب کے کنارے ایک بڑی عجیب سی جگہ وہ آرا مشین دیکھ کر حیرت

ہوئی ہوگی۔ جس کی چھت کے اوپر بڑے بڑے حرفوں میں "سوریل" کا نام لکھا ہے۔ چھ سال پہلے یہ آرا مشین اس جگہ تھی جہاں موسیو دریناال کے باغ کے چوتھے تختے کی دیوار بن رہی ہے اپنے غرور کے باوجود میئر کو اُس اڑیل اور ڈھیٹ کسان بڈھے سوریل سے کئی دفعہ سلسلہ جنبانی کرنی پڑی اور اُسے خالص سونے کی اشرفیاں دینی پڑیں، جب کہیں جاکر وہ اپنا کارخانہ ہٹانے کو راضی ہوا۔ رہا وہ پانی کا نالہ جس سے مشین چلتی تھی۔ تو موسیو ریناال نے پیرس میں اپنا شہرہ و رسوخ کی بدولت اس کا رُخ پھیرنے کی اجازت حاصل کر لی۔ یہ رعائت انہیں ۱۸۲۰ء کے انتخابات کے بعد حاصل ہوئی۔

ایک ایکڑ کے بدلے میں اس نے سوریل کو چار ایکڑ زمین دی جو دوب کے کنارے سو گز آگے چل کر واقع تھی۔ حالانکہ یہ جگہ شاہ بلوط کے تختوں کی تجارت کے لئے بہت زیادہ فائدہ مند تھی۔ لیکن اس کے ہمسائے کو جائداد بنانے کا ایسا خبط اور ایسی بیتابی تھی کہ سوریل بابا نے (اب وہ مالدار ہو گیا ہے تو اس کا یہی نام پڑ گیا ہے) اس سے چھ ہزار فرانک اینٹھ ہی لئے۔

یہ ٹھیک ہے کہ اس خرید و فروخت پر مقامی دانشمندوں نے سخت نکتہ چینی کی۔ چار سال بعد ایک دفعہ ایسا ہوا کہ اتوار کے دن موسیو دریناال میئر کے لباس میں گرجا سے گھر واپس آ رہا تھا کہ اسے دور سے سوریل نظر آیا جو اپنے تینوں بیٹوں سمیت اُس کی طرف دیکھ دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ اس مسکراہٹ سے میئر کی روح منور ہو گئی، اور وہ تڑپ اٹھا۔ اس دن سے وہ یہی سوچ رہا ہے کہ یہ سودا تو سستے داموں بھی ہو سکتا تھا۔

ویریئر میں توقیر حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دیواریں تو بہت سی بنائی

جائیں یہ مگر وہ عماراتی انداز اختیار نہ کیا جائے جو بہار کے موسم میں تیوراؔ کی وادیوں میں سے گزر کر پیرس جاتے ہوئے معمار اٹلی سے اپنے ساتھ لاتے ہیں۔ اگر کوئی ناعاقبت اندیش مکان والا ایسی جراٴت کر بیٹھے تو اس بدعت کے صلے میں وہ ہمیشہ کے لئے الٹی کھوپڑی کا مشہور ہو جائے گا اور جو سنجیدہ اور معتدل مزاج لوگ فرانسس کو نتے میں عزت اور ذلت تقسیم کرتے ہیں اُن کے یہاں اُس کی کبھی بخشش نہیں ہو گی۔

درِاصل وہاں اُن سنجیدہ لوگوں کی انتہائی بیزار کُن آمریت قائم ہے۔ یہ اسی مکروہ نقطہ کے سبب سے ہے کہ جو آدمی اُس عظیم الشان جمہوریہ میں جس کا نام پیرس ہے، رہ چکا ہو اُس کے لئے قصبوں میں ٹھیرنا دوبھر ہو جاتا ہے۔ فرانس کے قصبوں میں بھی رائے عامّہ کی مطلق العنانی (اور رائے عامّہ بھی کیسی!) اتنی ہی احمقانہ ہے جتنی امریکہ میں۔

دوسرا باب

ایک میئر

مرتبہ! کیوں، جناب، کیا یہ کوئی بات ہی نہیں؟ احمقوں کی عزت، بچوں کی حیرت، امیروں کا حسد، عقلمند آدمی کی حقارت۔

بارناو

قدرت کو یہی منظور تھا کہ موسیو درینال کو ایک حاکم کی حیثیت سے نیک نامی حاصل ہو۔ دریائے دُوب سے سو فٹ اوپر پہاڑیوں کے ساتھ ساتھ جو سایہ دار سڑک چلی گئی ہے۔ اس کے لیے ایک زبردست پشتے کی دیوار کی ضرورت پڑی۔ یہ جگہ ہی اتنی نفیس ہے کہ اس کی بدولت یہ سڑک فرانس کے حسین ترین مناظر میں سے شمار ہوتی ہے۔ لیکن ہر سال بہار کے موسم میں بارش کا پانی سڑک پر لہریں لینے لگتا تھا، گہرے گہرے گڑھے پڑجاتے تھے اور سڑک استعمال کے قابل نہیں رہتی تھی۔ اس زحمت کا سامنا ہر ایک کو کرنا پڑتا تھا۔ مگر یہ زحمت موسیو درینال کے لیے راحت بن گئی، کیونکہ اسے مجبوراً ایک بیس فٹ اونچی اور ستر اسی گز لمبی دیوار بنوانی پڑی اور ساتھ ہی اس کا عہدِ میئری لافانی بن گیا۔

اس دیوار کی منڈیر بنوانے کے لئے موسیو وریناال کو تین دفعہ پیرس جانا پڑا۔ کیونکہ اس سے پہلے والے وزیرِ داخلہ کو وینہ یئر کی سایہ دار سڑک سے للّٰہی بغض ہو گیا تھا اب یہ منڈیر بھی موجود ہے اور زمین سے چار فٹ اونچی ہے اور گویا گذشتہ و موجودہ سارے وزیروں کو منہ توڑ جواب دینے کے لئے آج کل اس میں تراشے ہوئے پتھر کی سلیں لگائی جا رہی ہیں۔

کتنی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ سرمئی پتھروں کی ان بڑی بڑی سلوں پر جن میں ہلکی سی نیلاہٹ ہے، کہنیاں ٹکا کر پچھلی رات چھوڑی ہوئی پیرس کی رقص گاہوں کے بارے میں سوچتے سوچتے میں دوب کی وادی پر نظریں دوڑانے لگا ہوں۔ وہاں بائیں کنارے پر پانچ چھ بل کھاتی ہوئی گھاٹیاں ہیں جن کے دامن میں کئی کئی چھوٹے چھوٹے چشمے صاف نظر آتے ہیں چٹانوں پر سے کود کود کر یہ چشمے دریائے دوب میں جا ملتے ہیں۔ ان پہاڑوں میں دھوپ بڑی تیز ہوتی ہے۔ جب سورج ٹھیک سر کے اوپر ہو تو اس چبوترے پر شاندار درختوں کی ایک پوری قطار مسافر کو اپنی پناہ میں لے لیتی ہے۔ یہ درخت بڑی جلدی بڑھتے ہیں اور ان کے ہلکے ہلکے نیلے نیلے رنگ کے پتے بڑے پیارے لگتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میئر کی لمبی چوڑی پشتے کی دیوار کے پیچھے جو جگہ ہے وہاں اس نے مصنوعی کھاد بھروا دی ہے۔ شہر کی انتظامی مجلس کی مخالفت کے باوجود اس نے سڑک کو چھ فٹ سے بھی زیادہ اور چوڑا کرا دیا ہے (حالانکہ وہ قدامت پسند جماعت کا ہے اور میں آزاد خیال جماعت سے تعلق رکھتا ہوں پھر بھی میں اس کے اس کام کی تعریف کرتا ہوں) یہی وجہ ہے کہ خود اس کی اور وینہ یئر کے محتاج خانے کے خوش قسمت نگراں موسیو والنو کی رائے میں یہ زبردست چبوترا سین ژرمین آں لے کے چبوترے کا مدِّ مقابل ہے۔

زرد ہو رہا تھا" ایسا تھوڑا ہی ہے کہ دربار میں میرا کوئی دوست ہی نہ ہو۔۔۔"

حالانکہ میں دو سو صفحے قصباتی زندگی کے بیان میں لکھنا چاہتا ہوں لیکن مجھ سے ایسی بدتمیزی سرزد نہیں ہو گی کہ قصباتی مکالموں کے پھس پھسے پن اور عقل و فہم کی نمائش سے آپ کو بیزار کر دوں۔

یہ حضرت جو پیرس سے تشریف لائے تھے اور جن سے دیریئر کے میئر کو اتنی جھینپ تھی موسیو آپیئر کے سوا اور کوئی نہ تھا اس زمانے کا ایک مشہور آدمی جس کا کام خدمت خلق تھا) وہ دن ہوتے موسیو آپیئر کسی نہ کسی طرح دیریئر کے قید خانے اور محتاج خانے بلکہ اُس خیراتی اسپتال میں بھی جا پہنچے تھے جو میئر اور دوسرے بڑے زمینداروں نے کھول رکھا تھا۔

مادام دریتال نے ڈرتے ڈرتے پوچھا" لیکن یہ پیرس سے آنے والے صاحب آپ کو کیا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ آپ تو پوری ایمانداری اور دیانتداری کے ساتھ غریبوں کی بھلائی کا خیال رکھتے ہیں"۔

"یہ شخص تو بس نکتہ چینی کرنے کے لیے آیا ہے۔ یہاں سے واپس جا کے وہ آزاد خیال اخباروں میں مضمون نکلوائے گا"۔

"لیکن آپ انہیں پڑھتے ہی کب ہیں"۔

"مگر لوگ تو ہمیں آ کے سناتے ہیں کہ انقلاب پسندوں کے مضمونوں میں کیا لکھا ہے۔ ان باتوں سے ہمارا دھیان بٹتا ہے اور بھلائی کے کاموں میں کھنڈت پڑتی ہے۔ رہی میری بات تو میں تو پادری کو کبھی معاف کرنے والا ہوں نہیں"۔

تیسرا باب

غریبوں کی بھلائی

جو پادری نیک ہو اور سازش نہ کرتا ہو۔ وہ گاؤں کے لئے خدا کی رحمت ہے

فلیوری

یہاں یہ بتا دینا چاہئے کہ دِیَنیر کا پادری اسّی سال کا بڈھا تھا مگر پہاڑوں کی تر و تازہ ہوا نے اسے آہنی صحت اور کردار بخش دیا تھا۔ اُسے یہ حق حاصل تھا کہ دن میں جس وقت بھی چاہے۔ جیل، اسپتال بلکہ محتاج خانے میں بھی جا سکتا تھا۔ موسیو آپیئر پادری کے نام پیرس سے تعارفی خط لائے تھے۔ انہوں نے یہ عقلمندی کی کہ اس چھوٹے سے متجسس شہر میں صبح کے ٹھیک چھ بجے پہنچے اور سیدھے پادری کے گھر چلے گئے۔

پادری شیلاں نے فرانس کے ایک نواب اور صوبے کے سب سے دولت مند زمیندار موسیو لا مارلی ولامول کا خط پڑھا تو وہ فکر میں پڑ گیا۔

"میں بڈھا ہوں اور یہاں کے لوگ مجھے پسند بھی کرتے ہیں" آخر کار اس نے زیرِ لب اپنے آپ سے کہا۔ پھر وہ فوراً پیرس سے آنے والے کی طرف مڑا۔ بڑھاپے کے باوجود اس کی آنکھوں میں وہ مقدس آگ دہک رہی تھی جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس

آدمی کو تھوڑا سا خطرناک مگر نیک کام کرنے میں لطف ملتا ہے۔

"آیئے جناب! میرے ساتھ چلئے لیکن اتنی عنایت فرمایئے گا کہ ہمیں جو باتیں نظر آئیں ان کے بارے میں جیلر اور خصوصاً محتاج خانے کے منتظمین کے سامنے کسی رائے کا اظہار نہ کیجئے گا۔" موسیو آپبیر سمجھ گئے کہ ان کا اسقف ایک حساس آدمی ہے۔ وہ اس قابلِ احترام پادری کے ہمراہ گئے جیل خانہ، اسپتال اور محتاج خانہ دیکھا۔ بہت سے سوال بھی پوچھے۔ مگر عجیب و غریب جوابوں کے باوجود منہ سے اعتراض کا ایک لفظ بھی نہ نکلنے دیا۔

یہ سیر کئی گھنٹے جاری رہی۔ پادری نے موسیو آپبیر کو کھانے کی دعوت دی، مگر مہمان نے جواب دیا کہ مجھے کچھ خط لکھنے ہیں۔ موسیو آپبیر اپنے نیک دل دوست کو اس معاملے میں زیادہ ستانا نہیں چاہتے تھے۔ تین بجے کے قریب دونوں اپنا معائنہ پورا کرنے کے لئے پھر محتاج خانے گئے اور اس کے بعد جیل خانے پہنچے۔ وہاں انہیں دروازے میں جیلر کھڑا ملا۔ یہ ایک چھ فٹ لمبا دیو تھا جس کی ٹانگیں ٹیڑھی ہوئی تھیں۔ ڈر کے مارے اس کا چہرہ اور بھی بدہیئت ہو گیا تھا۔

"حضور!" اس نے پادری کو دیکھتے ہی کہا "آپ کے ساتھ جو صاحب ہیں یہ موسیو آپبیر ہیں نا؟"

"ہیں تو پھر کیا ہے؟" پادری نے کہا۔

"بات یہ ہے کہ مجھے کل بڑے سخت احکامات ملے ہیں۔ ناظمِ اعلٰی نے راتوں رات ایک سپاہی دوڑایا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ موسیو آپبیر کو جیل خانے میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی جائے۔"

"موسیو نوارو" پادری نے کہا "میں تمہیں صاف لفظوں میں بتاتا ہوں کہ یہ صاحب جو میرے ساتھ ہیں موسیو آپیئر ہیں۔ تم یہ بات مانتے ہو یا نہیں کہ دن ہو یا رات، مجھے ہر وقت جیل خانے میں داخل ہونے کا حق حاصل ہے اور میں جسے چاہوں اپنے ساتھ لا سکتا ہوں"

"بالکل درست ہے، پادری صاحب" جیلر نے دبی زبان سے کہا اور ایسے سر جھکا لیا جیسے کوئی بل ڈاگ ڈنڈے کے ڈر سے فرمانبرداری پر مجبور ہو گیا ہو "مگر پادری صاحب، یہ تو دیکھئے کہ میرے بیوی بچے ہیں۔ اگر کسی نے اطلاع کر دی تو میں برخواست ہو جاؤں گا۔ میرا سہارا بس یہی نوکری تو ہے"۔

"میری نوکری چھٹ جاتے تو مجھے بھی بڑا افسوس ہو گا" نیک دل پادری نے جواب دیا۔ بڑھتے ہوئے جوش کی شدت سے اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"مگر مجھ میں اور آپ میں کتنا فرق ہے!" جیلر نے ترکی بہ ترکی جواب دیا "پادری صاحب! ہمیں معلوم ہے کہ آپ کو اپنی زمین سے آٹھ سو لیور کی آمدنی ہے۔ آپ کا ایک ٹھکانا تو ہے . . . . "

یہ ہیں وہ واقعات جن پر جگہ جگہ تبصرہ ہوا۔ بیس مختلف طریقوں سے رنگ آمیزی کی گئی اور جنہوں نے پچھلے دو دن سے وریئیر کے چھوٹے سے شہر کے تمام فاسد جذبات کو بیدار کر دیا تھا۔ اس وقت یہ باتیں موسیو دریناال اور اس کی بیوی کے درمیان ایک چھوٹی سی بحث کے موضوع کا کام دے رہی تھیں۔ آج صبح وہ محتاج خانے کے منتظم موسیو ڈال نو کے ساتھ پادری کو اپنی سخت ناراضی کی اطلاع دینے اس کے گھر گیا تھا۔ موسیو شیلاں کو کسی کی سرپرستی حاصل نہ تھی۔ پادری نے اچھی طرح محسوس کر لیا کہ ان لوگوں

کے الفاظ میں کیا زور ہے۔"

"دیکھئے حضرات، میں اس علاقے میں اسّی برس کا تیسرا پادری ہوں گا جس کی روزی چھنے گی۔ مجھے یہاں رہتے چھپن سال گزر چکے ہیں۔ میں نے شہر کے تقریباً سارے آدمیوں کو بپتسمہ دیا ہے۔ جب میں یہاں آیا ہوں تو یہ شہر بس ایک گاؤں تھا۔ میں ہر روز نوجوان جوڑوں کا نکاح پڑھاتا ہوں۔ عرصہ ہوا کہ ان کے باپ دادا کا نکاح بھی میں نے ہی پڑھایا تھا۔ ویریئر تو میرا خاندان ہے۔ لیکن یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ شہر چھوڑنے کے ڈر سے اپنا ضمیر بیچ دوں۔ یا اپنے افعال پر کسی اور چیز کا اثر بھی تسلیم کر لوں۔ جب میں نے اس اجنبی کو دیکھا تو اپنے آپ سے کہا کہ یہ آدمی جو پیرس سے آیا ہے۔ بہت ممکن ہے آزاد خیال جماعت کا ہو۔ ایسے لوگ بہت ہیں۔ لیکن یہ ہمارے آدمیوں اور ہمارے قیدیوں کو کیا نقصان پہنچا سکتا ہے؟"

جب موسیو د رینال اور خصوصاً محتاج خانے کے منتظم موسیو وال نو کی لعنت ملامت تلخ سے تلخ تر ہوتی چلی گئی تو بڈھے پادری نے لرزتی ہوئی آواز میں چلّا کر کہا "بہت اچھا جناب، جائیے مجھے برخواست کرا دیجئے۔ میں پھر بھی شہر ہی میں رہوں گا۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ اڑتالیس سال ہوئے مجھے تھوڑی سی زمین ورثے میں ملی تھی۔ اس سے مجھے آٹھ سو لیور کی آمدنی ہوتی ہے۔ میرا گزارہ اس آمدنی سے ہو جائے گا۔ اب تنخواہ سے تو میں ایک پیسہ بھی نہیں بچاتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب لوگ میری روزی چھین لینے کی باتیں کرتے ہیں تو مجھے کچھ ایسی گھبراہٹ نہیں ہوتی۔"

اپنی بیوی سے موسیو د رینال کے تعلقات بڑے خوش گوار تھے۔ لیکن جب بیوی نے ذرا ڈرتے ڈرتے یہ سوال دہرایا کہ وہ پیرس والا آدمی ہمارے قیدیوں کو کیا نقصان پہنچا

سکتا ہے تو اس کی سمجھ ہی میں نہ آیا جواب کیا دوں - اسے غصہ آنے ہی والا تھا کہ بیوی نے زور سے چیخ ماری - اس کا دوسرا بیٹا منڈیر پر چڑھ گیا تھا اور دوڑا چلا جا رہا تھا حالانکہ دیوار نیچے والی انگور کی بیلوں سے بیس فٹ سے بھی زیادہ اونچی تھی - مادام دریناں کو ڈر تھا کہ اگر بچے کو چونکایا تو وہ نیچے گر پڑے گا - اس لئے وہ اسے پکار بھی نہ سکتی تھی - آخر بچہ جو اپنی بہادری پر خوش ہو ہو کر ہنس رہا تھا اپنی ماں کو دیکھنے کے لئے مڑا - اسے جو پتہ چلا کہ ماں کیسی زرد ہو رہی ہے تو وہ سڑک پر کود پڑا اور بھاگ کے اس کے پاس آگیا - بچے پر خوب ڈانٹ پڑی -

اس چھوٹے سے واقعے نے گفتگو کا رخ بدل دیا -

"میں نے پکا ارادہ کر لیا ہے کہ لکڑہارے کے بیٹے سورل کو اپنے یہاں رکھ لوں گا" موسیو دریناں نے کہا "بچے بڑے شیطان ہوتے جا رہے ہیں - اب ہمارے بس کے نہیں رہے - وہ ان کی نگرانی کیا کرے گا - سورل ابھی نوعمر ہے اور دینیات پڑھتا ہے یا لاطینی کا طالب علم ہے - خیر وہ ایک ہی بات ہے - اس کی تربیت میں بچے خوب ترقی کریں گے - پادری صاحب کہتے ہیں - وہ بڑے مضبوط کردار کا لڑکا ہے - میں اسے تین سو فرانک اور کھانا دوں گا - پہلے مجھے اس کے چال چلن کے بارے میں کچھ شبہ تھا - کیونکہ وہ اس خطاب یافتہ بڈھے ڈاکٹر کا بڑا لاڈلا تھا جو ان لوگوں سے قرابت داری کے بہانے لکڑہارے کے یہاں آ رہا تھا - ہو سکتا ہے کہ وہ آزاد خیال جماعت کا جاسوس ہو - کہتا تھا کہ ہمارے پہاڑ کی ہوا اس کے دمے کے لئے بڑی مفید ثابت ہوئی ہے لیکن اس کی تصدیق کبھی نہیں ہو سکی - نپولین نے اٹلی میں جتنی لڑائیاں لڑیں - وہ سب میں شامل رہا تھا - میں نے تو یہاں تک سنا ہے کہ جب نپولین کے بادشاہ بننے کا سوال اٹھا

تو اس نے مخالفت میں رائے دی۔ اس آزاد خیال آدمی نے سوریل کو لاطینی پڑھائی ہے اور اپنے ساتھ جتنی کتابیں یہاں لایا تھا سب اسے دے گیا ہے۔ مجھے تو اپنے بچوں کو لکڑہارے کے بیٹے کے ساتھ رکھنے کا کبھی خیال بھی نہ آتا تھا لیکن وہ جو پادری صاحب کے ساتھ فضیحتہ ہوا تھا جس سے ہم دونوں میں ہمیشہ کے لیئے نفاق پیدا ہو گیا ہے۔ اس سے بس ایک دن پہلے انہوں نے مجھے بتایا کہ سوریل پچھلے تین سال سے دینیات پڑھ رہا ہے اور کسی مذہبی درس گاہ میں داخل ہونا چاہتا ہے یعنی وہ آزاد خیال نہیں ہے اور لاطینی بڑی اچھی جانتا ہے"۔

"یہ انتظام کئی اعتبار سے مناسب رہے گا"۔ موسیو دریناال نے بڑی کاروائی کے انداز سے بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "وال نو نے حال ہی میں اپنی گاڑی کے لیئے جو دو نفیس گھوڑے خریدے ہیں۔ ان پر وہ بڑا اکڑتا ہے۔ لیکن بچوں کے لیئے اس کے پاس کوئی اتالیق نہیں ہے"۔

"اس کا بس چلے تو اس اتالیق کو بھی ہم سے اچک لے جائے"۔

"تو پھر تمہیں بھی میری تجویز پسند ہے"؟ بیوی کے دماغ میں بڑے زور کا خیال آیا تھا۔ موسیو دریناال نے مسکرا کر اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ "تو چلو، بس طے ہو گیا"۔

"یا اللہ! پیارے، تم بھی کتنی جلدی بات کا فیصلہ کرتے ہو!

"یہ اس وجہ سے کہ میں بڑے مضبوط کردار کا آدمی ہوں جیسا پادری صاحب نے بھی دیکھ لیا ہے۔ خواہ مخواہ باتیں بنانے سے کیا حاصل، اصل چیز یہ ہے کہ ہمارے چاروں طرف آزاد خیال جماعت کے آدمی پھیلے ہوئے ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ یہ

سارے کپڑے کے تاجر مجھ سے جلتے ہیں۔ ان میں سے دو تین تو اب مالدار بھی ہوتے جا رہے ہیں۔ خیر کوئی بات نہیں ہے۔ اب میں انہیں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ موسیو دریناال کے بچے اپنے اتالیق کی نگرانی میں سیر کو نکلتے ہیں۔ اس سے بڑا رعب پڑے گا۔ دادا ابا اکثر کہا کرتے تھے کہ جب وہ بچے تھے تو ان کا ایک اتالیق تھا۔ اتالیق رکھنے میں سو کراؤن کا صرفہ ہو گا۔ لیکن اپنی حیثیت برقرار رکھنے کے لئے اس خرچ کو تو لازمی ہی سمجھنا چاہئے!"

یہ فوری فیصلہ دیکھ کر مادام دریناال سوچ میں پڑ گئی۔ وہ دراز قد اور خوش اندام عورت تھی اور ایک زمانے میں شہر کی ملکۂ حسن رہ چکی تھی۔ اس کے انداز میں ایک قسم کی سادگی تھی اور چال ڈھال سے بالکل لڑکی معلوم ہوتی تھی۔ اس بے طرحی میں ایسی طرحداری ایسی معصومیت، ایسی چلبلاہٹ تھی کہ اسے دیکھ کے پیرس والا تو شاید یہ سمجھے کہ اس کے مزاج میں ہلکی سی حرارت اور تندی بھی ہے۔ اگر مادام دریناال کو پتہ چلتا کہ مجھے اس قسم کی کامیابی بھی حاصل ہو سکتی ہے تو اسے بڑی شرم آتی۔ بناوٹ یا ناز و انداز کا تو اس کے مزاج میں شائبہ تک نہ تھا۔ کہتے ہیں کہ محتاج خانے کے مالدار منتظم موسیو والنو نے ذرا عشق جتانے کی کوشش کی تھی مگر لاحاصل۔ اس کی ناکامی سے مادام دریناال کی پاکبازی میں چار چاند لگ گئے۔ کیونکہ یہ موسیو والنو لمبا تڑنگا، خوش رنگ اور گٹھے ہوئے جسم کا نوجوان تھا اور بھونرا جیسے سیاہ اور گھنے گل مچھے رکھتا تھا۔ وہ ان بے تمیز بے حیا اور غل غپاڑا مچانے والے لوگوں میں سے تھا جنہیں قصبات میں بڑا نفیس آدمی سمجھا جاتا ہے۔

مادام دریناال بڑی شرمیلی تھی اور اس کے مزاج میں اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا تھا۔

لیے خاص طور سے موسیو دالّ نو کی مضطرب حرکات و سکنات اور بھاری آواز بہت بُری لگی۔ دیپ ٹیبر میں جس چیز کو خوش مزاجی سمجھا جاتا ہے۔ وہ اسے بڑی ناگوار گزرتی تھی چنانچہ اس کے بارے میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ وہ اپنے حسب نسب پر اکڑتی ہے۔ اس نے اس بدنامی کی ذرا بھی پروانہ کی بلکہ اسے تو یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اس کے یہاں دیپ ٹیبر کے لوگوں کا آنا جانا کم ہو گیا ہے۔ ہم یہ بات بھی نہیں چھپائیں گے کہ ان کی بیویاں اسے احمق سمجھتی تھیں۔ کیونکہ وہ اپنے شوہر سے ذرا بھی چالبازی نہیں برتتی تھی۔ اور جب پیرس یا بیساں سون سے خوبصورت ٹوپیاں منگوانے کے زریں موقعے ملتے تو ان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتی تھی۔ اسے تو بس اتنا چاہیئے تھا کہ اپنے نفیس باغ میں اکیلے ٹہلا کرے۔ اس کے بعد اسے کوئی شکایت نہیں ہوتی تھی۔

وہ بڑی سیدھی سادی تھی۔ اس سے تو کبھی اتنا بھی نہیں ہوا تھا کہ اپنے شوہر پر نکتہ چینی کرے اور یہ تسلیم کرلے کہ میں اس سے اکتا گئی ہوں۔ اس نے کبھی واضح طور سے تو یہ بات نہیں سوچی مگر اس کا خیال تھا کہ میاں بیوی میں اس سے زیادہ پیار ہو بھی کیا سکتا ہے۔ اسے موسیو درینال خصوصاً اس وقت پسند آتا جب وہ بچوں کے مستقبل کے بارے میں اس سے باتیں کرتا۔ ایک بچے کو تو وہ فوج میں بھیجنا چاہتا تھا۔ دوسرے کو جج بنانا چاہتا تھا اور تیسرے کو پادری۔ مختصر یہ کہ اپنی جان پہچان کے مردوں میں سب سے کم اکتاہٹ اسے موسیو درینال ہی سے ہوتی تھی۔

بیوی کی یہ رائے بالکل معقول تھی۔ دیپ ٹیبر کے میئر کی حاضر جوابی اور اس سے بھی زیادہ اس کے مہذب لب و لہجے کی بڑی شہرت تھی۔ دراصل یہ شہرت اُن آدھے درجن لطیفوں کی مرہونِ منت تھی جو اسے اپنے ایک چچا سے ورثے میں ملے تھے۔

یہ بڈھا کپتان ورینال انقلاب سے پہلے ڈیوک اورلیاں کے پیدل دستے میں رہ چکا تھا اور جب وہ پیرس جاتا تھا تو اُسے شہزادے کے دیوان خانے میں باریابی نصیب ہوتی تھی۔ وہاں وہ مادام دمونت ستوں، مشہور و معروف مادام دژاں لی اور شاہی محل کے "موجد" موسیو دلیو کرے کو دیکھ چکا تھا۔ موسیو دِرینال کے قِصّوں میں یہ ہستیاں بار بار نمودار ہوتی تھیں۔ لیکن چونکہ ان باتوں کے ذکر میں بڑی نفاست سے کام لینا پڑتا تھا۔ اس لئے آہستہ آہستہ یہ یادیں ایک بار بن کے رہ گئیں۔ اب کچھ دنوں سے وہ خاندانِ اورلیاں کے قصّے بس خاص خاص موقعوں پر ہی سُناتا تھا۔ روپیہ پیسے کا ذکر چھڑ جائے تو اور بات ہے، لیکن دوسرے معاملات میں وہ بڑا شائستہ اور مہذّب تھا۔ لہٰذا اسے ویریئر کی سب سے زیادہ رئیسانہ شخصیت سمجھا جاتا تھا اور یہ ٹھیک بھی تھا۔

چوتھا باب

باپ اور بیٹا

اور یہ سب میرا قصور ہوگا۔

اور ہوا ابھی تو کیا ہے؟

میکیاویلی

"میری بیوی کی کھوپڑی ہیں ناقص بھیجا ہے"۔ اگلے دن چھ بجے صبح بڈھے سوریل کے کارخانے جاتے ہوئے وریئیر کے میئر نے دل ہی دل میں کہا "اپنی برتری قائم رکھنے کے لئے میں نے بیوی سے کہہ تو دیا مگر مجھے کبھی خیال ہی نہیں آیا تھا کہ اگر میں نے اس راہب لڑکے سوریل کو جو سنا ہے فر فر لاطینی پڑھتا ہے، اپنے یہاں نہ رکھا۔ تو ممکن ہے اس بے چین بوڑھی محتاج خانے کے منتظم کو بھی یہی بات سوجھے اور وہ اسے مجھ سے جھپٹ لے جائے۔ مجھے ابھی سے سنائی دے رہا ہے کہ وہ کس اکڑ کے ساتھ اپنے بچوں کے اتالیق کا ذکر کیا کرے گا! . . . . اگر مجھے یہ اتالیق مل گیا تو وہ عبا پہنا کرے گا یا نہیں؟

موسیو درینال اسی خیال میں مگن تھا کہ اسے دور سے ایک چھ فٹ لمبا کسان نظر

آیا جو شاید منہ اندھیرے سے دوب کے کنارے گھوڑوں کے راستے میں پڑے ہوئے لکڑی کے تختوں کو ناپنے میں مصروف تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اسے میئر کو اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر کچھ خوشی نہیں ہوئی۔ کیونکہ اس کے تختوں نے سارا راستہ روک رکھا تھا اور انہیں وہاں ڈالنا قانون کی خلاف ورزی تھی۔

یہ بڈھا سوریل ہی تھا۔ موسیو درینال نے اس کے بیٹے ژولیاں کے بارے میں جو عجیب و غریب پیشکش کی اسے سُن کر بڈھا ہکا بکا رہ گیا اور خوشی اس سے بھی زیادہ ہوئی تاہم اس نے موسیو درینال کی بات اس شکایت آمیز بے دلی اور بے تعلقی کے ساتھ سُنی جس کے پردے میں ان پہاڑوں کے رہنے والے اپنی ہوشیاری کو چھپا لینا خوب جانتے ہیں۔ اسپین کے غلبے کے زمانے میں یہ لوگ غلام بن گئے تھے۔ چنانچہ ان کے چہروں میں مصر کے فلاحین کا سا انداز ابھی تک باقی ہے۔

پہلے تو سوریل نے بس اتنا جواب دیا کہ اس نے جتنے بھی تعظیمی فقرے رٹ رکھے تھے۔ انہیں فرفر دہرانا شروع کر دیا۔ ساتھ ساتھ وہ ایک عجب طرح مسکراتا بھی جا رہا تھا۔ جھوٹ اور عیاری تو پہلے ہی سے اس کے چہرے پر لکھی ہوئی تھی۔ مسکراہٹ نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ لیکن ان مہمل باتوں کے دوران میں بڈھے کسان کا دماغ بڑی تیزی سے یہ معلوم کرنے کی فکر میں لگا ہوا تھا کہ آخر وہ کیا بات ہے جس کے سبب اتنا اہم آدمی میرے نالائق بیٹے کو اپنے گھر رکھنا چاہتا ہے۔ وہ ژولیاں سے بہت ہی غیر مطمئن تھا اور اسی ژولیاں کو موسیو درینال تین سو فرانک سالانہ کی حیرت انگیز تنخواہ اور ساتھ میں کھانا بلکہ کپڑا بھی دینے کو تیار تھا۔ بڈھے سوریل کو یہ کپڑوں والی شرط بالکل وقت کے وقت سوجھی تھی اور موسیو درینال نے بے چون و چرا فوراً منظور کر لی تھی۔

اس مطالبے سے مئیر کھٹک گیا۔ اس نے دل میں کہا "میری تجویز سے سوریل کو خوشی نہیں ہوئی اور نہ اس نے میرا احسان مانا۔ حالانکہ قدرتی طور سے ہونا تو یہی چاہئے تھا اس سے صاف ظاہر ہے کہ کسی اور طرف سے بھی سلسلہ جنبانی ہوئی ہے اور بہ وال نو کے سوا اور کون ہو سکتا ہے؟" موسیو درینال نے بہت زور دیا کہ ابھی معاملہ طے ہو جانا چاہئے۔ مگر چالاک بڈھا اسی ڈھٹائی سے انکار کرتا رہا اور بولا کہ میں اپنے بیٹے کی رائے تو معلوم کر لوں جیسے دیہات میں مالدار باپ رسمی طور کے سوا کبھی اپنے تلاش بیٹے سے مشورہ ہی تو لیتا ہے۔

پانی سے چلنے والے لکڑی کے کارخانے میں ایک تو دریا کے کنارے سائبان سا ہوتا ہے۔ چھت کے نیچے شہتیر ہوتے ہیں اور ان کو ٹکانے کے لئے لکڑی کے چار موٹے موٹے کھمبے۔ سائبان کے بیچوں بیچ زمین سے نو دس فٹ اوپر آرا دکھائی دیتا ہے جو اوپر نیچے چلتا رہتا ہے اور ایک بہت ہی سیدھی سادی مشین لکڑی کے ٹکڑے آرے کے سامنے کھسکاتی رہتی ہے۔ پوری مشین کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک تو آرا جو اوپر نیچے چلتا ہے اور لکڑی کے تختے بناتا ہے۔ دوسرا وہ جو لکڑی کو آہستہ آہستہ آرے کے سامنے سرکاتا ہے۔ یہ دونوں حصے پانی کے نالے کے زور سے چلتے ہیں۔

بڈھے سوریل نے کارخانے کے پاس پہنچ کر اپنی گرجدار آواز میں ژولیاں کو پکارا۔ مگر کوئی جواب نہ ملا۔ اسے بس اپنے دو بڑے دیو قامت بیٹے نظر آئے۔ جو بھاری بھر کم کلہاڑوں سے مسلح شاہ بلوط کے تنے پھاڑ پھاڑ کر چار چار ٹکڑے بنا رہے تھے جنہیں بعد میں آرے کے پاس لے جانا تھا۔ انہوں نے لکڑی پر ایک سیاہ لکیر کھینچ رکھی تھی اور وہ اس دھن میں تھے کہ چوٹ لکیر پر ہی پڑے۔ کلہاڑی پڑتے ہی لکڑی میں

سے بڑی بڑی چھپٹیاں اڑتی تھیں۔ انہوں نے اپنے باپ کی آواز ہی تکیلی سُنی۔ بڈھا سائبان میں پہنچا۔ اندر جا کے اس نے ژولیاں کو اس جگہ دیکھا جہاں اسے کھڑا ہونا چاہیئے تھا۔ یعنی آرے کے پاس، مگر وہ وہاں بھی نہ تھا۔ اتنے میں نظر پڑی تو دیکھا کہ ژولیاں پانچ چھ فٹ اوپر ایک بلی کے دونوں طرف ٹانگیں ڈالے بیٹھا ہے۔ احتیاط سے مشین کی نگرانی کرنے کے بجائے وہ بیٹھا کتاب پڑھ رہا تھا۔ بڈھے کو کسی بات سے اتنی چڑ نہیں تھی جتنی پڑھنے سے۔ شاید وہ ژولیاں کے دبلے پتلے جسم کو بھی معاف کر سکتا تھا جو بڑے بھائیوں کے جسم سے بالکل مختلف تھا اور جس میں محنت کا کام کرنے کی اہلیت بہت کم تھی مگر اس پڑھنے کی دھن سے تو وہ خار کھاتا تھا —— پڑھنے کے معاملے میں وہ خود کورا تھا۔

اس نے ژولیاں کو دو تین دفعہ پکارا، مگر بے سُود۔ آرے کے شور سے زیادہ کتاب میں اپنے انہماک کی وجہ سے اس نے باپ کی خوفناک آواز سنی ہی نہیں۔ آخر کار اپنے بڑھاپے کے باوجود باپ پھرتی سے اچک کر اس لکڑی پر چڑھ گیا جو آرے سے کٹ رہی تھی اور وہاں سے اس شہتیر پر جا پہنچا جس کے اوپر چھت رکھی ہوئی تھی۔ اس نے جو زور سے دھپ رسید کیا تو ژولیاں کے ہاتھ سے کتاب چھٹ کر نالے میں جا پڑی۔ اتنے ہی زور کا دوسرا مُکا اس نے کان پر لگایا جس سے ژولیاں کا توازن بگڑ گیا۔ وہ بارہ یا پندرہ فٹ کی بلندی سے چلتی ہوئی مشین کے اوپر گرنے ہی والا تھا جو اسے پیس کے رکھ دیتی۔ لیکن جب وہ گرنے لگا تو باپ نے اسے اپنے بائیں ہاتھ سے پکڑ لیا۔

"کیوں رے نکمے! تجھے آرے کے پاس کھڑا ہونا چاہیئے تھا اور تُو بیٹھا اپنی یہ

ملعون کتابیں پڑھتا ہے! پڑھنا ہی ہے تو شام کو پڑھا کر جب پادری کے پاس جا کے وقت خراب کرتا ہے۔"

حالانکہ چوٹ سے ڑولیاں کا سر پھٹ گیا تھا اور خون بھی بہت بہہ رہا تھا مگر وہ آرے کے پاس اپنی مقررہ جگہ جا کھڑا ہوا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے — اتنے جسمانی تکلیف کی وجہ سے نہیں جتنے اپنی عزیز کتاب کے ضائع ہو جانے کے سبب۔

"چل، جنگلی نیچے آ، مجھے تجھ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔" مشین کے شور میں ڑولیاں کو یہ حکم پھر سنائی نہ دیا۔ اس کا باپ نیچے اتر آیا تھا اور دوبارہ مشین کے اوپر چڑھنے کی تکلیف گوارا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ وہ جا کے اخروٹ جھاڑنے کا لمبا سا بانس اٹھا لایا اور ڑولیاں کے کندھے پر دے مارا۔ اس کے نیچے آتے ہی بڈھا سور ڈیل اسے بڑی بے رحمی کے ساتھ پیچھے سے دھکا دے کر مکان کی طرف ہنکا لے گیا۔ لڑکے نے سوچا، "خدا جانے یہ میرے ساتھ کیا سلوک کرنے والے ہیں۔" جب نالے میں اس کی کتاب گری تھی جب وہ اس کے پاس سے گزرا تو بڑی حسرت سے اس کی طرف دیکھا۔ یہ "سینٹ ہیلینا کی داستان" تھی اور اپنی کتابوں میں اسے سب سے زیادہ عزیز تھی۔

اس کا منہ سرخ ہو گیا تھا اور آنکھیں جھکی ہوئی تھیں۔ وہ اٹھارہ انیس سال کا دبلا پتلا لڑکا تھا۔ ناہموار لیکن نازک نازک خدوخال، ستواں ناک، دیکھنے میں کچھ کمزور سا اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں، سکون کے لمحوں میں تو کچھ تفکر پسند اور آتشیں روح کا پتہ دیتی تھیں لیکن اس وقت ان میں انتہائی وحشیانہ نفرت کی آگ دہک رہی تھی۔ اس کے گہرے سرخ بال بہت نیچے تک آ گئے تھے۔ جس کی وجہ سے ماتھا تنگ رہ گیا

تھا اور غصے کے وقت اس کے چہرے پر بدمعاشی برسنے لگتی تھی یوں تو انسانی چہرے کی بیسیوں قسمیں ہیں مگر اتنی توجّہ طلب اور حیرت انگیز شکل شاید اور کوئی نہیں۔ اس کے چھریرے اور خوش نما بدن سے قوّت کے بجائے پھرتی ٹپکتی تھی۔ بچپن میں اس کا اداس چہرہ اور زرد رنگ دیکھ کر باپ کو خیال ہوا تھا کہ یہ بچّہ زندہ نہیں رہے گا یا خاندان پر بوجھ بننے کے لئے جیے گا۔ سارا گھر اُسے حقارت کی نظروں سے دیکھتا تھا اور اسے اپنے بھائیوں اور باپ سے نفرت تھی۔ اتوار کے دن میدان میں کھیلتے ہوئے اُسے ہمیشہ ہار ہوتی تھی۔

البتہ سال بھر سے اپنی خوبصورتی کے باعث لڑکیوں میں اُسے دو چار حمایتی ملنے لگے تھے۔ ہر آدمی اُسے کمزور سمجھ کر حقارت کی نظروں سے دیکھتا تھا۔ اس لئے ژولیاں کو اس بڈھے سرجن سے بڑا لگاؤ ہو گیا تھا جس نے ایک دن درختوں کے بارے میں میئر سے بات چیت کی ہمت کر ڈالی تھی۔

یہ ڈاکٹر کبھی کبھی بڈھے سوریل کو اس کے بیٹے کی ایک دن کی مزدوری ادا کر کے اسے گھر لے جاتا تھا اور لاطینی اور تاریخ پڑھاتا تھا۔ تاریخ سے مطلب یہ ہے کہ جتنی تاریخ اسے آتی تھی۔ یعنی اٹلی پر ۱۷۹۶ء والا حملہ۔ مرتے وقت وہ اپنا تمغہ۔ پنشن کی بقایا رقم اور تیس چالیس کتابیں ژولیاں کو دے گیا۔ میئر کے اثر و رسوخ سے جس نالے کا رُخ پھیرا گیا تھا۔ اس میں جو کتاب ابھی ابھی گری تھی۔ وہ ان سب میں بیش قیمت تھی۔

گھر کے اندر داخل ہوتے ہی ژولیاں کو باپ کے مضبوط ہاتھ کی گرفت اپنے کندھوں پر محسوس ہوئی۔ وہ اس ڈر سے کانپ اٹھا کہ اب بے بھاؤ کی

مار پڑے گی۔

"میں جو پوچھوں اس کا ٹھیک ٹھیک جواب دینا، جھوٹ مت بولنا" بڈھے کسان نے اپنی کرخت آواز میں بیچ کر اس کے کان میں کہا اور ہاتھ سے جھٹکا دے کر اسے اپنی طرف گھما لیا جیسے بچہ ٹین کے سپاہی کو گھما لیتا ہے۔ ثرولیاں کی آنسوؤں سے بھری ہوئی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں بڈھے کسان کی چھوٹی چھوٹی بھوری آنکھوں کے مقابل آگئیں۔ بڈھا ایسے گھور رہا تھا جیسے اپنے بیٹے کے دل کی گہرائیوں تک پہنچ جانا چاہتا ہو۔

پانچواں باب

سودے بازی

اس نے کوشش کر کے وہ چیز لوٹا دی

ایلنیوس

"کتابوں کے کیڑے، تجھ سے ہو سکے تو ذرا ٹھیک ٹھیک جواب دے، جھوٹ مت بول۔ مادام وریناآل سے تیری کیسے جان پہچان ہوئی؟ ان سے تیری بات چیت کب ہوئی؟"

"میری تو ان سے کبھی بات تک نہیں ہوئی؟" ژولیاں نے جواب دیا "میں نے تو بیگم صاحب کو گرجا کے علاوہ اور کہیں دیکھا بھی نہیں۔"

"بے حیا، کمینے، تو نے اُن کی طرف دیکھا تو ضرور ہو گا؟"

"کبھی بھی نہیں! آپ جانتے ہیں کہ گرجا میں تو خدا کے سوا میں اور کسی کو دیکھتا ہی نہیں" ژولیاں نے ریاکاری سے کام لیتے ہوئے لقمہ دیا۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح میں مار سے بچ جاؤں گا۔

"مگر دال میں کچھ کالا ضرور ہے" تنگ مزاج کسان نے جواب دیا، اور ایک لمحے کے لئے

خاموش ہو گیا۔ "مگر بے ایمان، مکار، تو پھوٹے گا نہیں۔ بات یہ ہے کہ تجھے تجھ سے خلاصی ملنے والی ہے۔ تو نہیں ہوگا تو میرا کارخانہ کچھ اچھا ہی چلے گا۔ تو نے پادری یا کسی اور سے یارانہ گانٹھا ہے، اور اس نے تجھے بڑی اچھی نوکری دلوادی ہے، جا اپنا سامان باندھ۔ میں تجھے موسیو دریناں کے یہاں لے جاؤں گا۔ وہاں تو بچوں کا اتالیق بنے گا۔"

"مجھے ملے گا کیا؟"

"کھانا، کپڑا، اور تین سو فرانک تنخواہ۔"

"میں تو نوکر بن کے نہیں رہنا چاہتا۔"

"ارے جنگلی، یہ تجھ سے کس نے کہا ہے کہ تو نوکر بن کے رہے گا؟ بھلا میں اپنے بیٹے کو کسی کا نوکر بننے دوں گا؟"

"لیکن میں کھانا کس کے ساتھ کھایا کروں گا؟"

یہ سوال سن کر بڈھا سوریل کھو گیا۔ اسے محسوس ہوا کہ اگر بولا تو کہیں منہ سے کوئی الٹی سیدھی بات نہ نکل جائے۔ چنانچہ ژولیاں پر برس پڑا۔ اسے خوب گالیاں دیں، ندیدہ اور پیٹو کہا اور اسے چھوڑ کر اپنے دوسرے بیٹوں سے مشورہ کرنے چل دیا۔

تھوڑی ہی دیر میں ژولیاں نے دیکھا کہ وہ اپنے کلہاڑوں کا سہارا لیے کھڑے ہیں اور آپس میں صلاح مشورہ کر رہے ہیں۔ ژولیاں تھوڑی دیر تک تو ان پر نظر جمائے رہا۔ لیکن جب دیکھا کہ کچھ پتہ ہی نہیں چلتا باتیں کیا ہو رہی ہیں تو وہ چل دیا اور آرے کے اس طرف جا کھڑا ہوا تاکہ وہ کہیں اسے بے خبری میں نہ آلیں۔ وہ اس غیر متوقع خبر پر جس نے اس کی قسمت ہی بدل کے رکھ دی تھی، غور کرنے کے لیے تھوڑا سا وقت چاہتا تھا، لیکن اسے محسوس ہو رہا تھا کہ مجھ میں عاقبت اندیشی کی اہلیت ہی نہیں ہے۔ اس کا سارا زور تو

یہ تصور کرنے میں صرف ہو رہا تھا کہ موسیو دریناک کے خوبصورت مکان میں کیا کیا دیکھنے کو ملے گا۔

"نوکروں کے ساتھ کھانا کھانے کی ذلت سے تو یہ بہتر ہے کہ میں اس سب کو بالکل چھوڑ ہی دوں۔" اس نے دل میں کہا۔ "ابا مجھے مجبور کریں گے۔ لیکن اس سے تو مر جانا ہی اچھا۔ میں نے پیسہ پیسہ جوڑ کے پندرہ فرانک اور آٹھ سُو جمع کئے ہیں۔ میں آج ہی رات کھسک جاؤں گا۔ پگڈنڈیوں کے راستے سے جاؤں گا۔ وہاں پولیس کا ڈر نہیں ہو گا۔ دو دن میں بیساں سوں جا پہنچوں گا۔ وہاں فوج میں بھرتی ہو جاؤں گا اور ضروری ہوا تو سرحد پار کر کے سوئٹزرلینڈ چلا جاؤں گا۔ لیکن پھر میری آرزوؤں کو خدا حافظ، ترقی کرنے کے حوصلوں کو خدا حافظ، پادری کے نفیس پیشے کو خدا حافظ جس کے ذریعے سب چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔"

نوکروں کے ساتھ کھانا کھانے سے اتنی چڑ ژولیاں کے لئے فطری چیز نہیں تھی۔ کامیابی حاصل کرنے کی دھن میں وہ اس سے بھی زیادہ ناخوشگوار باتوں کا مرتکب ہو سکتا تھا۔ یہ نفرت تو اس نے روسو کے "اعترافات" سے اخذ کی تھی۔ یہی ایک کتاب تھی جس کی مدد سے اس کا تخیل دنیا کا تصور قائم کرتا تھا۔ نپولین کی فوج کے کارناموں کا مجموعہ اور "سینٹ ہیلینا کی داستان" مل کر اس کا صحیفہ مکمل ہوتا تھا۔ ان تین کتابوں کے لئے وہ اپنی جان تک دینے کو تیار تھا۔ ان کے سوا اس کا ایمان کسی اور کتاب پر نہیں تھا۔ اُسے بڈھے سرجن میجر کا ایک قول یاد تھا، اور وہ دنیا کی باقی سب کتابوں کو جھوٹ کا پلندہ سمجھتا تھا، جنہیں بدمعاشوں نے دنیاوی کامیابی حاصل کرنے کے لئے لکھا تھا۔

اپنی آتشیں روح کے ساتھ ساتھ ژولیاں کا حافظہ اتنا حیرت انگیز تھا۔ جتنا اکثر احمقوں

کا ہوتا ہے۔ وہ خوب سمجھ گیا تھا کہ میرے مستقبل کا دارومدار بڈھے پادری شیلاں پر ہے۔ اس کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے ژولیاں نے پورا کا پورا عہد نامۂ جدید لاطینی میں زبانی رٹ لیا تھا۔ موسیو دمیستر کی کتاب "اُسقفِ اعظم" بھی اس کے نوکِ زباں تھی، لیکن اُسے نہ اس کتاب پر اعتقاد تھا نہ اس کتاب پر۔

آج دن بھر بڈھا سوریل اور اس کا بیٹا ایک دوسرے سے بات کرنے سے بچتے رہے جیسے دونوں میں باہمی سمجھوتہ ہو گیا ہو۔ دن ڈھلے ژولیاں پادری سے دینیات کا درس لینے گیا۔ لیکن اس عجیب و غریب تجویز کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا جو آج اس کے باپ کے سامنے پیش کی گئی تھی۔ اس نے دل میں کہا "ممکن ہے اس میں کوئی چال ہو مجھے ایسے بن جانا چاہیئے جیسے بات ہی بھول گیا ہوں"۔

دوسرے دن صبح سویرے موسیو درینال نے بڈھے سوریل کو بُلا بھیجا۔ سوریل دو ایک گھنٹے انتظار کرانے کے بعد آخر کار آ پہنچا۔ دروازے میں داخل ہوتے ہی اس نے معافی مانگنے اور آداب بجا لانے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ طرح طرح کی ہیر پھیر نکال کے اس نے یہ بات معلوم کر ہی لی کہ اس کا بیٹا گھر کے مالک اور مالکہ کے ساتھ کھانا کھایا کرے گا۔ اور جس دن اور لوگ کھانے پر آئیں گے اس دن بچوں کے ساتھ ایک الگ کمرے میں۔ اسے میئر کی بے تابی کا جتنا زیادہ اندازہ ہوتا گیا۔ سوریل کے دل میں نئی سے نئی مشکلات پیدا کرنے کی خواہش اتنی ہی بڑھتی گئی۔ اس کے علاوہ تو اسے بدگمانی بہت تھی۔ دوسرے وہ بالکل بھونچکا ہو رہا تھا۔ چنانچہ وہ بولا کہ میں ذرا وہ کمرہ دیکھنا چاہتا ہوں جس میں میرا بیٹا سویا کرے گا۔ یہ کمرہ خاصا بڑا اور خوب سجا سجایا تھا مگر ملازم تینوں بچوں کے پلنگ یہاں لا کر بچھا رہے تھے۔

یہ دیکھ کر بڈھے کسان کی آنکھیں تھوڑی سی کھلیں۔ اس نے بڑی خود اعتمادی کے ساتھ فوراً وہ کوٹ دیکھنے کو مانگا جو اس کے بیٹے کو ملنے والا تھا۔ موسیو دریناال نے دراز کھول کر سو فرانک نکالے۔

"تمہارا بیٹا یہ روپیہ لے کر موسیو دیبوراں درزی کے پاس چلا جائے گا اور اپنے لئے سیاہ سوٹ سلوائے گا۔"

"لیکن فرض کیجئے کہ میں اسے آپ کے یہاں سے واپس بلالوں۔" کسان بولا اب وہ گفتگو کے سارے آداب یکسر بھول چکا تھا۔ "پھر وہ اپنا سیاہ کوٹ ساتھ لے جا سکے گا یا نہیں؟"

"ضرور، ضرور۔"

"اچھا، ٹھیک ہے!" سوریل نے گھسٹتی ہوئی آواز میں کہا۔ "بس اب ایک بات اور طے ہونی باقی ہے۔ آپ اسے پیسے کتنے دیں گے؟"

"کیا مطلب!" موسیو دریناال نے غصے کے مارے چیخ کر کہا۔ "یہ بات تو طے ہو گئی تھی۔ میں تین سو فرانک دوں گا۔ میرے خیال میں اتنا بہت ہے۔ بلکہ زیادہ ہے۔"

"ہاں، آپ نے تو اتنے ہی پیسے کہے تھے، مجھے اس سے کب انکار ہے؟" بڈھے سوریل نے اور بھی آہستہ آہستہ بولتے ہوئے کہا۔ پھر اس کی ہوشیاری نے اسے ایک نئی بات سجھائی جس پر صرف انہیں لوگوں کو حیرت ہو گی جو اس علاقے کے کسانوں سے واقف نہیں ہیں اور اس نے موسیو دریناال کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "دوسری جگہ ہمیں اس سے اچھے پیسے مل سکتے ہیں۔"

یہ سن کر میئر کا رنگ فق ہو گیا۔ لیکن اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا، اور پورے دو گھنٹے

کی ہنرمندانہ گفت و شنید کے بعد جس میں ایک لفظ بھی بے مقصد اور بے ضرورت نہیں بولا گیا۔ آخر کسان کی کاردانی نے رئیس کی کاردانی پر فتح پا لی جسے اپنی بسر اوقات کے لئے اس خوبی کا سہارا نہیں لینا پڑتا تھا۔ وہ بے شمار شرطیں جن کے ذریعے ڑدلیاں کو نئی زندگی کا تعین ہونا تھا۔ آخر کار طے پا گئیں۔ اس کی تنخواہ چار سو فرانک مقرر ہوئی، بلکہ یہ بھی فیصلہ ہو گیا کہ تنخواہ ہر مہینے کی پہلی کو پیشگی ملا کرے گی۔

"بہتر ہے! میں اسے پینتیس فرانک دے دوں گا" موسیو ورنیال نے کہا۔

"آپ ہمارے مہربان ہیں، بڑے آدمی ہیں، سخی ہیں" کسان نے خوشامدانہ لہجے میں لقمہ دیا۔ "مجھے یقین ہے آپ پورے چھتیس فرانک ہی کر دیں گے۔"

"چلو یہ بھی سہی" موسیو ورنیال نے کہا "لیکن بس اب آگے بات نہیں ہونی چاہئے" اس دفعہ تو غصے کے مارے اس کے لہجے میں سختی آ گئی۔ کسان سمجھ گیا کہ اب آگے بڑھنا ممکن نہیں۔ لہٰذا اب موسیو ورنیال کی باری آئی۔ بڈھا سوریل بے تاب تھا کہ بیٹے کی طرف سے پہلے مہینے کے چھتیس فرانک میں وصول کر لوں، مگر موسیو ورنیال نے اسے پیسے دینے سے انکار کر دیا۔ اسے خیال آیا کہ مجھے اپنی بیوی کو سارا حال سنانا پڑے گا کہ اس گفت و شنید میں میرا کیا حصہ رہا۔

"میں نے تمہیں جو سو فرانک دیئے تھے وہ واپس دے دو" اس نے بگڑ کے کہا "موسیو دیوراں پر میرا کچھ قرض ہے۔ میں تمہارے بیٹے کو ساتھ لے جا کے سیاہ کپڑا دلوا دوں گا"

سوریل نے جو یہ سخت گیری دیکھی تو دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے تعظیم و تکریم کا سلسلہ پھر شروع کر دیا۔ اس میں خاصا پاؤ گھنٹہ لگا۔ آخر جب اس نے دیکھا کہ اب کچھ اندھا لگتا نہیں آئے گا۔ تو میدان سے ہٹ گیا۔ اس کی تسلیمات و کورنشات کا خاتمہ ان الفاظ پر ہوا۔

"میں اپنے بیٹے کو آپ کی کوٹھی پر بھیج دوں گا۔"

میئر کے ماتحت جب اسے خوش کرنا چاہتے تھے تو اس کے مکان کا ذکر اسی طرح کیا کرتے تھے۔

کارخانے میں واپس آکر سوریل نے بیٹے کو ڈھونڈا مگر وہ دکھائی نہ دیا۔ ژولیاں ڈر رہا تھا کہ خدا جانے کیا ہو کیا نہ ہو۔ اس لیے وہ ٹھیک آدھی رات کو گھر سے کھسک گیا تھا۔ اُسے بے چینی یہ تھی کہ اپنی کتابوں اور اپنے تمغے کو حفاظت سے کہیں چھپا دوں۔ وہ اپنی ساری دولت اپنے ایک دوست فُوکے نامی لکڑیوں کے تاجر کے یہاں اٹھا لے گیا تھا۔ جو ویرئیر کے اوپر چھائے ہوئے اُونچے پہاڑ کے پاس رہتا تھا۔

جب وہ واپس آیا تو باپ اس سے بولا "نکمے، کام چور، سالہا سال سے میں تجھے کھلا پلا رہا ہوں۔ خدا جانے تجھ میں کبھی اتنی شرافت بھی آئے گی یا نہیں کہ جتنے پیسے تیرے اوپر خرچ ہوتے ہیں۔ وہ تو میرے ہاتھ پہ لا رکھے۔ جا اپنا کاٹھ کباڑ سنبھال، اور میئر کے یہاں چل۔"

ژولیاں کو تعجب ہوا کہ مار کیوں نہیں پڑی۔ چنانچہ وہ جلدی سے چل پڑا۔ لیکن اپنے خوفناک باپ کی نظروں سے اوجھل ہوتے ہی اس نے چال دھیمی کر دی۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ اگر میں گرجا بھی ہو لوں تو اس سے میری ریاکاری کا رنگ اور نکھرے گا۔

یہ بات سن کر آپ کو تعجب ہوا ہوگا لیکن اس ہولناک خیال تک پہنچنے سے پہلے اس نوجوان دیہاتی کی روح کو بہت لمبا چوڑا فاصلہ طے کرنا پڑا تھا۔

ابھی وہ بچہ ہی تھا کہ اسے کچھ فوجیوں کو اپنے باپ کے مکان کی سلاخوں دار کھڑکی سے اپنے گھوڑے باندھتے ہوئے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ یہ لوگ چھٹے دستے کے تھے اور

اٹلی سے واپس آرہے تھے۔ انہوں نے لمبی لمبی سفید وردیاں پہن رکھی تھیں اور ٹوپیوں پہ گھوڑے کے لمبے لمبے سیاہ بال لگا رکھے تھے۔ یہ نظارہ دیکھ کر وہ سپاہیانہ پیشے پر لٹو ہو گیا۔ کچھ دن بعد بڈھے سرجن میجر سے لودی کے پل، آرکول، اور ردآلی کی لڑائیوں کے قصے سُن سُن کر اسے وجد آنے لگا۔ اُسے یہ بھی نظر آیا کہ جب بڈھا ڈاکٹر اپنے تمغے کو دیکھتا ہے تو اس کی آنکھیں دہک اٹھتی تھیں۔

لیکن جب ژولیاں چودہ سال کا ہوا تو ویریئیر میں گرجا بننا شروع ہوا۔ اس چھوٹے سے شہر کو دیکھتے ہوئے گرجا کو خاصا شاندار کہا جا سکتا ہے۔ سنگِ مرمر کے چار ستونوں سے ژولیاں خاص طور پہ مرعوب ہوا۔ ان ستونوں کو سارے علاقے میں بڑی شہرت حاصل ہوئی کیونکہ ان کی وجہ سے مجسٹریٹ اور نوجوان پادری کے درمیان مخاصمت پیدا ہو گئی تھی، یہ پادری بیساں سوں سے بھیجا گیا تھا۔ اور یہاں والوں کے خیال میں جیزوئٹ لوگوں کا جاسوس تھا۔ مجسٹریٹ برطرف ہونے سے بال بال بچا۔ کم سے کم افواہ یہی گرم تھی۔ آخر اس نے ایک ایسے پادری سے اختلاف رائے کی جرأت کی تھی جو ہر پندرہ دن بعد بیساں سوں جاتا تھا۔ اور لوگ کہتے تھے کہ وہاں جا کر بڑے پادری صاحب سے ملتا تھا۔

اس دوران میں مجسٹریٹ نے جس کا خاندان خاصا بڑا تھا، کچھ لوگوں کو سزائیں دیں؛ جو بالکل نامنصفانہ معلوم ہوتی تھیں۔ یہ ساری سزائیں ان لوگوں کو ملیں جو آزاد خیال جماعت کے حامی اخبار کے پڑھنے والے تھے۔ شاہ پسند جماعت کے لوگ خوب خوش ہوئے یہ ٹھیک ہے کہ جرمانے تین یا چار فرانک سے زیادہ کے نہیں تھے۔ لیکن ایک چھوٹا سا جرمانہ ایک لوہار پہ بھی ہو گیا جو ژولیاں کا دینی باپ تھا۔ وہ غصے کے مارے چیخ کر بولا۔ "یہ آدمی کیسا بدلا ہے! ذرا سوچو تو سہی، بیس سال سے لوگ اس مجسٹریٹ کو کتنا ایماندار سمجھتے رہے

ہیں!" ژولیاں کا دوست سرجن میجر مر چکا تھا۔ اس کے بعد سے ژولیاں نے نپولین کا ذکر کرنا چھوڑ دیا اور یہ اعلان کر دیا کہ میں پادری بننا چاہتا ہوں۔ لاطینی کی انجیل جو وہ پادری سے مانگ لایا تھا۔ ہر وقت اس کے ہاتھ میں رہنے لگی اور وہ اپنے باپ کے کارخانے میں بیٹھا اُسے حفظ کرتا دکھائی دینے لگا۔ نیک دل بڈھے پادری کو اس کی ترقی کی رفتار دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی اور وہ شام کا سارا وقت اسے دینیات پڑھانے میں صرف کرنے لگا۔ ژولیاں اس کے سامنے دینداری کی باتوں کے سوا اور کسی چیز کا ذکر نہ کرتا تھا۔ اس کا نازک، زرد اور لڑکیوں کا سا چہرہ دیکھ کر بھلا کسے خیال گزر سکتا تھا کہ وہ دل میں یہ اٹل ارادہ لیئے پھرتا ہے کہ چاہے ہزار دفعہ موت کے منہ میں جانا پڑے۔ مگر میں دُنیا میں کامیابی حاصل کر کے چھوڑوں گا۔

ژولیاں کے نزدیک کامیابی حاصل کرنے کے معنی سب سے پہلے یہ تھے کہ ویریئر سے پیچھا چھٹے۔ اسے اپنے وطن سے سخت نفرت تھی۔ وہاں اسے جو چیز بھی نظر آتی ایسی ہوتی کہ اس کے تخیل کو خشک کر کے رکھ دیتی۔

لڑکپن کے زمانے ہی سے اس کی زندگی میں ایسے لمحے آنے لگے تھے جب اس کا تصور آسمان پر پرواز کرنے لگتا۔ ایسے موقعوں پر وہ عجب کیف کے عالم میں یہ خواب دیکھا کرتا کہ ایک دن اسے پیرس کی حسین عورتوں کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اور وہ کوئی شاندار کارنامہ سرانجام دے کر اُن کی توجہ حاصل کرے گا۔ جب نپولین پر حسین وجمیل مادام دبوآرنے فریفتہ ہوئی ہے تو اس زمانے میں وہ بھی تو مفلس قلاش تھا۔ پھر آخر ایک نہ ایک عورت اس پر کیوں نہ عاشق ہو گی؟ پچھلے کئی سال سے ژولیاں کی زندگی میں ایک گھنٹہ بھی ایسا نہ گزرا تھا جب اس نے اپنے آپ کو یہ بات نہ یاد دلائی ہو کہ نپولین ایک گمنام اور غریب سپاہی

تھا، مگر اپنی تلوار کے زور سے اس نے دنیا فتح کر کے چھوڑی۔ یوں تو وہ اپنے مصائب کو بہت گراں بار سمجھتا تھا، لیکن اس خیال سے اُس کی ذرا اشک شوئی ہوتی تھی بلکہ اگر وہ اتفاق سے خوش ہو تو خوشی دوبالا ہو جاتی تھی۔

گرجا کی تعمیر اور مجسٹریٹ کی سزاؤں نے اس کی آنکھیں یکایک کھول دیں۔ اس کے دماغ میں ایک ایسا خیال پیدا ہوا جس نے ہفتوں اسے پاگل بنائے رکھا اور آخر اس بُری طرح اس کے اوپر مسلط ہو گیا جیسے شدید جذباتی مزاج لوگوں کو کوئی بات پہلی دفعہ سوجھ جائے تو وہ اسے اپنی ایجاد سمجھ کر بس اُسی کے ہو رہتے ہیں۔

"جب نپولین نے شہرت حاصل کی ہے تو اس زمانے میں فرانس کو حملے کا خطرہ تھا۔ ان دنوں سپاہیانہ امتیاز حاصل کرنا ضروری بھی تھا اور فیشن میں بھی داخل ہو گیا تھا۔ آج کل پادریوں کو چالیس سال کی عمر میں ایک ایک لاکھ فرانک ملتے ہیں یعنی نپولین کے مشہور جرنیلوں سے تین گنا زیادہ۔ اُن کی پشت پر ضرور کچھ اہم لوگ ہوں گے۔ اب اس مجسٹریٹ ہی کو دیکھو ایسا عقلمند آدمی ہے، اب تک اتنا ایماندار رہا ہے، لیکن اس عمر میں آکے اسے اپنی عزت قربان کرنی پڑی، اور محض اس ڈر سے کہ کہیں ایک تیس سال کا پادری ناراض نہ ہو جائے۔ مجھے بھی پادری بننا چاہئیے۔"

جب وہ دو سال تک دینیات پڑھ چکا تو اس نئی نئی دینداری کے باوجود ایک دفعہ ایسا ہوا کہ جو آگ اُسے اندر ہی اندر کھائے چلی جا رہی تھی۔ ایک دم سے بھڑک اٹھی اور اس کا راز فاش ہوتے ہوتے رہ گیا۔ یہ واقعہ موسیو شیلاں کے یہاں ہوا۔ اس دن کچھ پادریوں کی دعوت تھی۔ جن کے سامنے شیلاں نے اسے ایک تعلیمی عجوبے کے طور پر پیش کیا تھا۔ ژولیاں کو ایک بار جو ہوش آیا تو دیکھا کہ میں بڑی گرم جوشی سے نپولین کی تعریف کئے

چلا جا رہا ہوں۔ اس نے اپنا دایاں بازو سینے پہ باندھ لیا اور لوگوں سے یہ کہہ دیا کہ لکڑی اٹھانے میں کندھا اتر گیا ہے۔ دو مہینے تک اس نے بازو کو اسی تکلیف دہ حالت میں رکھا۔ اتنی ایذا کشی کے بعد جا کے اس نے اپنے آپ کو معاف کیا۔ یہ ہے وہ اٹھارہ سال کا کمزور سا نوجوان جسے آپ زیادہ سے زیادہ سترہ سال کا بتاتے اور جو اس وقت بغل میں چھوٹا سا پلندہ دبائے ویرئیر کے شاندار گرجا میں داخل ہو رہا تھا۔

گرجا میں کوئی نہیں تھا اور اندھیرا سا ہو رہا تھا۔ کسی تہوار کی وجہ سے عمارت کی ساری کھڑکیاں شہابی رنگ کے کپڑے سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ اس کا اثر یہ پڑا کہ دھوپ ذرا چمکی تو ایسی آگ سی دہکی کہ آنکھیں خیرہ ہونے لگیں اور فضا پر بڑا وقار اور تقدس طاری ہو گیا ژولیاں لرز اٹھا۔ چونکہ وہ گرجا میں اکیلا تھا، اس لئے جو بنچ سب سے زیادہ خوبصورت دکھائی دی۔ اسی پر بیٹھ گیا۔ اس پہ موسیو دریناَل کا نشان بنا ہوا تھا۔

ژولیاں نے سامنے ڈیسک پر چھپے ہوئے کاغذ کا ایک پرزہ اس طرح رکھا دیکھا جیسے پڑھنے کے لئے پھیلایا گیا ہو۔ اس نے ذرا غور سے دیکھا تو یہ لکھا تھا ۔۔۔

"لوئی ژاں ریل کی پھانسی اور آخری وقت کے حالات، جسے بساں سوں میں بتاریخ . . . . . سزا دی گئی۔"

کاغذ پھٹا ہوا تھا۔ دوسری طرف اس نے ایک سطر کے شروع کے الفاظ پڑھے جو یہ تھے ۔۔۔ "پہلا قدم۔"

"یہ کاغذ یہاں کس نے رکھا ہے؟" ژولیاں کہنے لگا۔ "بچارا غریب!" اس نے آہ بھر کے کہا۔ "اس کے نام کے آخری حرف بھی وہی ہیں جو میرے نام کے۔" اور اس نے کاغذ کو توڑ مروڑ ڈالا۔

باہر نکلتے ہوئے ژدلیاں کو ایسا لگا جیسے مائے معمودیہ کے برتن کے پاس خون نظر آیا ہو۔ یہ دراصل پانی ہی تھا جو برتن میں سے چھلک گیا تھا، اور کھڑکیوں کے سُرخ پردوں کے عکس سے خون معلوم ہونے لگا تھا۔

آخر ژدلیاں کو اپنے اس پوشیدہ خوف پر شرم آنے لگی۔

"کیا میں اتنا بزدل ہوں"؟ اس نے دل میں کہا "بزدن"!

یہ لفظ جو اس نے بڈھے ڈاکٹر کے لڑائیوں کے قصوں میں بار بار سنا تھا۔ ژدلیاں کو بڑا معرکہ آرا معلوم ہوتا تھا۔ وہ اٹھا اور جلدی جلدی موسیو درینال کے مکان کی طرف چل پڑا۔

ان دلیرانہ عزائم کے باوجود جیسے ہی بیس گز کے فاصلے پر وہ مکان نظر آیا۔ اس پر جھجک غالب آگئی۔ لوہے کا پھاٹک کھلا ہوا تھا اور اسے بہت شاندار معلوم ہو رہا تھا۔ اب اسے اس پھاٹک میں سے گزرنا تھا۔

ایک اکیلا ژدلیاں ہی نہیں تھا جس کا دل اس گھر میں آتے ہوئے دھک دھک کر رہا ہو۔ مادام درینال بے حد شرمیلی تھی، اور اسے یہ سوچ سوچ کر کوفت ہو رہی تھی کہ اب یہ اجنبی اپنے فرائض کی بجا آوری کے سلسلے میں میرے اور بچوں کے درمیان متواتر حائل ہوتا رہے گا۔ اسے یہ عادت پڑ چکی تھی کہ بچے اس کے کمرے میں سوئیں اس دن صبح کو جب اس نے دیکھا کہ بچوں کی پلنگڑیاں اتالیق کے کمرے میں جا رہی ہیں تو اس نے ٹپ ٹپ آنسو گرانے شروع کر دیے تھے۔ اس نے شوہر سے التجا کی تھی کہ سب سے چھوٹے لڑکے اسٹانس لاس زاویے کا بستر پھر میرے کمرے میں پہنچا دیا جائے، مگر ایک نہ چلی۔

مادام دریناں میں نسائی نزاکت اپنی انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ اس کے ذہن میں ایک اجڑے گھسٹے، بے ہنگم انسان کا تصور بسا ہوا تھا جو اس کے بچوں کو ڈانٹنے ڈپٹنے کے لیے ملازم رکھا جا رہا تھا، اور صرف اس خوبی کی بنا پر کہ اسے لاطینی آتی تھی ــــ یعنی وہ جنگلی زبان جس کی خاطر اس کے بیٹے کوڑے کھانے والے تھے۔

چھٹا باب

بے کیفی

اب مجھے کچھ نہیں معلوم کہ میں کر کیا رہا ہوں۔

مونسارٹ

مادام دریناآل مردوں کی نظر سے دور ہوتی تو اس میں اپنے آپ سے اپنے آپ ایک نفاست اور چلبلاپن آجاتا۔ اس وقت وہ اسی انداز سے شیشے کے دروازے میں سے باہر نکل رہی تھی جو دیوان خانے کی طرف سے باغ میں کھلتا تھا۔ اتنے میں اس نے دیکھا کہ پھاٹک کے پاس ایک انتہائی زرد رو نوجوان کسان کھڑا ہے جو بالکل لڑکا سا لگتا ہے اور جس کے چہرے پر آنسوؤں کے نشان ہیں۔ وہ سفید رنگ کی صاف قمیص پہنے ہوئے تھا اور بغل میں ایک ستھرا سا لال اونی کوٹ دبا ہوا تھا۔

اس نوجوان کا رنگ اتنا گورا اور آنکھیں ایسی دل کش تھیں کہ پہلے تو مادام دریناآل کے قدرے رومانی دماغ میں یہ خیال آیا کہ کوئی لڑکی بھیس بدل کے میئر کے پاس رُک کے رہ گئی تھی اور جیسے شاید گھنٹی بجانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ مادام دریناآل کو اتالیق کے آنے پر جو شدید رنج ہو رہا تھا۔ وہ اس وقت اس کے ذہن سے بالکل اتر گیا؛ اور وہ

آگے بڑھی۔ ژولیاں کا منہ پھاٹک کی طرف تھا۔ اس نے مادام کو آتے نہیں دیکھا جب اس نے ایک ملائم سی آواز اپنے کان کے قریب سنی تو وہ کانپ اٹھا۔

"بچے، تم کس لئے آئے ہو؟"

ژولیاں ایک دم سے مڑا اور مادام ورینال کے دلکش انداز سے اتنا متاثر ہوا۔ کہ اس کی جھجک تھوڑی سی کم ہو گئی۔ ایک لمحے بعد تو وہ اس کا حُسن دیکھ کر بالکل بھونچکا رہ گیا اور اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھا۔ اسے تو یہ بھی یاد نہ رہا کہ میں یہاں آیا کس غرض سے ہوں۔ اتنے میں مادام ورینال نے اپنا سوال دُہرایا۔

"بیگم صاحب، میں یہاں اتالیق بن کے آیا ہوں"۔ اس نے آخر اپنے آنسوؤں پر شرما کر انہیں جلدی جلدی پونچھتے ہوئے کہا۔

مادام ورینال سکتے میں آگئی۔ وہ دونوں پاس پاس کھڑے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ ژولیاں کو ایسا اتفاق کبھی نہیں ہوا تھا کہ ایسے عمدہ لباس اور حسین رنگ والی عورت اتنے ملائم لہجے میں اس سے بات کرے۔ مادام ورینال نے اُن موٹے موٹے آنسوؤں کی طرف دیکھا جو اس نوجوان کسان کے رخساروں پر ابھی تک چمک رہے تھے ـــــ اُن رخساروں پر جو پہلے تو زرد تھے اور اب اتنے گلابی ہو گئے تھے۔ پھر وہ لڑکیوں کی سی طوفانی زندہ دلی کے ساتھ ایک دم قہقہہ مار کے ہنس پڑی۔ اسے اپنے اوپر ہنسی آ رہی تھی اور وہ اپنی خوشی کا صحیح اندازہ لگانے کی بے سود کوشش کر رہی تھی۔ تو یہ تھا وہ اتالیق جسے وہ ایک میلا کچیلا اور بے ڈھنگے کپڑے پہننے والا راہب سمجھ رہی تھی اور جو اس کے خیال میں بچوں کو ڈانٹنے ڈپٹنے اور کوڑے لگانے آرہا تھا۔

"کیوں، جناب"۔ آخر وہ اس سے بولی: "کیا آپ کو لاطینی آتی ہے؟"

"جناب" کا لفظ سن کر ژولیاں کو ایسا تعجب ہوا کہ وہ جواب دینے سے پہلے لمحہ بھر سوچتا رہا۔

"جی، بیگم صاحب"۔ اس نے جھینپتے ہوئے کہا۔

مادام دریناّل کو ایسی خوشی ہوئی کہ اس نے ذرا ہمت کر کے ژولیاں سے پوچھا "آپ بچارے بچوں کو زیادہ ڈانٹیں ڈپٹیں گے تو نہیں؟"

"ڈانٹوں گا، میں؟" ژولیاں نے حیران ہو کر پوچھا "میں کیوں ڈانٹوں گا؟"

تھوڑی سی خاموشی کے بعد مادام دریناّل کچھ ایسی آواز میں بولی جو لمحہ بہ لمحہ اور جذباتی ہوتی جا رہی تھی "اچھا تو آپ وعدہ کرتے ہیں نا کہ ان کے ساتھ اچھی طرح پیش آئیں گے؟"

اتنے عمدہ کپڑوں میں ملبوس ایک خاتون کا اُسے دوبارہ "جناب" کہہ کر مخاطب کرنا ایک ایسی بات تھی جو کبھی ژولیاں کے خواب و خیال میں بھی نہ آئی تھی۔ لڑکپن میں خیالی پلاؤ پکاتے ہوئے وہ تو یہی سوچا کرتا تھا کہ جب تک میرے پاس چست وردی نہ ہو۔ کوئی فیشن ایبل عورت تو مجھ سے بات کرنا بھی گوارا نہ کرے گی۔ رہی مادام دریناّل تو وہ ژولیاں کی حسین رنگت، بڑی بڑی سیاہ آنکھیں اور وہ نفیس بال دیکھ کر بالکل مسحور ہو گئی جو آج معمول سے زیادہ گھنگریالے ہو رہے تھے۔ کیونکہ اس نے ذرا ٹھنڈا ہونے کے لئے فوارے کے حوض میں ابھی ابھی اپنا سر ڈبویا تھا۔ پہلے تو اسے بچوں کی خاطر اس خوفناک اتالیق کی سختی اور وحشیانہ پن سے ڈر لگ رہا تھا۔ لیکن یہ دیکھ کر اسے بڑی خوشی ہوئی کہ وہ تو بالکل لڑکیوں کی طرح شرمیلا ہے۔ وہ جس بات سے ڈر رہی تھی اور جو کچھ اس کی نظروں کے سامنے آیا ان دونوں کا تضاد مادام دریناّل کی امن پسند

فطرت کے لئے بہت بڑا واقعہ تھا۔ آخر اس کی حیرانی دور ہو گئی، اور اسے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ میں اپنے گھر کے پھاٹک پر یوں اس نوجوان کے ساتھ کھڑی ہوں جس نے خالی ایک قمیص پہن رکھی ہے اور جو مجھ سے اتنے قریب ہے۔

"آئیے، جناب، اندر چلیں"! اس نے خاصے جھینپتے ہوئے کہا۔

مادام ورینال کی زندگی میں کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ ایک خالصتاً خوشگوار احساس نے اس کے جذبات میں ایسی ہل چل مچائی ہو، یا اتنے اضطراب اور خوف کے پیچھے پیچھے ایسی دل کش ہنسی نمودار ہوئی ہو۔ غرض، وہ پیارے پیارے بچے جنہیں اس نے اتنے لاڈ سے پالا تھا، ایک گندے اور غرانے والے راہب کے پنجے میں پھنسنے سے بچ گئے تھے۔ بڑے کمرے میں پہنچتے ہی اس نے مڑ کر ژولیاں کی طرف دیکھا جو سکڑا سمٹا اس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ اتنا عمدہ مکان دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔ مادام ورینال کو یہ بات اور اچھی لگی۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا اور یہ بات بڑی شدت سے محسوس ہو رہی تھی کہ اتالیق کو سیاہ کوٹ میں ملبوس ہونا چاہئے تھا۔

وہ چلتے چلتے پھر رک گئی۔ اپنے اس یقین سے وہ اتنی خوش ہوئی تھی کہ اسے ڈر لگا کہیں کوئی غلط فہمی نہ ہو گئی ہو۔ اور وہ بولی: "تو جناب یہ ٹھیک ہے نا کہ آپ کو لاطینی آتی ہے؟"

یہ سن کر ژولیاں کو دھکا سا لگا اور پانچ منٹ سے وہ جس سرور کے عالم میں تھا وہ سب تحلیل ہو گیا۔

"جی، بیگم صاحب"۔ اس نے سردمہری برتنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے اتنی ہی لاطینی آتی ہے جتنی پادری صاحب کو۔ بلکہ بعض دفعہ تو وہ ازراہ نوازش

کہا کرتے ہیں کہ تمہیں مجھ سے اچھی آتی ہے۔"

مادام دریناال کو ژولیاں کے چہرے سے کچھ بدی سی ٹپکتی معلوم ہوئی۔ وہ اس سے کوئی دو قدم کے فاصلے پر آکے رُک گیا تھا۔ مادام دریناال ذرا اور قریب آگئی اور آہستہ سے بولی — "شروع کے دو چار دن اگر بچّوں کو سبق یاد نہ بھی ہوا تو بھی آپ انہیں ماریں گے تو نہیں ؟"

اتنی حسین عورت کے منہ سے یہ بات سُن کے اور یہ ملائم اور قریب قریب التجا آمیز لہجہ دیکھ کر ژولیاں بالکل ہی بھول گیا کہ لاطینی کے عالم کی حیثیت سے میری جو شہرت ہے اس کے مطابق میرا فرض کیا ہے۔ مادام دریناال کا چہرہ اس کے بالکل قریب تھا۔ موسم گرما کے زنانہ لباس کی خوشبو اسے سنگھائی دے رہی تھی۔ جو کسی غریب کسان کے لیے بڑی حیرتناک چیز ہوتی ہے۔ ژولیاں کا چہرہ بالکل سرخ ہو گیا۔ اور اس نے آہ بھر کے دھیمی سی آواز میں کہا — "بیگم صاحب، ڈریئے نہیں۔ میں ہر معاملے میں آپ کا فرماں بردار رہوں گا۔"

اپنے بچوں کے بارے میں اس کی فکر بالکل دور ہو گئی تو کہیں جا کے مادام دریناال کو احساس ہوا کہ ژولیاں کتنا حسین ہے۔ وہ خود بے انتہا شرمیلی تھی۔ اس لیے ژولیاں کے نسائی خدوخال اور اس کا جھینپو پن اسے ذرا بھی مضحکہ خیز نہیں معلوم ہوتا۔ اگر اس میں وہ تیور ہوتے جو مردانہ حُسن کے لیے لازمی سمجھے جاتے ہیں تو وہ ڈر جاتی۔

"کیوں جناب، آپ کی عمر کیا ہے ؟" اس نے ژولیاں سے پوچھا

"میں اُنیس سال کا ہونے والا ہوں۔"

"میرا سب سے بڑا بیٹا گیارہ سال کا ہے"۔ مادام دریناال پوری طرح مطمئن ہو کے بولی۔ "وہ تو آپ کا دوست سا لگے گا۔ اس سے آپ سنجیدہ باتیں بھی کر سکتے ہیں۔ ایک

دفعہ اس کے ابا نے ایک تھپڑ لگا دیا تھا تو ہفتے بھر بیمار رہا۔ حالانکہ بالکل ہلکے سے مارا تھا۔"

"مجھ میں اور ان میں کتنا فرق ہے۔" ژولیاں نے سوچا۔ "ابھی کل ہی تو میرے باپ نے مجھے ٹھونکا ہے۔ یہ امیر لوگ کیسے خوش قسمت ہوتے ہیں۔"

اس وقت تک مادام ورینال کو اس سے اتنی دلچسپی پیدا ہو چکی تھی کہ وہ اتالیق کے ذہن کی ذرا ذرا سی تبدیلیوں کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس رنک سادر افسردگی کو غلطی سے شرم سمجھی، اور اس کی ہمت بڑھانے کی کوشش کرنے لگی۔

"جناب، آپ کا نام کیا ہے؟" اس نے ایسے لہجے میں اور ایسی ادا کے ساتھ پوچھا کہ ژولیاں نے اس کی وجہ سمجھے بغیر اس کی دلکشی پوری طرح محسوس کی۔

"بیگم صاحب۔ میرا نام ژولیاں سورِیل ہے۔ میں عمر میں پہلی مرتبہ آج کسی غیر کے گھر میں داخل ہوا ہوں، اس لئے کانپ سا رہا ہوں۔ میں آپ کی سرپرستی کا طالب ہوں، اور شروع میں تو آپ کو میری بہت سی غلطیاں معاف کرنی پڑیں گی۔ میں غریب آدمی ہوں، اس لئے کبھی کالج میں نہیں پڑھا۔ پادری صاحب اور اپنے بھائی سرجن میجر کے علاوہ مجھے کبھی کسی سے بات کرنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ آپ میرے بارے میں پادری صاحب سے پوچھ سکتی ہیں۔ وہ ضرور میری سفارش کریں گے۔ میرے بھائی مجھے ہمیشہ مارتے پیٹتے رہتے ہیں۔ اگر وہ آپ سے میری برائی کریں تو اُن کی بات کبھی نہ سنیئے گا۔ بیگم صاحب، میری غلطیاں معاف کر دیجئے گا۔ میری نیت کبھی خراب نہیں ہو گی۔"

اس لمبی چوڑی تقریر کے دوران میں ژولیاں کی ہمت عود کر آئی تھی اور وہ مادام ورینال کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اگر کسی کے کردار میں فطری طور پر دلکشی ہو تو

اس کا اثر یہ ہوتا ہے، خصوصاً اس وقت کہ جس عورت میں یہ خوبی ہو اُسے دلکش بننے کی ذرا بھی فکر نہ ہو۔ اس وقت ژولیاں جو نسائی حُسن کے پرکھنے میں خاصا ماہر تھا۔ قسم کھا کے کہہ سکتا تھا کہ اس کی عمر بیس سال سے زیادہ نہیں۔ اس کے دل میں اچانک یہ جسارت آمیز خیال آیا کہ مادام درینال کا ہاتھ چوم لے۔ پھر وہ اس خیال سے ڈر گیا۔ لمحے بھر کے بعد دل میں بولا — "اگر میں اس خیال پر عمل نہ کروں تو بڑی بزدلی کی بات ہے۔ یہ فعل میرے لئے کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔ میں ایک غریب مزدور ہوں، ابھی اپنی مشین چھوڑ کے آ رہا ہوں۔ یہ بیگم صاحبہ شاید مجھے حقارت کی نظروں سے دیکھتی ہوں گی۔ اس سے اور کچھ نہیں تو یہ حقارت تو کم ہو جائے گی۔" شاید ژولیاں کی ہمت کچھ اس وجہ سے بھی بڑھ گئی تھی کہ پچھلے چھ مہینے سے وہ اتوار کے دن لڑکیوں کے مُنہ سے "خوبصورت لڑکا" سن رہا تھا۔ اس کے دل میں یہ جنگ جاری تھی کہ مادام درینال اسے دو چار مشورے دینے لگی کہ بچّوں سے شروع میں کیسے بات کرے۔ ژولیاں اپنے آپ کو قابو میں رکھنے کی جان توڑ کوششیں کر رہا تھا۔ اس سے وہ پھر بالکل پیلا پڑ گیا۔ اس نے کچھ بھنچتے ہوئے کہا

"بیگم صاحب، میں آپ کے بچوں کو ہاتھ تک نہیں لگاؤں گا۔ میں خدا کی قسم کھا کے کہتا ہوں۔"

اور یہ کہہ کر اس نے جسارت سے کام لیتے ہوئے مادام درینال کا ہاتھ پکڑ کے اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔ وہ اس حرکت پر بھونچکی رہ گئی اور جب اس پر غور کیا تو اُسے دھکا سا لگا۔ چونکہ اس دن گرمی ہو رہی تھی۔ اس لئے شال کے نیچے اس کا بازو بالکل برہنہ تھا اور ژولیاں نے جو اس کا ہاتھ اونچا کر کے اپنے ہونٹوں سے لگایا تو بازو کندھے

تک کھل گیا۔ ایک منٹ بعد وہ اپنے آپ کو لعنت ملامت کرنے لگی۔ اس نے محسوس کیا کہ یہ حرکت اسے بہت دیر میں ناگوار گذری۔

موسیو وریناال باتوں کی آواز سن کر اپنے کمرے سے نکل آیا۔ ٹاؤن ہال میں شادیاں کراتے وقت وہ جس قسم کا پُرجلال اور مربیانہ انداز اختیار کرلیتا تھا، بالکل اسی انداز میں ژولیاں سے بولا۔

"بچوں سے ملانے سے پہلے ضروری ہے کہ میں آپ سے کچھ باتیں کرلوں"۔

وہ ژولیاں کو ایک کمرے میں لے گیا اور جب اس کی بیوی ان دونوں کو وہاں چھوڑ کے باہر جانے لگی تو اسے بھی ٹھہرالیا۔ دروازہ بند کرنے کے بعد موسیو دریناال بڑا گمبھیر بن کے بیٹھ گیا۔

"پادری صاحب نے مجھے بتایا ہے کہ آپ بڑے نیک آدمی ہیں۔ اس گھر میں ہر شخص آپ کے ساتھ عزت کا سلوک کرے گا۔ اگر آپ کا کام اطمینان بخش رہا تو کچھ دن بعد میں آپ کو اپنا گھر بسانے میں بھی مدد دوں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ اب آپ اپنے خاندان والوں اور اپنے دوستوں سے ملنا جلنا بالکل چھوڑ دیں، ان کا رنگ ڈھنگ میرے بچوں کے لیے مناسب نہیں رہے گا۔ یہ پہلے مہینے کے چھتیس فرانک لیجیے۔ لیکن قسم کھائیے کہ آپ ان میں سے ایک پیسہ بھی اپنے والد کو نہیں دیں گے"۔

موسیو وریناال بڈھے سے چڑا ہوا تھا۔ کیونکہ اس سودے میں بڈھے نے اپنے آپ کو اس سے بھی زیادہ ہوشیار ثابت کر دکھایا تھا۔

"اچھا، جناب، دیکھیے میں نے حکم دے دیا ہے کہ اس گھر میں ہر آدمی آپ سے "جناب" کہہ کر بات کرے۔ اب آپ کو پتہ چلے گا کہ معقول لوگوں کے گھر رہنے کے

کیا فائدے ہیں۔ ہاں، جناب، یہ مناسب نہیں ہوگا کہ بچے آپ کو یہ کوٹ پہنے دیکھیں۔ نوکروں نے تو انہیں نہیں دیکھا؟" موسیو دریناآل نے بیوی سے پوچھا۔

"نہیں، پیارے۔" اس نے ایسے جواب دیا جیسے کسی گہری سوچ میں ہو۔

"ٹھیک ہے۔ یہ لیجئے یہ پہن لیجئے۔" اس نے متحیر نوجوان کو اپنا ایک کوٹ دیتے ہوئے کہا۔ "آئیے، اب درزی کے یہاں چلیں۔"

ایک گھنٹے بعد جب موسیو دریناآل سیاہ کپڑوں میں ملبوس نئے اتالیق کو ساتھ لیے واپس آیا تو دیکھا کہ بیوی ابھی تک اسی جگہ بیٹھی ہے۔ مادام دریناآل کو ژولیاں کی موجودگی سے کچھ سکون ہوا۔ اس کی شکل و صورت کو غور سے دیکھنے میں وہ ڈرنا بھی بھول گئی۔ ژولیاں کو اس کا خیال بھی نہیں آ رہا تھا، حالانکہ وہ تقدیر اور انسانیت کی طرف سے بڑا بدگمان تھا۔ مگر فی الحال تو اس کی کیفیت بالکل بچوں کی سی ہو رہی تھی۔ تین گھنٹے پہلے وہ گرجا میں کھڑا لرز رہا تھا۔ لیکن اس وقت تو اسے کچھ ایسا لگ رہا تھا۔ گویا جب سے اب تک سالہا سال بیت چکے ہوں۔ اس نے دیکھا کہ مادام دریناآل کچھ تنی ہوئی سی ہے اور اسے خیال ہوا کہ وہ ناراض ہو گئی ہے کیونکہ میں نے اس کا ہاتھ چومنے کی جسارت کی تھی۔ لیکن آج اس کے کپڑے ان کپڑوں سے بالکل مختلف تھے جو وہ عام طور سے پہنتا تھا۔ ان کے لمس نے اس کے اندر غرور کا سا احساس پیدا کر دیا تھا اور اس کا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔ ساتھ ہی اسے اپنی خوشی کو چھپانے کی بھی فکر پڑی ہوئی تھی۔ چنانچہ اس کی تمام حرکات و سکنات کچھ نہ کچھ بے ڈھنگی اور احمقانہ بن کے رہ گئی تھیں۔ مادام دریناآل اسے حیرت کی نظروں سے تک رہی تھی۔

موسیو دریناآل نے کہا۔ "اگر آپ چاہتے ہیں کہ میرے بچے اور ملازم آپ کی

عزت کریں تو ذرا سنجیدگی سے کام لیجئے۔"

"حضور" ژولیاں نے جواب دیا "ان نئے کپڑوں میں مجھے تکلیف سی ہو رہی ہے۔ میں تو ایک غریب کسان ہوں۔ میں نے تو چھوٹے کوٹ کے سوا کبھی اور کچھ پہنا ہی نہیں۔ آپ اجازت دیں تو میں اپنے کمرے میں چلا جاؤں۔"

"کہو اس نئی دریافت کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" موسیو دریناں نے بیوی سے پوچھا۔

اسے خود بھی پتہ نہیں تھا کہ میں کیا کر رہی ہوں، لیکن مادام دریناں نے بالکل جبلی طور پر اصل بات اپنے شوہر سے پوشیدہ ہی رکھی۔

"آپ تو اس دیہاتی لڑکے سے بالکل مسحور ہو کے رہ گئے ہیں۔ مجھے تو وہ اتنا پسند نہیں آیا۔ آپ کی مہربانیاں اسے گستاخ بنا دیں گی اور مہینہ بھر بھی نہیں گزرے گا کہ آپ اسے نکال باہر کریں گے۔"

"تو ٹھیک ہے! پھر ہم اسے نکال دیں گے۔ اس پر میرے سو فرانک ہی تو ضائع ہوں گے مگر ویریئر والوں کو موسیو دریناں کے بچوں کے ساتھ اتالیق دیکھنے کی عادت تو پڑ جائے گی۔ اگر میں ژولیاں کو اسی طرح مزدوروں کے سے کپڑے پہنے رہنے دیتا تو یہ بات کبھی حاصل نہ ہوتی۔ جب میں اسے نکالوں گا تو آج درزی سے جو سیاہ سوٹ سلوایا ہے اسے رکھ لوں گا جو کوٹ درزی سے بنا بنایا خریدا ہے اور جسے وہ اس وقت پہنے ہوئے ہے۔ اس کے سوا وہ اور کچھ نہیں لے جا سکے گا۔"

ژولیاں اپنے کمرے میں کوئی گھنٹہ بھر رہا۔ لیکن یہ وقفہ مادام دریناں کو ایک سیکنڈ کے برابر معلوم ہوا۔ بچوں کو ان کے نئے اتالیق کی آمد کی اطلاع دے دی

گئی تھی۔ انہوں نے سوالوں کے مارے اپنی ماں کو پریشان کر ڈالا۔ آخر ژدلیاں باہر نکلا اس وقت وہ بالکل دوسرا آدمی تھا۔ یہ کہنا کافی نہیں ہوگا کہ وہ سنجیدہ لگ رہا تھا۔ وہ تو مجسم سنجیدگی بنا ہوا تھا۔ بچوں سے اس کا تعارف ہوا اور ان سے اس نے کچھ اس انداز سے باتیں کیں کہ خود موسیو دریناَل کو تعجب ہونے لگا۔

اپنی تقریر کے خاتمے پر وہ ان سے بولا "بچو، میں یہاں تمہیں لاطینی پڑھانے آیا ہوں۔ تمہیں تو معلوم ہے کہ آموختہ دہرانے کا کیا مطلب ہے۔ دیکھو یہ انجیلِ مقدس ہے" اس نے سیاہ جلد کی ایک چھوٹی سی کتاب انہیں دکھاتے ہوئے کہا۔ "یہ خاص طور سے ہمارے آقا یسوع مسیح کی کہانی ہے یعنی وہ حصّہ جسے عہد نامۂ جدید کہتے ہیں میں اکثر تم سے تمہارا سبق سُنا کروں گا۔ اب تم ذرا مجھ سے تو میرا سبق سنو"

سب سے بڑے بچے ایدولف نے کتاب ہاتھ میں لے لی تھی۔

"جہاں سے جی چاہے۔ کتاب کھول لو" ژدلیاں کہنے لگا "اور مجھے کسی عبارت کے پہلے تین لفظ بتا دو۔ جب تک تم مجھے نہیں روکو گے۔ میں یہ مقدس عبارت زبانی سناتا رہوں گا۔ جو ہم سب کے لئے مشعلِ ہدایت ہے"

ایدولف نے کتاب کھول کے دو چار لفظ پڑھے اور ژدلیاں نے سارا صفحہ یوں فر فر سُنا دیا جیسے فرانسیسی بول رہا ہو۔ موسیو دریناَل نے بڑی فتح مندی کے ساتھ اپنی بیوی کی طرف دیکھا۔ بچوں نے جو اپنے والدین کو اچنبھے میں دیکھا تو اُن کی آنکھیں بھی پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اتنے میں ایک ملازم دیوان خانے کے دروازے پر آیا۔ ژدلیاں اسی طرح لاطینی بولتا رہا۔ ملازم پہلے تو گم صم کھڑا رہا، پھر غائب ہوگیا۔ تھوڑی دیر میں خادمہ اور باورچن بھی دروازے میں آکھڑی ہوئیں۔ اس وقت تک ایدولف کتاب کو آٹھ مختلف

جگہ سے کھول چکا تھا، اور ژولیاں اسی آسانی سے ساری عبارت دہرا رہا تھا۔

"کیسا پیارا سا پادری ہے" بادرچن نے بآوازِ بلند کہا۔ جو بڑی نیک اور دیندار لڑکی تھی۔

موسیو درینال کو اپنی عزّتِ نفس کی فکر پڑ گئی تھی۔ اتالیق کا امتحان لینے کا خیال آنا تو درکنار، وہ تو اس تلاش میں تھا کہ لاطینی کے دو چار لفظ دماغ کے کسی کونے کھدرے میں پڑے مل جائیں۔ آخر اس نے کسی نہ کسی طرح ہوریس کا ایک شعر پڑھ ہی دیا۔ ژولیاں کو انجیل کے علاوہ اور لاطینی نہیں آتی تھی۔ اس نے بھنویں سکیڑ کر جواب دیا "میں اپنے آپ کو مقدّس کلیسا کی خدمت کے لئے وقف کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے ہوریس جیسے ناپاک شاعر کو پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔"

موسیو درینال نے بہت سے شعر ہوریس کے بتا کے سنا ڈالے۔ پھر بچوں کو مفصّل طور سے سمجھایا کہ ہوریس کون تھا۔ لیکن بچے ژولیاں سے اتنے مرعوب ہوئے تھے کہ انہوں نے سنا ہی نہیں باپ کیا کہہ رہا ہے۔ ان کی نظریں تو ژولیاں کی طرف لگی ہوئی تھیں۔

نوکر ابھی تک دروازے پر کھڑے تھے۔ ژولیاں نے امتحان کو طول دینا لازمی سمجھا اور سب سے چھوٹے بچے سے بولا "اچھا، استانس لاس زاویے، اب تم بھی مجھ سے مقدّس کتاب کی کوئی عبارت سنو۔"

ننھا استانس لاس فخر سے پھول کے کُپّا ہو گیا اور جیسے بھی بن پڑا ایک عبارت کے شروع کے الفاظ سنائے۔ ژولیاں نے سارا صفحہ دہرا دیا۔ خدا کو یہی منظور تھا کہ موسیو درینال کی فتح مندی میں کوئی کسر باقی نہ رہ جائے۔ ابھی ژولیاں وہ عبارت دہرا ہی رہا تھا کہ ان خوبصورت نارمن گھوڑوں کا مالک موسیو والنو اور ضلع کا ایک حاکم موسیو شارکو بھی آپہنچے۔ اس نمائش

کے بعد تو ژولیاں اس بات کا حقدار بن گیا۔ کہ اسے "جناب" کہہ کر مخاطب کیا جائے۔ اب تو نوکروں کی بھی یہ ہمت نہیں تھی کہ اسے اس لقب سے محروم رکھ سکیں۔

اس دن شام کو یہ عجوبہ دیکھنے کے لیے سارا دیہہ مو سیو درینال کے یہاں ڈھل آیا۔ ژولیاں نے سب کی باتوں کا جواب کچھ افسردگی کے ساتھ دیا اور انہیں دور ہی دور رکھا اس کی شہرت اس تیزی سے پھیلی کہ موسیو درینال کو ڈر لگنے لگا کہ کہیں وہ ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ چنانچہ دو چار دن بعد ہی اس نے ژولیاں کے سامنے دو سال کے معاہدے کی تجویز پیش کر دی۔

"نہیں، جناب۔" ژولیاں نے سرد مہری سے جواب دیا۔ "اگر آپ مجھے برطرف کرنا چاہیں تو مجھے ملازمت چھوڑنی پڑے گی۔ اس معاہدے سے میرے تو ہاتھ بندھ جائیں گے، لیکن آپ کے اوپر کوئی پابندی نہیں ہو گی۔ یہ تو بے انصافی ہے۔ مجھے معاہدہ منظور نہیں۔"

ژولیاں نے ایسی ہوشیاری سے کام لیا کہ مہینے بھر کے اندر اندر خود موسیو درینال اس کی عزت کرنے لگا۔ موسیو درینال اور موسیو والنو سے پادری کی لڑائی تو ہو ہی گئی تھی۔ چنانچہ اب کوئی اس کا یہ راز فاش نہ کر سکتا تھا کہ ایک زمانے میں اسے نپولین سے بڑی عقیدت تھی اور وہ خود یہ احتیاط برتنے لگا تھا کہ نپولین کا ذکر آتا تو وہ بڑی نفرت کا اظہار کرتا۔

ساتواں باب

رُوحانی ہم آہنگی

الفیس اس کے سوا اور کچھ نہیں آتا کہ دل کو چھوتے ہی زخمی کر دیں۔
آج کل کا ایک مصنف

بچے اس پر لٹو تھے۔ لیکن اسے ان سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ اس کے خیالات تو کہیں اور ہی تھے۔ بچے کتنی ہی شرارتیں کیوں نہ کریں۔ اُسے کبھی غصّہ نہ آتا۔ وہ کچھ سرد مہر، معتدل فراج اور بے حس تو ضرور لگتا تھا، مگر سب اُسے پسند کرتے تھے۔ کیونکہ اس کے آنے سے گھر کی بے رنگی کسی نہ کسی حد تک دور ہو گئی تھی۔ غرض وہ بڑا اچھا اتالیق ثابت ہوا۔ رہا اس کا سوال، تو اُسے اونچی سوسائٹی سے بڑی نفرت اور چڑ تھی۔ جہاں اسے میز کے بالکل آخر میں بٹھایا جاتا تھا۔ غالباً اس بات سے اس کی نفرت اور چڑ کی کچھ توجیہ ہو سکتی ہے۔ بعض خاص خاص دعوتوں میں تو اُسے ہر چیز سے اتنی گھن آتی کہ چھپائے نہ چھپتی۔ خاص طور سے سینٹ لوئی کے تہوار والے دن موسیو وال نو، رینال کے یہاں بیٹھا دُوں کی لے رہا تھا۔ اُس دن تو زولیاں کا بھانڈا پھوٹ گیا ہوتا۔ مگر وہ بچوں کو دیکھنے آنے کا بہانہ کر کے باغ میں بھاگ گیا۔ "ایمانداری کی

شان میں کیا کیا قصیدے پڑھے جا رہے ہیں! وہ غصّے کے مارے چیخ اٹھا۔" معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں بس یہی تو ایک خوبی رہ گئی ہے۔ اور خود اس آدمی کا یہ حال ہے کہ جب سے غریبوں کی نگہداشت کا کام اس کے ہاتھ میں آیا ہے۔ اس کی دولت دُگنی تگنی ہو گئی ہے۔ پھر بھی لوگ اس کی اتنی عزت کرتے ہیں، اس کے سامنے بچھے جاتے ہیں۔ میں شرط بدتا ہوں کہ یہ لاوارث بچوں کے فنڈ میں سے بھی کچھ نہ کچھ ضرور اڑاتا ہے ۔۔۔۔ اُن بیچاروں کے پیسوں میں سے بھی جو بھک منگوں سے بھی زیادہ محتاج ہیں۔ یہ لوگ انسان نہیں، جانور ہیں۔ بالکل جانور! اور میں، میں بھی تو ایک طرح سے لاوارث ہوں۔ باپ، بھائی، میرا سارا خاندان مجھ سے نفرت کرتا ہے!"

اس تہوار سے کچھ دن پہلے کا واقعہ ہے کہ سایہ دار سڑک پر سے جو چھوٹا سا جنگل نظر آتا ہے۔ ژولیاں وہاں اکیلا ٹہل رہا تھا اور تسبیح پڑھ رہا تھا۔ اتنے میں ایک سنسان پگڈنڈی پر اسے اپنے دونوں بھائی آتے دکھائی دیئے۔ ژولیاں نے ان سے بچنے کی کوشش کی۔ لیکن ایک تو یہ وحشی اس سے یوں ہی جلتے تھے۔ اب جو انہوں نے اپنے بھائی کا خوبصورت سیاہ کوٹ اور امیرانہ ٹھاٹ دیکھے، اور یہ خیال آیا کہ وہ ہمیں کیسی حقارت کی نظروں سے دیکھتا ہے تو اُن کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ انہوں نے اسے پکڑ کے دھن ڈالا اور یوں ہی خون بہتا ہوا بے ہوش پڑا چھوڑ کے چل دیئے۔

مادام دریناّل، موسیو وال نو اور موسیو شارکو کے ساتھ سیر کو آئی تھی۔ وہ اتفاق سے جنگل میں آنکلی۔ اس نے جو ژولیاں کو زمین پر پڑے دیکھا تو سمجھی کہ مر گیا۔ اس پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ موسیو وال نو جل کے کوئلہ ہو گیا۔

وال نو کی بدگمانی قبل از وقت تھی۔ ژولیاں کو مادام دریناّل خوبصورت تو لگتی

تھی۔ مگر اسی حسن کی وجہ سے وہ اس سے نفرت کرتا تھا۔ یہ پہلی چٹان تھی جس سے ٹکرا کر اس کی قسمت کا جہاز پاش پاش ہو جانے سے بال بال بچا تھا۔ وہ حتی الامکان اس سے بہت ہی کم بات کرتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ مادام درینال اس دن کا واقعہ بھول جائے جب اس نے پہلی ہی ملاقات میں ایکا ایکی اس کا ہاتھ چوم لیا تھا۔

مادام درینال کی خادمہ ایلیزا نے اس نوجوان اتالیق کو دل دے بیٹھنے میں دیر نہیں کی۔ وہ اپنی مالکہ سے اکثر اس کا ذکر کیا کرتی۔ ایلیزا کی محبت کے سبب ژولیاں کو ایک خادم کی نفرت کا شکار بننا پڑا۔ ایک دن اس نے خادم کو ایلیزا سے یہ کہتے سنا۔ "جب سے یہ سڑیل آدمی گھر میں آیا ہے تم نے مجھ سے بولنا ہی چھوڑ دیا ہے"۔ ژولیاں اس گالی کا مستحق تو نہیں تھا، لیکن اس میں بھی خوبصورت نوجوانوں کی سی حس موجود تھی۔ چنانچہ اس نے صفائی کا دگنا خیال رکھنا شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ موسیو والنو کی نفرت بھی بڑھ گئی۔ اس نے سب لوگوں کے سامنے کہا کہ یہ عورتوں کے سے ناز و انداز ایک نوجوان پادری کو زیب نہیں دیتے۔ ژولیاں چغے کے سوا باقی سارا لباس پادریوں کا سا پہننے لگا تھا۔

مادام درینال نے دیکھا کہ وہ ایلیزا سے پہلے کی بہ نسبت زیادہ باتیں کرنے لگا ہے۔ اسے پتہ چلا کہ ان باتوں کی ضرورت اس وجہ سے پیش آتی ہے کہ ژولیاں کے پاس کپڑوں کا ذخیرہ بہت ہی مختصر ہے۔ اس کے پاس قمیصیں اتنی کم تھیں کہ جلدی جلدی دھوبی کے یہاں بھیجنی پڑتی تھیں۔ یہ چھوٹی موٹی خدمات سرانجام دینے کے سلسلے میں ایلیزا اس کے کام آتی تھیں۔

یہ انتہائی غربت دیکھ کر جس کا اسے کبھی شبہ تک نہیں ہوا تھا، مادام درینال کا

دل بھر آیا۔ اس کا جی چاہا کہ ژولیاں کو دو چار چیزیں تحفے میں دے۔ مگر ہمت نہ پڑی۔ یہ باطنی مدافعت پہلا تکلیف دہ جذبہ تھا۔ جو ژولیاں نے اس کے اندر پیدا کیا۔ اب تک تو ژولیاں کا نام اور ایک خالصتاً پاکیزہ اور ذہنی مسرت کا احساس اس کے لئے ہم معنی رہے تھے۔ اُسے ژولیاں کی غربت کے خیال سے اتنا دکھ ہوا کہ مادام دریناں نے اپنے شوہر سے کہا کہ اُسے چند قمیصیں تحفے میں دے دو۔

"کیا بے وقوفی کی بات ہے!" شوہر نے جواب دیا۔ "بھلا اس آدمی کو تحفہ دوں جو ٹھیک ٹھاک کام کر رہا ہے اور جس سے ہم بالکل مطمئن ہیں؟ اس کا دل تو اس وقت بڑھانا چاہیئے جب وہ کام میں ڈھیل ڈالنے لگے۔"

مادام دریناں کو اس انداز نظر پہ بڑی شرم آئی۔ ژولیاں کے یہاں آنے سے پہلے تو اسے اس بات کا احساس بھی نہ ہوتا مگر اب وہ اس نوجوان راہب کے سیدھے سادے مگر بے داغ کپڑے دیکھ کر دل میں سوچا کرتی ـــــ "یہ بچارا اپنا کام کیسے چلاتا ہے؟"

جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، ژولیاں کی خامیوں پر ناک بھوں چڑھانے کے بجائے اُسے ترس آنے لگا۔

قصبات میں بعض عورتیں ایسی ملتی ہیں کہ جب تک ملاقات کو دس پندرہ دن نہ گزر جائیں انہیں بڑی آسانی سے بے وقوف سمجھا جا سکتا ہے۔ مادام دریناں بھی انہیں عورتوں میں سے تھی۔ اسے زندگی کا کوئی تجربہ نہ تھا اور وہ گفتگو سے بھی دامن بچاتی تھی اس کے مزاج میں نزاکت کے ساتھ ساتھ تھوڑی سی اکڑ بھی تھی۔ خوشی حاصل کرنے کی آرزو تو فطری طور پر بھی انسانوں میں ہوتی ہے۔ لیکن مادام دریناں پر اس کا اثر یہ ہوا

تھا کہ قسمت نے اسے جن بے ہنگم لوگوں کے درمیان لا ڈالا تھا وہ عموماً اُن کے افعال واعمال کی طرف بالکل توجہ ہی نہ کرتی تھی۔

اگر اسے تھوڑی بہت تعلیم ملی ہوتی تو وہ اپنی فطری سادگی اور تیز فہمی کی بدولت خاصا امتیاز حاصل کرتی۔ مگر وہ ایک بڑے مالدار آدمی کی بیٹی تھی۔ چنانچہ اس کی غور و پرداخت ایسی راہباؤں نے کی تھی۔ جن کی دینداری جنون کی حد تک پہنچ چکی تھی اور جو فرانسیسیوں کو جینز وئٹ فرقے کا دشمن سمجھ کر اُن سے سخت نفرت کرتی تھیں۔ مادام دریناال میں اتنی عقل تو تھی کہ اس نے خانقاہ میں جو کچھ سیکھا تھا اسے مہمل سمجھ کے فوراً بھلا دے۔ لیکن وہ اس خلا کو پُر نہ کرسکی اور نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے کچھ بھی نہ سیکھا۔ چونکہ وہ اتنی بڑی دولت کی وارث تھی۔ اس لئے بچپن ہی سے لوگ اس کی چاپلوسی کرنے لگے تھے۔ پھر اس میں کسی نہ کسی چیز کے لئے اپنا تن من دھن سب وقف کر دینے کا میلان بھی موجود تھا۔ ان دو باتوں کا اثر یہ ہوا کہ زندگی کے متعلق اس کا رویہ سر تا پا داخلی بن گیا۔ ظاہر میں تو وہ انتہائی فرمانبردار اور دبی دبائی تھی۔ اس پر موسیو دریناال کو بڑا ناز تھا اور ویریئر کے لوگ اپنی بیویوں کے سامنے اُسے مثال کے طور پر پیش کرتے تھے۔ لیکن باطن کا حال یہ تھا کہ دراصل وہ اپنے آپ کو ہر چیز سے بلند سمجھتی اور سب کو حقارت کی نظروں سے دیکھتی۔ غرور کے سلسلے میں جن شہزادیوں کی مثال دی جاتی ہے۔ وہ بھی اپنے درباروالوں کے افعال واعمال کی طرف تھوڑی بہت توجہ کرتی ہونگی لیکن یہ مسکین ترین اور ظاہر میں شرمیلی عورت سرے سے دیکھتی ہی نہ تھی کہ میرا شوہر کیا کہتا ہے یا کیا کرتا ہے۔ ژولیاں کے آنے سے پہلے اپنے بچوں کے سوا اس نے کسی کی طرف دھیان ہی نہ دیا تھا۔ ان کی چھوٹی موٹی بیماریوں، تکلیفوں اور ذرا ذرا سی

خوشیوں نے اس بندی کے سارے احساسات کو جذب کر رکھا تھا جس نے خانقاہ کے دوران قیام میں تو ضرور خدا سے لو لگائی تھی۔ مگر ویسے عمر بھر کسی سے کوئی لگاؤ نہ رکھا تھا۔

حالانکہ وہ کسی کو یہ بات بتانا گوارا تو نہ کرتی تھی۔ لیکن اگر اس کے کسی بیٹے کو بخار چڑھ آئے تو اس کی ایسی بری حالت ہوتی جیسے بچہ مر گیا ہو۔ شادی کے دو ایک سال بعد تک تو ضرور ایسا ہوا کہ جب کبھی کوئی مصیبت پڑی تو اس نے جی ہلکا کرنے کے لئے میاں کو اپنا دکھڑا سنا دیا۔ لیکن اس کے جواب میں وہ بے ہنگم سا قہقہہ لگاتا۔ اپنے کندھے جھٹکتا اور ساتھ ساتھ عورتوں کی بے وقوفی کے بارے میں کوئی گھسی پٹی ضرب المثل دہرا دیتا۔ اس قسم کی فقرے بازی دیکھ کر خصوصاً جب اس کے بچے بیماری کا نشانہ بن رہے ہوں۔ مادام دریتال کے کلیجے پر چھری سی چل جاتی جس خانقاہ میں اس کا بچپن گزرا تھا وہاں لوگ اس سے کیسی میٹھی میٹھی باتیں کرتے تھے، کیسی خاکساری برتتے تھے۔ اس کی کیسی کیسی خوشامدیں ہوتی تھیں۔ لیکن اب اسے یہ دن دیکھنا پڑا تھا۔ اس کی تربیت ان دکھوں نے کی تھی۔ وہ اتنی مغرور تھی کہ ایسے غموں کا ذکر اپنی سہیلی مادام ہودربل تک سے نہ کرتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ سارے مرد ہی اس کے شوہر موسیو دال نواڈ موسیو تشار کو جیسے ہوتے ہیں۔ ناشائستہ فقرے بازی، جن چیزوں میں روپیہ، نمبر یا خطاب ملنے کی امید نہ ہو۔ ان کی طرف سے وحشیانہ بے حسی، جو ذلیل اپنے خلاف جائے اس سے اندھی نفرت ــــ یہ ساری باتیں اسے مرد کی جنس کے لئے ایسی ہی فطری معلوم ہوتی تھیں جیسے ٹوپی اور جوتے پہننا۔

سالہا سال گزر جانے کے بعد بھی وہ ان روپیہ بٹورنے والے لوگوں سے مانوس

نہ ہو سکی تھی جن کے درمیان اسے رہنا پڑ رہا تھا۔

بچارے دیہاتی ژولیاں کی کامیابی کی یہی وجہ ہوئی۔ اس مغرور مگر شریف اور نیک دل انسان کی ہمدردی میں اسے بڑی شیرینی اور بڑا لطف ملا۔ پھر اس میں نئے پن کی چمک دمک اور کشش بھی تو تھی۔ مادام دریناال نے دنیا سے اس کی انتہائی ناواقفیت اور بے سلیقگی کو بڑی جلدی معاف کر دیا بلکہ وہی ناواقفیت مزید کشش کا باعث بن گئی اور مادام دریناال کی کوشش سے بد سلیقگی میں خاصی کمی آ گئی۔ اسے پتہ چلا کہ ژولیاں کی باتیں غور سے سننے کے لائق ہیں۔ چاہے بالکل معمولی چیزوں ہی کا ذکر کیوں نہ ہو، چاہے کسی بچارے کتے ہی کا قصہ کیوں نہ ہو جو سڑک پار کرتے کرتے کسی تیز چلتے ہوئے چھکڑے کے نیچے آ گیا تھا۔ ایسا المناک حادثہ دیکھ کر اس کا شوہر تو بڑے بے ہنگم طریقے سے قہقہہ مار کے ہنس پڑتا تھا مگر اس نے دیکھا کہ ژولیاں کے نفیس اور توسیں ابرو تو پھڑکنے لگتے تھے۔ کچھ دن بعد اسے ایسا معلوم ہونے لگا کہ دریا دلی، شرافت اور انسانیت اگر کہیں ہے تو بس اس نوجوان پادری میں۔ یہ خوبیاں دیکھ کر تربیت یافتہ لوگوں کے دل میں جو ہمدردی بلکہ تحسین کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ مادام دریناال صرف ژولیاں ہی کے لئے محسوس کر سکتی تھی۔

اگر یہ دونوں پیرس میں ہوتے تو ژولیاں کا مادام دریناال سے جو رشتہ تھا۔ وہ بڑی جلدی بالکل سیدھی سادی شکل اختیار کر لیتا۔ لیکن پیرس میں تو محبت ناولوں سے پیدا ہوتی ہے۔ نوجوان اتالیق اور اس کی شرمیلی مالکہ کو تین چار ناولوں بلکہ ژم ناز کی نظموں ہی میں اپنی کیفیت کا صاف وصریح نقشہ مل جاتا۔ انہیں جو کھیل کھیلنا تھا۔ ناول اس کا خاکہ مہیا کر دیتے اور وہ نمونہ بھی سامنے رکھ دیتے جس کی انہیں نقل اتارنی تھی چاہے

ژولیاں کو مزا آتا یا نہ آتا، اور چاہے وہ پھر مچھر ہی کیوں نہ کرتا، مگر جلد یا بدیر اس کی خود پسندی اسے مجبور کر دیتی کہ اس نمونے کی پیروی ضرور کی جائے۔

جنوب کے کسی قصبے میں آب و ہوا کی تیزی اور حدّت ذرا سے واقعے کو بالکل فیصلہ کُن بنا دیتی۔ لیکن ہماری طرف آسمان ذرا گدلا ہے۔ یہاں تو ایک مفلس قلاش نوجوان جس میں حوصلہ مندی صرف اس وجہ سے آتی ہے کہ اس کی نفاست پسند طبیعت چند ایسے لذائذ کی ضرورت محسوس کرتی ہے جو روپیہ کے زور سے حاصل ہوتے ہیں۔ روزانہ ایک تیس سال کی عورت سے ملتا ہے جو حقیقت میں پاکباز ہے اور اپنے بچوں میں اُلجھی ہوئی رہتی ہے اور پھر بھی ناولوں میں عمل کے نمونے تلاش نہیں کرتا، نہ کبھی اُن سے رہنمائی کا طالب ہوتا ہے۔ قصبات میں تو ہر چیز آہستہ آہستہ چلتی ہے۔ ہر بات بتدریج واقع ہوتی ہے۔ یہاں زندگی زیادہ فطری ہے۔

مادام درینال کو اس نوجوان اتالیق کی غربت کا خیال آتا تو اکثر ترس کے مارے اس کے آنسو نکل آتے۔ ایک دن ژولیاں نے اسے واقعی روتے ہوئے دیکھ پایا۔

"کیوں، بیگم صاحب، کوئی بُری خبر سننے میں آئی ہے!"

"نہیں، میرے مہربان"۔ اس نے جواب دیا۔ "بچوں کو بُلا لیجیے۔ چلیے ٹہلنے چلیں"۔

اس نے ژولیاں کا بازو پکڑ لیا اور کچھ اس انداز سے اس کا سہارا لیا جو ژولیاں کو عجیب سا لگا۔ مادام درینال نے آج پہلی مرتبہ اُسے "میرے مہربان" کہا تھا۔

سیر ختم ہونے کو آئی تو ژولیاں نے دیکھا کہ اس کا چہرہ سُرخ ہو رہا ہے۔ پھر اس کی چال ہلکی پڑ گئی۔

وہ اس کی طرف دیکھے بغیر کہنے لگی "آپ نے سنا ہوگا کہ میری ایک بہت امیر خالہ ہیں جو بساں تسوں میں رہتی ہیں۔ میں ان کی اکیلی وارث ہوں۔ وہ تحفے تحائف کی بھرمار رکھتی ہیں۔ میرے بچے۔ . . . ایسی تیزی سے . . . ترقی کر رہے ہیں کہ میں چاہتی ہوں۔ میری احسان مندی کی نشانی سمجھ کر آپ ایک حقیر سا تحفہ قبول کر لیں۔ بس یہی ایک آدھ اشرفی، تاکہ آپ کپڑے بنوا لیں۔ لیکن ـــــ" اس نے اور سرخ ہو کر کچھ کہنا چاہا، مگر خاموش ہو گئی۔

"کیا فرمایا، بیگم صاحب؟" ژولیاں نے پوچھا۔

وہ سر جھکا کر بولی "میرے شوہر سے اس کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے"

"بیگم صاحب، میں چھوٹا آدمی سہی، مگر کمینہ نہیں ہوں" ژولیاں چلتے چلتے رُک گیا۔ غصے کے مارے اس کی آنکھوں سے آگ برس رہی تھی اور وہ بالکل تن کے کھڑا ہو گیا تھا۔ "یہ ایسی بات ہے جس پر آپ نے پوری طرح غور نہیں کیا۔ اگر میں اپنے پیسے سے متعلق کوئی بات موسیو درینال سے چھپانے پر اتر آؤں تو میں اپنے آپ کو معمولی نوکروں سے بھی ذلیل سمجھوں گا"

مادام درینال پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔

"جب سے میں اس گھر میں رہنے آیا ہوں، میئر صاحب نے مجھے پانچ دفعہ چھتیس چھتیس فرانک دیئے ہیں" ژولیاں اپنی بات کہتا رہا "میں اپنا حساب کتاب موسیو درینال کیا ہر کسی کو دکھانے کو تیار رہوں، یہاں تک کہ موسیو والنو کو بھی جنہیں مجھ سے سخت نفرت ہے"

مادام دریناال پر جو جھاڑ پڑی تو وہ زرد ہوگئی اور کانپنے لگی۔ ابھی دونوں میں سے کسی کو پھر سے باتیں شروع کرنے کا کوئی بہانہ بھی ہاتھ نہ آیا تھا کہ سیر ختم ہوگئی۔ ژولیاں کی مغرور طبیعت کے لئے مادام دریناال سے محبت کرنا اب اور بھی ناممکن ہوتا چلا گیا۔

رہی مادام دریناال تو اس کے دل میں ژولیاں کی بہت عزت تھی اور وہ اسے بڑا پسند تھا اور اب اسی ژولیاں نے اسے جھڑک دیا تھا۔ مادام دریناال سے غیر ارادی طور پر اس کی ہتک ہوگئی تھی۔ اس کا ازالہ کرنے کے بہانے اس نے ژولیاں پر انتہائی لطیف توجہات صرف کرنے میں کوئی حرج نہ سمجھا۔ ایسا برتاؤ اس کے لئے بالکل نیا تھا۔ چنانچہ ہفتہ بھر وہ خوب خوش رہی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ ژولیاں کا غصہ کچھ ٹھنڈا پڑ گیا مگر اس برتاؤ میں اسے کوئی ایسی چیز نظر ہی نہ آئی جسے ذاتی لگاؤ سمجھ سکے۔

"یہ ہیں ان امیر آدمیوں کی باتیں!" وہ اپنے دل میں کہہ رہا تھا۔ "ایک تو وہ آدمی کو ذلیل کرتے ہیں اور پھر سمجھتے ہیں کہ دو چار میٹھی میٹھی باتوں سے معاملہ رفع دفع ہو جائے گا!"

مادام دریناال نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ میں نے ژولیاں کو جو پیش کش کی ہے اور اس نے جس طرح مجھے دھتکارا ہے اس کا ذکر اپنے شوہر سے نہ کروں گی لیکن اُسے ایسا ملال تھا اور وہ ابھی تک اتنی معصوم تھی کہ سارا حال سنائے بغیر نہ رہ سکی۔

"ہیں!" موسیو دریناال نے بگڑ کر جواب دیا۔ "تم سے ایک ملازم کا انکار کیسے برداشت ہوا؟"

مادام دریناال نے اس لفظ "ملازم" پر اسے ٹوکا تو وہ کہنے لگا۔ "بیگم صاحب، میں نے وہ لفظ بولا ہے جو مرحوم شہزادے دکونڈے نے اپنے عمائدین کو اپنی دلہن کے سامنے پیش کرتے ہوئے استعمال کیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ یہ سب لوگ تمہارے ملازم

ہیں۔ میں نے بساں وال کی تزک میں سے یہ ٹکڑا تمہیں سنایا تھا۔ حفظِ مراتب کی بحث میں یہ عبارت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ ہر آدمی جو شرفا میں سے نہ ہو، تمہارے گھر میں رہتا ہو اور تنخواہ پاتا ہو، تمہارا ملازم ہے۔ میں ان ژولیاں صاحب سے دو چار باتیں کروں گا، اور سو فرانک دے دوں گا۔"

"لیکن پیارے" مادام وریناآل نے لرزتے ہوئے کہا۔ "دیکھیے نوکروں کے سامنے بات نہ کیجیے گا۔"

"ہاں، ورنہ وہ جل جائیں گے، اور بات بھی جلنے کی ہے۔" اس کا شوہر کمرے سے نکلتے ہوئے بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ میں کتنی کثیر رقم دے رہا ہوں۔

مادام وریناال دھم سے کرسی پہ گر پڑی۔ اُسے رنج کے مارے غش سا آ رہا تھا۔

"اب یہ جا کے ژولیاآں کی اہانت کریں گے، اور یہ سب میرا قصور ہے۔" اسے اپنا شوہر بُرا لگنے لگا اور اس نے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا۔ اس نے عہد کر لیا کہ اب اس سے کبھی دل کی بات نہیں کہوں گی۔

جب وہ ژولیاآں سے اگلی دفعہ ملی تو تھر تھر کانپ رہی تھی۔ سینے میں اس کا دم ایسا گھٹ رہا تھا کہ منہ سے بات نہ نکلتی تھی۔ اس سراسیمگی کی حالت میں اس نے ژولیاں کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کے بھینچ دیے۔

"اچھا، میرے دوست!" وہ تھوڑی دیر بعد بولی۔ "یہ تو بتائیے کہ آپ میرے شوہر سے خوش ہیں نا؟"

"خوش کیوں نہ ہوتا؟" ژولیاآں نے زہرخند کے ساتھ جواب دیا۔ "آخر انھوں نے مجھے سو فرانک دیے ہیں۔"

مادام دریناال نے اس کی طرف ایسے دیکھا جیسے سمجھ میں نہ آ رہا ہو۔ کہ کیا کروں۔

"لائیے، اپنا بازو میری طرف بڑھایئے۔" آخر وہ ایسے جسارت آمیز لہجے میں بولی جو ژولیاں نے اس میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

مادام دریناال نے اتنی جرأت کی کہ وہ ویریئر کے کتب فروش کی دکان پر جا پہنچی حالانکہ وہ آدمی آزاد خیال ہونے کی وجہ سے بڑا بدنام تھا۔ وہاں اس نے دس لوئی کی قیمت کی کتابیں خرید کر اپنے بچوں کو دیں۔ لیکن یہ کتابیں وہ تھیں جنہیں وہ جانتی تھی کہ ژولیاں پڑھنا چاہتا ہے۔ پھر اس نے اصرار کیا کہ ہر بچہ اپنے حصے کی کتابوں پر وہیں دکان میں اپنا نام لکھ دے۔ مادام دریناال سمجھتی تھی کہ میں نے ہمت سے کام لے کر ژولیاں کی توہین کی تھوڑی سی تلافی تو کر دی ہے۔ وہ تو اس خیال سے لطف لے رہی تھی اور ژولیاں کتب فروش کی الماریوں میں اتنی ساری کتابیں دیکھ کر حیران و ششدر کھڑا تھا۔ ایسی نجس جگہ داخل ہونے کی اسے کبھی ہمت ہی نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ مادام دریناال کے دل میں کیا کھچڑی پک رہی ہے۔ اس کا اندازہ لگانے کا خیال تو درکنار وہ تو اس فکر میں کھویا ہوا تھا کہ دینیات کا ایک نوجوان طالب علم ان میں سے کچھ کتابیں کیسے حاصل کر سکتا ہے۔ آخر اسے خیال آیا کہ اگر بات ہوشیاری سے چھیڑی جائے تو موسیو دریناال کو اس پر راضی کیا جا سکتا ہے کہ اس علاقے میں جو مشہور آدمی گزرے ہیں ان کے حالات زندگی بچوں سے مضمون لکھوائے۔ ایک مہینے کی محتاط سلسلہ جنبانیوں کے بعد اس نے دیکھا کہ میری تجویز کامیاب رہی۔ یہاں تک کہ دو چار دن بعد ہی اس نے موسیو دریناال سے باتیں کرتے ہوئے جی کڑا کر کے ایک

ایسی بات کا ذکر چھیڑ دیا جو عالی حوصلہ مئیر کے لیئے کہیں زیادہ ناخوشگوار تھی۔ یہ لائبریری کا چندہ دے کر ایک آزاد خیال کی دولت میں اضافہ کرنے کا معاملہ تھا۔ موسیو درینال نے اس بات سے پورا اتفاق کیا کہ جب اس کا سب سے بڑا بیٹا فوجی اسکول جائے گا۔ تو وہاں گفتگو کے دوران میں مختلف کتابوں کے نام سنے گا، اس لیئے بہتر ہوگا کہ اسے ابھی سے ان کتابوں کی ایک جھلک دکھا دی جائے۔ لیکن ژولیاں نے دیکھا کہ مئیر بس یہیں اڑ کے رہ گیا۔ اس سے ایک قدم آگے نہیں بڑھا۔ اسے گمان ہوا کہ شاید اس کی وجہ صیغۂ راز میں ہے۔ جس کا اسے کوئی اندازہ نہ ہو سکا۔

ایک دن وہ موسیو درینال سے بولا "جناب میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر آپ جیسے باعزت اور شریف خاندان کے آدمی کا نام کتب فروش کے گندے رجسٹر میں درج ہوا تو بڑی نامناسب بات ہوگی۔"

موسیو درینال کا چہرہ دمکنے لگا۔

پھر ژولیاں انکسار کے لہجے میں کہنے لگا "دینیات کے ایک غریب طالب علم کے حق میں بھی یہ بڑا مضر ہوگا کہ ایک دن اس کے بارے میں یہ بات دریافت ہو کہ اس کا نام کتابیں کرائے پر دینے والے دکاندار کے رجسٹر میں رہ چکا ہے۔ ممکن ہے، آزاد خیال لوگ مجھ پر الزام لگائیں کہ یہ گندی کتابیں لے جایا کرتا تھا۔ خدا جانے وہ یہ حرکت بھی کر بیٹھیں کہ رجسٹر میں میرے نام کے آگے مخرب اخلاق کتابیں چڑھا دیں۔"

لیکن اب ژولیاں ذرا بہک رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ مئیر کے چہرے پر گھبراہٹ اور بدمزگی کے آثار پھر ہویدا ہو گئے ہیں۔ ژولیاں چپ ہو گیا، اور دل میں کہنے لگا

"میں نے اسے پھانس لیا۔"

چند دن بعد آزاد خیالوں کی مخالف جماعت کے ایک اخبار میں اشتہار دیکھ کر سب سے بڑے لڑکے نے موسیو درینال کی موجودگی میں ژولیاں سے کسی کتاب کے بارے میں سوال کیا۔ نوجوان اتالیق بولا۔ "کچھ ایسا ہونا چاہئے کہ آزاد خیالوں کو فتح مندی کا موقع بھی نہ ملے اور میں بھی ایدولف کے سوالوں کا جواب دینے کی قابلیت پیدا کر سکوں میرے خیال میں تو کتب فروش کے یہاں کسی چھوٹے موٹے نوکر کے نام سے چندہ جمع کرایا جا سکتا ہے۔"

"ہاں خیال بُرا نہیں ہے۔" موسیو درینال نے خوشی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

ژولیاں نے ایسی سنجیدہ بلکہ غمناک سی شکل بنالی جو بعض آدمیوں کو ایسے وقت میں خوب پھبتی ہے جب وہ اپنے ارادے مدتوں دل میں لئے پھرے ہوں اور وہ ارادے آخر حقیقت بن جائیں۔ وہ کہنے لگا۔ "مگر بس یہ تصریح کرنی پڑے گی کہ نوکر کو ناول لینے کی اجازت نہیں ہوگی۔ یہ کتابیں بڑی خطرناک ہوتی ہیں۔ ایک دفعہ گھر میں آجائیں، تو اس نوکر کو تو خیر چھوڑیئے، بیگم صاحب کی خادماؤں تک کا اخلاق بگاڑ دیں گی۔"

"لیکن سیاسی رسالوں کو تو آپ بھول ہی گئے۔" موسیو درینال نے اکڑ کے کہا اس کے بچوں کے اتالیق نے کمال دانش مندی سے جو درمیانی راستہ دریافت کر لیا تھا۔ وہ موسیو درینال کو بہت پسند آیا تھا مگر یہ بات وہ ژولیاں پر ظاہر نہ ہونے دینا چاہتا تھا۔

غرض ژولیاں کی زندگی اسی قسم کی چھوٹی چھوٹی سلسلہ جنبانیوں پر مشتمل تھی اور اس کی

نظر میں ان کامیابیوں کی وقعت پسندیدگی کے اس جذبے سے کہیں زیادہ تھی جو ظاہر ہونے کے لئے لیں اس بات کا منتظر تھا کہ نزدیاں مادام ورینال کے دل میں جھانک کے دیکھ لے۔

ویریئیر کے باعزت میئر کے یہاں بھی اسے وہی اخلاقی فضا ملی جس میں اس نے اپنی ساری زندگی گزاری تھی۔ اپنے باپ کے کارخانے کی طرح یہاں بھی وہ جن لوگوں کے ساتھ رہتا تھا۔ انہیں بڑی حقارت کی نظروں سے دیکھتا تھا اور وہ لوگ اس سے نفرت کرتے تھے۔ جو باتیں ابھی ابھی اُن کی آنکھوں کے سامنے ہوئی تھیں۔ ان کے بارے میں نائب ناظم، موسیو والنو اور دوسرے آنے جانے والے ایسی رایوں کا اظہار کرتے کہ ژولیاں کو روزانہ یہ احساس ہوتا کہ ان لوگوں کے خیالات حقیقت سے کتنی دور ہیں جو بات اسے لائقِ تحسین معلوم ہوتی۔ اس کے گرد کے لوگ ٹھیک اسی بات کو موردِ الزام گردانتے۔ ان کی باتیں سُن کر منہ سے تو وہ کچھ نہ بول سکتا۔ مگر دل ہی دل میں کہنے لگتا: "کیسے جانور ہیں!" یا "کیسے احمق ہیں!" مذاق کی بات یہ ہے کہ اپنے اس غرور کے باوجود اکثر وہ یہ بھی نہ سمجھ سکتا کہ بحث کیا ہو رہی ہے۔

بڈھے سرجن میجر کے علاوہ عمر بھر میں اس نے کبھی کسی سے خلوص کے ساتھ بات نہیں کی تھی۔ اس کے دماغ میں جو دو چار خیالات تھے۔ اُن کا تعلق اٹلی میں نپولین کے حملوں سے تھا یا جراحی سے۔ اس میں نوجوانوں کا سا حوصلہ تو تھا ہی۔ چنانچہ انتہائی تکلیف دہ لڑائیوں کے مفصل حالات سننے میں اسے بڑا مزا آتا تھا۔ وہ دل ہی دل میں کہا کرتا تھا۔ "اگر میں وہاں ہوتا تو میرا قدم ذرا بھی پیچھے نہ ہٹتا۔"

مادام ورینال نے جب پہلی مرتبہ بچوں کی تعلیم کے علاوہ کسی اور موضوع پر اس سے

باتیں کرنے کی کوشش کی تو وہ جراحی کے قصے سنانے لگا۔ وہ زرد پڑ گئی اور اس سے التجا کی کہ یہ ذکر نہ چھیڑیے۔"

ژولیاں کو ان باتوں کے علاوہ اور کچھ نہ آتا تھا۔ چنانچہ اُسے جو مادام دربنال کے ساتھ وقت گزارنا پڑا تو یہ عالم ہوا کہ جیسے ہی وہ اکیلے رہ جاتے۔ اُن کے درمیان میں ایک عجیب طرح کی خاموشی حائل ہو جاتی۔ ظاہر میں تو وہ بڑا منکسر مزاج تھا، لیکن مادام دربنال نے دیکھا کہ خود میرے دیوان خانے میں اس کی آنکھوں سے ہر آنے جانے والے پر اپنی ذہنی فوقیت کا احساس ٹپکنے لگتا ہے۔ اگر وہ ایک لمحے کے لیے بھی اس کے ساتھ اکیلی رہ جاتی تو دیکھتی کہ ژولیاں بالکل ہٹپٹا گیا ہے۔ اس سے مادام دربنال کو الجھن ہونے لگتی۔ کیونکہ اس کی عورتوں والی رگ نے اسے بتا دیا تھا کہ اس گھبراہٹ کا محبت سے ذرا بھی تعلق نہیں ہے۔

بڈھے سرجن میجر نے بڑے لوگوں کے جو اُسے حالات سنائے تھے اُن سے ژولیاں نے ایک عجب تصور اخذ کیا تھا۔ اس تصور کے بموجب اگر وہ کسی عورت کے ساتھ بیٹھا ہو اور گفتگو رُک جائے تو وہ ایسی شرم محسوس کرتا جیسے اس خاموشی کا گناہ خصوصیت کے ساتھ اسی کے سر ہو۔ جب ژولیاں اور مادام دربنال اکیلے ہوتے، تو یہ احساس سوگنا زیادہ کرب انگیز بن جاتا۔ آدمی کسی عورت کے ساتھ اکیلا ہو تو کیا باتیں کرنی چاہئیں، اس کے بارے میں اس کا تخیل انتہائی مبالغہ آمیز اور اسپین والوں کے سے تصورات سے بھرا پڑا تھا۔ ہیجان کے عالم میں اسے بس ایسی باتیں سوجھتیں جو کہنے کی ہی نہ ہوتیں۔ اس کی روح تو آسمانوں کی سیر کرتی تھی، مگر یہ ہتک آمیز خاموشی کسی طرح اس کے توڑے نہ ٹوٹتی تھی۔ چنانچہ مادام دربنال اور بچوں کے ساتھ لمبی لمبی سیروں

کے دوران میں ایسے جاں گسل درد و کرب کے باعث وہ سخت گیری کا انداز اور بھی شدت اختیار کر لیتا۔ اسے اپنے آپ سے بے انتہا نفرت ہو جاتی۔ اگر بدقسمتی سے وہ اپنے اوپر زور ڈال ڈال کے کچھ بولتا بھی تو پتہ چلتا کہ میں بڑی مضحکہ خیز باتیں کر رہا ہوں۔ وہ دیکھتا کہ میں کتنا مہمل ہوں، بلکہ اس میں مبالغے سے کام لیتا۔ اس سے اس کی تکلیف اور بڑھ جاتی لیکن جو چیز اسے نظر نہ آتی۔ وہ اس کی آنکھوں کا انداز تھا۔ اس کی آنکھیں اتنی حسین تھیں اور ایسی آتشیں روح کی غماز تھیں کہ بعض دفعہ اچھے اداکاروں کی طرح بے معنی باتوں میں بھی ایک جاذبِ نظر معنویت پیدا کر دیتیں۔ مادام دریناآل نے دیکھا۔ کہ جب وہ اس کے ساتھ اکیلا ہوتا تو وہ اپنا اظہارِ خیال کبھی اچھی طرح نہ کر سکتا۔ ہاں، اگر کوئی غیر متوقع بات پیش آ جائے اور اس کا دھیان بٹ جائے تو خیر۔ پھر لے سے مادام دریناآل کے حسن کی تعریف کرنے کا خیال بھی کبھی نہ آتا۔ چونکہ آنے جانے والوں نے نئے نئے اور بھڑک دار خیالات اس کے سامنے پیش کر کر کے اس کی عادت نہ بگاڑی تھی۔ اس لیئے مادام دریناآل کو ژولیاں کی تیزئ طبع دیکھ کر بڑا لطف آتا تھا۔

نپولین کے زوال کے بعد سے سخت گیری کا یہ عالم ہے کہ قصباتی آداب و اطوار میں رنگیلے پن کا شائبہ تک باقی نہیں رہا۔ لوگ ملازمت چھن جانے سے ڈرنے لگے ہیں۔ جو آدمی غیر محتاط ہیں وہ کلیسا کا سہارا ڈھونڈتے ہیں۔ آزاد خیال طبقوں تک میں ریاکاری بہت ترقی کر گئی ہے۔ بے کیفی بڑھتی جا رہی ہے۔ پڑھنے اور کھیتی باڑی کرنے کے علاوہ اور کوئی لذت باقی نہیں رہی۔

مادام دریناآل ایک دیندار خالہ کی دولت مند وارث تھی۔ سولہ سال کی عمر میں ایک معقول اور شریف آدمی سے اس کی شادی ہو گئی۔ اس نے عمر بھر میں ایسی کوئی

چیز دیکھی تھی نہ محسوس کی تھی جس میں محبّت کا ذرا سا شائبہ ہو۔ نیک دل پادری شیلاں جس کے پاس وہ اعتراف کے لئے جایا کرتی تھی۔ بس واحد شخص تھا جس نے موسیو دال تو کی لگاوٹ بازی کے سلسلے میں اس سے محبت کا ذکر کیا تھا، اور اس نے بھی محبّت کی ایسی کراہت انگیز تصویر کھینچی تھی کہ یہ لفظ سن کر مادام دریاآل کو انتہائی ذلیل قسم کی اوباشی کے سوا اور کوئی خیال آتا ہی نہ تھا۔ حُسنِ اتفاق سے دو چار ناول اس کی نظر سے گزر چکے تھے۔ ان میں اسے جو محبّت ملی اسے مادام دریاآل نے "انشئی" یا فطرت سے بالکل الگ کوئی چیز سمجھ کر ٹال دیا۔ اس کی ناواقفیت کا بھلا ہو کہ مادام دریاآل خوشی میں سرشار بھی تھی، ژولیاں ہر وقت اس کے خیال میں بسا بھی رہتا تھا مگر اپنے آپ کو ملامت کرنے کی اُسے کبھی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی۔

آٹھواں باب

چھوٹے موٹے واقعات

پھر آہیں بھری گئیں، جو دبانے سے اور گہری ہو گئیں۔
چپکے چپکے نظر بازیاں ہوئیں، جو چوری کی وجہ سے اور میٹھی لگیں۔
رُخسار تمتما اُٹھے، مگر کسی گناہ کی وجہ سے نہیں۔
بائرن

مادام دریناک میں اپنے کردار اور اپنی موجودہ خوشی کی بدولت جو فرشتوں کا سا شیریں سکون آ گیا تھا۔ وہ صرف اس وقت درہم برہم ہوتا۔ جب اسے اپنی خادمہ الیزا کا خیال آتا۔ اتفاق سے کوئی رشتے دار اس لڑکی کے نام کچھ روپیہ چھوڑ مرا۔ وہ اعتراف کے لئے پادری شیلاں کے پاس پہنچی اور اسے بتایا کہ میں ژولیاں سے شادی رچانا چاہتی ہوں۔ پادری کو اپنے دوست کی اس خوش قسمتی پر واقعی بڑی خوشی ہوئی۔ لیکن جب ژولیاں نے بڑے عزم کے ساتھ کہا کہ مجھے الیزا کی پیشکش قبول نہیں۔ تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔

"بیٹے، ذرا اچھی طرح دیکھو کہ تمہارے دل میں کیا کھچڑی پک رہی ہے۔" پادری نے

بھنویں سکیڑ کر کہا۔ "تمہیں اپنی ضرورت سے بھی زیادہ روپیہ مل رہا ہے۔ اگر اس دولت کو ٹھکرانے کی وجہ صرف یہ ہے کہ تم پادری بننا چاہتے ہو تو میں اس خلوص پر تمہیں مبارکباد دیتا ہوں۔ پچیس سال بلکہ اور بھی زیادہ دنوں سے میں ویرئیر میں پادری ہوں۔ مگر پھر بھی بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب مجھے نکال دیا جائے گا۔ حالانکہ مجھے آٹھ سو لیور کی آمدنی ہے۔ لیکن مجھے اس بات سے بڑا صدمہ پہنچا ہے۔ میں یہ تفصیلات اس لئے سُنا رہا ہوں کہ تمہیں خوش نہیں نہ رہے اور پادری کے پیشے سے غلط قسم کی توقعات وابستہ نہ کرو۔ اگر تم بااقتدار لوگوں کی چاپلوسی کرنے کو سوچ رہے ہو تو یقین رکھو کہ تم نے ابدی لعنت مول لے لی۔ تم کامیابی تو ضرور حاصل کر لوگے مگر تمہیں غریبوں پر ظلم ڈھانا پڑے گا۔ نائب ناظم، میئر اور دوسرے اہم لوگوں کی خوشامد کرنی پڑے گی اور اُن کی خواہشات کا غلام بننا پڑے گا۔ یہ باتیں جنہیں لوگ زندگی کا فن کہتے ہیں شاید کسی دنیا دار آدمی کی نجات میں حائل نہ ہوں۔ لیکن ہمارے پیشے میں تو صاف و صریح فیصلہ کئے بغیر چارہ نہیں۔ ہم یا تو اس دنیا کی کامیابی حاصل کر سکتے ہیں یا اُس دنیا کی۔ بیچ کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ میرے عزیز دوست! جاؤ اور سوچو۔ پھر تین دن کے اندر آ کے مجھے کوئی قطعی جواب دو۔ مجھے یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ تمہارے کردار کی تہہ میں ایک دبی دبی سی آگ سلگ رہی ہے۔ اس میں مجھے تو وہ اعتدال پسندی اور ترکِ دنیا کا جذبہ ملتا نہیں جو پادری کے لئے ضروری ہے۔ تمہاری ذہانت تمہاری کامیابی کا پتہ دیتی ہے۔ لیکن ——" نیک دل پادری نے آنکھوں میں آنسو بھر کے کہا ——" میں نہیں یہ بتا دوں کہ اگر تم پادری بنے تو مجھے تمہاری نجات کی طرف سے دھڑکا ہی لگا رہے گا۔"

ژولیاں کو اس کی دردمندی پر شرم آنے لگی۔ زندگی میں پہلی بار اس نے دیکھا کہ کوئی مجھ سے بھی محبت کرتا ہے۔ خوشی کے مارے وہ رو پڑا، اور اپنے آنسوؤں کو چھپانے کے لئے جنگل میں نکل گیا۔

"میری یہ کیا حالت بنی ہے؟" آخر اس نے اپنے آپ سے پوچھا۔ "مجھے ایسا لگتا ہے کہ اس نیک دل پادری کے لئے میں سو دفعہ بھی اپنی جان قربان کر سکتا ہوں۔ لیکن ابھی ابھی اس نے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ میں نرا احمق ہوں۔ مجھے سب سے زیادہ اسی کو تو اُلّو بنانا ہے اور وہ میری رگ رگ سے واقف ہے۔ جس دبی ہوئی آگ کا اس نے ذکر کیا۔ وہ میرا کامیابی حاصل کرنے کا ارادہ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں پادری بننے کا اہل نہیں اور ٹھیک اس وقت کہ جب پچاس لوئی کی آمدنی ٹھکرا کے میں سمجھ رہا تھا کہ وہ میرے خلوص اور دینداری سے بڑا مرعوب ہوگا۔"

ژولیاں نے دل میں کہا "آئندہ سے میں اپنے کردار کے صرف ان اجزا پر بھروسہ کیا کروں گا جنہیں میں آزما کے دیکھ چکا ہوں۔ بھلا کون کہہ سکتا تھا کہ مجھے آنسو بہانے میں مزا آئے گا؟ یا اس آدمی سے محبت کروں گا جو مجھے یہ جتاتا ہے کہ میں نرا احمق ہوں؟"

تین دن بعد ژولیاں کو وہ عذر مل گیا جس کا سہارا اسے پہلے ہی لینا چاہیئے تھا تھا تو یہ اتہام، مگر اس سے کیا ہوتا ہے؟ بڑی ہچر مچر کے بعد اس نے پادری کے سامنے اقرار کیا کہ میں نے جو شادی کی تجویز رد کی تو اس کی شروع سے ایک خاص وجہ تھی مگر میں اسے بیان نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ایک تیسرے آدمی کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ یہ ایلیزا کے چال چلن پر حرف رکھنے کے برابر تھا۔ شیلاں نے

اس کے انداز میں ایک ایسی گرمجوشی محسوس کی جو بالکل دنیا داروں کی سی تھی اور اس چیز سے قطعاً مختلف تھی جو ایک نوجوان پادری میں ہونی چاہیئے۔

"میرے دوست" اس نے ژولیاں سے پھر التجا کی" خلوص کے بغیر پادری بننے سے تو یہ بہتر ہے کہ تم ایک معقول اور باعزت دنیا دار آدمی بن جاؤ"

جہاں تک الفاظ کا تعلق ہے ژولیاں نے ان تازہ التجاؤں کا جواب بڑی اچھی طرح دیا۔ اس نے چن چن کر وہی فقرے استعمال کیئے جو کوئی گرم جوش نوجوان راہب کہتا۔ لیکن جس لہجے میں یہ الفاظ کہے گئے تھے، اور ژولیاں کی آنکھوں میں جو آگ سلگ رہی تھی اور چھپائے نہ چھپتی تھی۔ اسے دیکھ کر پادری سہم گیا۔

ژولیاں کے مستقبل کے بارے میں بدظنی کی ضرورت نہیں۔ اسے ہمیشہ ٹھیک وہ الفاظ سوجھتے جو عیارانہ اور عاقبت اندیشانہ ریاکاری کے لئے موزوں ہوں۔ اس کی سی عمر میں اتنا بھی برا نہیں۔ رہا اس کا لب ولہجہ اور عادات واطوار، تو اس کی زندگی دیہاتیوں میں گزری تھی اور اسے بڑے بڑے نمونے دیکھنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ مگر جب شریفوں سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوا تو اس کی گفتگو اور طور طریقوں میں شائستگی آگئی۔

مادام درینال کو تعجب تھا کہ نئی نئی دولت پا کر بھی اس کی خادمہ خوش نہیں تھی۔ وہ دیکھتی کہ لڑکی بار بار پادری کے پاس جاتی ہے اور آنکھوں میں آنسو لے کر واپس آتی ہے آخر ایلیزا نے اپنی مالکہ سے اپنی شادی کا ذکر کر ہی دیا۔

مادام درینال واقعی یہی سمجھی کہ میں بیمار پڑ گئی ہوں۔ اسے کچھ ایسا بخار سا رہتا کہ نیند ہی نہ آتی۔ خادمہ یا ژولیاں نظر کے سامنے ہوتے تو ذرا دم میں دم آتا۔ اسے

بس اُنہیں کا خیال لگا رہتا اور وہ سوچا کرتی کہ یہ دونوں کیسے ہنسی خوشی ساتھ ساتھ رہا کریں گے وہ چھوٹا سا گھر جہاں انہیں پچاس لوئی کی آمدنی میں ہی گزارہ کرنا پڑے گا۔ اس کے تصور میں بڑے دل فریب رنگوں کے ساتھ نمودار ہوتا۔ ویر یتیر سے کچھ دُور برتے میں جو عدالت تھی، ممکن تھا کہ ژولیاں وہاں وکالت شروع کر دے۔ اس صورت میں وہ کبھی کبھی اسے دیکھ سکتی تھی۔

مادام دریناال حقیقت میں یہی سمجھتی تھی کہ میں پاگل ہوئی جا رہی ہوں۔ اس نے اپنے شوہر کو بھی بتا دیا، اور آخر بیمار پڑ ہی گئی۔ اس روز شام کو جب اس کی خادمہ اس کے پاس کھڑی تھی تو اس نے دیکھا کہ لڑکی رو رہی ہے۔ اس وقت اسے ایلیزا سے بڑی گھِن آ رہی تھی اور ابھی اس سے سخت کلامی کر چکی تھی۔ اس نے فوراً لڑکی سے معافی مانگی۔ اب تو لڑکی آٹھ آٹھ آنسو رونے لگی، اور بولی کہ اگر آپ اجازت دیں تو اپنی پوری بپتا سناؤں۔"

"کہو۔" مادام دریناال نے جواب دیا۔

"بات یہ ہے، بیگم صاحب، کہ وہ مجھ سے شادی ہی نہیں کرتے۔ بے ایمان لوگوں نے کچھ لگایا بجھایا ہوگا اور انہیں یقین آ گیا۔"

"کون شادی نہیں کرتا؟" مادام دریناال نے کہا اور اوپر کا سانس اوپر، نیچے کا سانس نیچے رہ گیا۔

"ژولیاں صاحب کے سوا اور کون ہو سکتا ہے، بیگم صاحب؟" خادمہ نے سسکیاں لیتے ہوئے جواب دیا۔" وہ تو پادری صاحب کے سمجھانے سے بھی نہیں مانتے۔ پادری صاحب کا خیال ہے کہ انہیں ایک اچھی خاصی شریف لڑکی کو محض اس لیے نہیں ٹھکرانا

چاہئے کہ وہ خادمہ رہ چکی ہے۔ آخر ژولیاں صاحب کے باپ بھی تو بس بڑھئی ہیں اور بیگم صاحب کے یہاں آنے سے پہلے وہ خود کیا کرتے تھے؟"

مادام درینال اب سُن ہی نہ رہی تھی۔ خوشی کے مارے اس کا دماغ معطّل سا ہوگیا۔ اس نے لڑکی سے یہ بات کئی دفعہ کہلوائی۔ یہاں تک کہ اسے یقین آگیا کہ ژولیاں نے بڑی سختی سے انکار کیا ہے اور اب اس کا کوئی امکان نہیں کہ وہ تھوڑے دن بعد ذرا سمجھ بوجھ سے کام لے اور اپنا فیصلہ بدل دے۔

"میں ایک آخری کوشش اور کرنا چاہتی ہوں۔" اس نے خادمہ سے کہا۔ "میں موسیو ژولیاں سے بات کروں گی۔"

اگلے دن دوپہر کے کھانے کے بعد مادام درینال کو یہ عجیب لذت حاصل ہوئی کہ وہ اپنی رقیب کی طرف سے وکالت بھی کرتی رہی اور گھنٹے بھر تک ایلیزا کے روپیہ اور اس کی پیش کش کو ٹھکرائے جاتے دیکھتی رہی۔

آہستہ آہستہ ژولیاں نے وہ پٹی تلی باتیں چھوڑ کر مادام درینال کی مضبوط دلیلوں کے تیز تیز جواب دینے شروع کر دیئے۔ اتنے دن مایوسی میں گزرے تھے۔ اب جو ایک دم سے مادام درینال کے دل میں خوشی کا طوفان پھٹ پڑا۔ تو اس سے برداشت نہ ہو سکا۔ اس کی طبیعت واقعی خراب ہوگئی۔ جب اسے ہوش آیا اور وہ اطمینان سے اپنے کمرے میں بیٹھ گئی تو اس نے سب کو وہاں سے ہٹا دیا۔ وہ حیران ششدر رہ گئی تھی۔

"کہیں مجھے ژولیاں سے محبت تو نہیں ہوگئی ہے؟" آخر کار اس نے اپنے آپ سے پوچھا۔

یہ بات اگر اس پر کسی اور وقت آشکار ہوئی ہوتی تو وہ مارے ندامت اور ہیجان کے بالکل ڈھے جاتی، لیکن اب تو یہ ایک عجیب تماشا سا معلوم ہوا جس پر اس نے زیادہ توجہ بھی نہ دی۔ ابھی اس پر جو کچھ بیت چکی تھی اس کا دل اس سے تھک کے چُور ہو گیا تھا۔ اس کے احساس میں اتنی طاقت ہی نہ رہی تھی کہ جذبات کا بار اٹھائے۔

مادام درینال نے کام میں لگ جانے کی کوشش کی، اور تھوڑی دیر بعد گہری نیند سو گئی۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ اتنی سہمی ہوئی نہیں تھی جتنا اسے ہونا چاہیئے تھا وہ ایسی خوش تھی کہ اسے کسی چیز کے بارے میں بدظنی ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ وہ سیدھی سادی اور معصوم دل تھی۔ اس بچاری قصباتی عورت نے کبھی اپنی روح کو یہ ایذا نہ پہنچائی تھی کہ اسے نچوڑ نچاڑ کے کسی نئے اور لطیف جذبے یا دکھ درد کے لئے تھوڑا بہت احساس نکالے۔ ژولیاں کی آمد سے پہلے وہ اس کام دھندے میں گھری رہتی تھی جو پیرس کے باہر نیک بیویوں اور ماؤں کی قسمت میں لکھا ہوتا ہے۔ چنانچہ مادام درینال نفسانی خواہشات کو بالکل وہی چیز سمجھتی تھی جو ہم لاٹری کو سمجھتے ہیں —— یعنی وہ یقینی نامرادی اور وہ مسرت جس کی طلب صرف احمقوں کو ہوتی ہے۔

کھانے کی گھنٹی بجی۔ ژولیاں بچوں کو اندر لے کے آیا تو مادام درینال کو اس کی آواز سنائی دی اور وہ شرم کے مارے سُرخ ہو گئی۔ جب سے وہ محبت میں گرفتار ہوئی تھی۔ اس میں تھوڑی سی ہوشیاری آ گئی تھی۔ چنانچہ اس نے چہرہ سرخ ہو جانے کی وجہ یہ بتائی کہ میرا سر درد کے مارے پھٹا جا رہا ہے۔

"عورتوں کے تو یہی جھگڑے رہتے ہیں۔" موسیو درینال نے غیر مہذب سا قہقہہ لگا کے کہا "ان کی کوئی نہ کوئی کل ہر وقت بگڑی رہتی ہے۔"

وہ اس قسم کی فقرے بازی کی عادی تو ہو چکی تھی۔ مگر مادام درینال کو اس کا لہجہ بڑا ناگوار گزرا۔ اپنا غم غلط کرنے کے لئے وہ ژولیاں کا چہرہ غور سے دیکھنے لگی۔ اگر وہ بدصورت سے بدصورت بھی ہوتا تو بھی اس وقت اسے اچھا لگتا۔

موسیو درینال کو درباری طور طریقوں کی نقل اتارنے کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ بہار کے آغاز ہی میں وہ بال بچوں سمیت ورژی چلا گیا۔ یہ وہ گاؤں ہے جسے ازمنۂ وسطیٰ کی ایک کہانی کی ہیروئن گابریئیل کی المناک داستان نے بڑی شہرت بخش دی ہے گاتھک طرز کے پرانے گرجا کے دل فریب کھنڈروں سے چند سو گز کے فاصلے پر موسیو درینال نے ایک پرانا قلعہ خرید رکھا تھا جس میں چار مینار تھے۔ ایک بڑا خوش نما باغ تھا۔ باغ کے چاروں طرف جھاڑیوں کی دیواریں سی بنی ہوئی تھیں۔ پگڈنڈیوں کے دونوں طرف سایہ دار درخت لگے تھے جنہیں سال میں دو دفعہ تراشا جاتا تھا۔ قریب ہی ایک میدان تھا۔ یہاں سیب کے درخت لگے ہوئے تھے۔ یہاں موسیو درینال کے بیوی بچے کھیلنے کے لئے آیا کرتے تھے۔ باغیچے کے آخر میں اخروٹ کے نو دس پیڑ کھڑے تھے۔ ان کی گھنی گھنی ڈالیاں زمین سے کوئی اسی فٹ بلند تھیں۔

اس کی بیوی ان درختوں کی تعریف کرتی تو موسیو درینال کہا کرتا۔ " کم بخت ایک ایک پیڑ آدھی آدھی ایکڑ کی فصل خراب کرتا ہے۔ ان کے سائے میں اناج اگتا ہی نہیں۔"

دیہات کا منظر مادام درینال کو نیا نیا لگا۔ وہ تو اس پر بالکل لٹو ہو گئی۔ اس جذبے کی تحریک سے اس میں زندگی کی نئی لہر دوڑ گئی اور اس کے ارادے میں پختگی آ گئی۔ ورژی آنے کے دوسرے ہی دن موسیو درینال تو کسی سرکاری کام سے شہر

واپس چلا گیا، اور اس کی بیوی نے اپنے خرچ پر مزدور لگا دیئے۔ ژولیاں نے اسے یہ بات سمجھائی کہ باغیچے کے چاروں طرف اور اخروٹ کے پیڑوں کے نیچے بجری بچھوا دینی چاہیئے تاکہ بچے صبح سویرے وہاں ٹہل سکیں اور ان کے جوتے بھی اوس میں نہ بھیگیں۔ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر اس تجویز پر عمل درآمد شروع ہوگیا۔ مادام دربنال، ژولیاں کے ساتھ دن بھر خوش خوش پھری اور مزدوروں کی نگرانی کرتی رہی۔

ڈیریٹیر کا ٹیر واپس آیا یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ پگڈنڈی تو بن بھی گئی۔ مادام دربنال کو بھی اس کے واپس آجانے پر تعجب سا ہوا۔ وہ تو اس کے وجود کو بالکل بھول ہی گئی تھی۔ اگلے دو مہینے تک موسیو دربنال ذرا خفگی کے ساتھ اس بات کی شکایت کرتا رہا کہ ان لوگوں نے اس سے پوچھے بغیر ایسی اہم تبدیلی کرانے کی ہمت کیسے کی۔ لیکن مادام دربنال نے یہ مرمت اپنے خرچ سے کرائی تھی۔ اس بات سے اسے ذرا تسلی ہوئی۔

وہ دن بھر اپنے بچوں کے ساتھ باغیچے میں اچھل کود مچاتی اور تتلیاں پکڑتی۔ ان لوگوں نے رنگین جالی دار کپڑے کے بڑے بڑے جال بنوا لیئے تھے۔ ان جالوں سے بچاری تتلیوں کا شکار رہتا تھا۔ ژولیاں نے اسے تتلیوں کا عجیب و غریب علمی نام بھی سکھا دیا تھا۔ کیونکہ مادام دربنال نے اس موضوع پر گودار کی حسین کتاب بساں سول سے منگوالی تھی، اور تتلیوں کی عجیب و غریب عادتوں کا حال ژولیاں اسے پڑھ کر سنایا کرتا تھا۔

یہ لوگ تتلیوں کو گتے کے ایک بڑے سے ٹکڑے پر رکھ کے بڑی بے رحمی سے پن کھونس دیتے تھے۔ یہ گتا بھی ژولیاں نے تیار کیا تھا۔

آخر کار مادام درنیاآل اور ژولیاآں کو گفتگو کا ایک موضوع ہاتھ آ گیا تھا۔ ژولیاں کو خاموشی کے وقفوں سے جو اذیت پہنچتی تھی۔ اب اس کا کوئی خدشہ نہیں رہا تھا۔ وہ برابر باتیں کرتے رہتے، اور انتہائی دلچسپی کے ساتھ، حالانکہ موضوع ہمیشہ سیدھا سادا اور معمولی ہوتا تھا۔ یہ مشغولیت اور ہنسی خوشی کی زندگی ہر ایک کو پسند آئی سوائے مادموازیل ایلیزا کے۔ اسے شکایت تھی کہ میں کام کرتے کرتے مری جا رہی ہوں۔ وہ کہا کرتی۔ "بیگم صاحب نے تو تہوار کے دنوں میں بھی جب شہر میں ناچ ہوتا ہے لباس کا ایسا خیال نہیں رکھا۔ آج کل تو وہ دن میں دو تین دفعہ کپڑے بدلتی ہیں۔" چونکہ ہمارا ارادہ ہے کہ کسی کے ساتھ بھی رعایت نہیں برتیں گے، اس لئے ہم اس بات پر پردہ نہیں ڈالیں گے کہ مادام درنیاآل نے جس کی جلد بڑی نفیس تھی ایسے کپڑے بنوائے جن میں بازو اور سینہ نظر آئے۔ اس کا جسم بڑا سڈول تھا اور یہ کپڑے اس پر خوب سجتے تھے۔

ویریئیر کے ملاقاتی دعوت میں درژی آتے تو اس سے کہا کرتے۔ "مادام آپ ایسی جوان کبھی نہیں معلوم ہوئیں۔" (قصبات میں یہ بات اکثر کہی جاتی ہے)

ایک عجیب بات یہ ہے اور ہمارے پڑھنے والوں کو مشکل سے اس کا یقین آئے گا کہ مادام درنیاآل جو بناؤ سنگار میں اتنی محنت کرتی تھی تو یہ کوئی ارادی چیز نہیں تھی۔ اسے بس ان کاموں میں مزا آتا تھا۔ جب ژولیاآں اور بچوں کے ساتھ تتلیوں کے پیچھے پھرنے میں نہ لگی ہوتی تو بغیر کسی خاص خیال کے ایلیزا کے ساتھ مل کر کپڑے سینے میں مصروف ہو جاتی۔ اس دوران میں وہ بس ایک دفعہ ویریئیر گئی اور وہ بھی اس خواہش کے ہاتھوں مجبور ہو کر کہ گرمیوں کے لئے کچھ نئے کپڑے خریدے جو ابھی

ابھی مل ہاؤس سے آئے تھے۔

وہ اپنے ساتھ ایک نوجوان عورت کو ورژنی لے آئی جو اس کی رشتہ دار تھی۔ شادی کے بعد سے مادام دریناآل کی مادام دروبل سے آہستہ آہستہ گاڑھی چھننے لگی تھی۔ بچپن میں یہ دونوں ایک ساتھ پڑھی تھیں۔

مادام دروبل اپنی بہن کی باتوں پر دل کھول کر ہنسا کرتی تھی۔ اس کے خیال میں یہ پگلے پن کی باتیں تھیں۔ وہ کہا کرتی تھی کہ اگر میں اکیلی بھی رہوں تو بھی میرے دل میں ایسے خیال نہ آئیں۔

مادام دریناآل جب اپنے شوہر کے ساتھ ہوتی تو اسے یہ خود رو خیالات (جنہیں پیرس میں دل کی لہر کہا جائے گا) بڑے احمقانہ معلوم ہوتے اور شرم آنے لگتی مگر مادام دروبل کے سامنے اس کا ہیاؤ کھل جاتا۔ جو باتیں وہ سوچا کرتی تھی، پہلے تو اس نے ذرا جھینپ جھینپ کر سنائیں۔ پھر یہ حال ہوا کہ جب وہ دونوں تھوڑی دیر کے لیے بھی اکیلی ہوتیں تو مادام دریناال چہکنے لگتی اور صبح کا سارا وقت بے عمل و غش ایسے گزر جاتا کہ پتہ بھی نہ چلتا اور دونوں سہیلیاں دن بھر مسرور رہتیں لیکن اس دفعہ معقولیت پسند مادام دروبل نے اپنی بہن کو پہلے سے زندہ دل اور پہلے سے کہیں زیادہ خوش پایا۔

ژدلیاں جب سے گاؤں آیا تھا بالکل بچہ بن گیا تھا۔ تلیوں کے پیچھے بھاگنے میں اسے اتنا ہی مزا آتا جتنا اس کے شاگردوں کو۔ اتنے دن وہ رُکا رُکا سا رہا تھا اور بات بات میں چالبازی سے کام لینا پڑا تھا۔ اب اسے تنہائی میسر تھی وہ دوسرے لوگوں کی نگاہوں سے محفوظ تھا، اور اس کا دل کہہ رہا تھا کہ مادام

وریناال سے ذرا بھی ڈرنے کی ضرورت نہیں، اسے زندہ رہنے میں لطف آنے لگا، بلکہ وہ تو سرمست ہو گیا۔ اس عمر میں ویسے بھی آدمی ترنگ میں ہوتا ہے۔ پھر اوپر سے دنیا کے حسین ترین پہاڑوں کی فضا۔

مادام دروبل کے آتے ہی ژدلیاں نے محسوس کر لیا کہ یہ میری دوست ہے۔ اس نے فوراً اُسے لے جا کے وہ منظر دکھایا جو نئی پگڈنڈی کے آخر سے نظر آتا تھا۔ یہ منظر سوئٹزرلینڈ اور اٹلی کی جھیلوں کے بہترین مناظر سے بڑھ چڑھ کے نہیں تو ان کے برابر ضرور ہو گا۔ یہاں سے چند گز کے فاصلے پر جو ڈھلان تھا۔ اس پر چڑھیں تو اونچی اونچی چٹانیں ملتی تھیں، جن کے کنارے کنارے دیودار کے پیڑ تھے۔ یہ درخت بالکل دریا کے اوپر جھکے ہوئے تھے۔ ژدلیاں مسرور، آزاد بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ، یعنی گھر کا مالک بن کے دونوں سہیلیوں کو انہیں چٹانوں پر لے جاتا اور یہ دیکھ دیکھ کر لطف اٹھاتا کہ انہیں یہ حسین منظر بڑا پسند آ رہا ہے۔

"مجھے تو یہ منظر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے موتسارٹ کی موسیقی"۔ مادام دروبل کہتی

بھائیوں کا حسد، ایک جابر اور بد مزاج باپ کی موجودگی ژدلیاں کے لئے ویریئر کے آس پاس کے میدانوں کا مزا کرکرا کر دیتی تھی۔ ورژی سے اس قسم کی تلخ یادیں ذرا بھی وابستہ نہ تھیں۔ یہ بات عمر میں پہلی دفعہ ہوئی کہ اسے کوئی آدمی ایسا نظر نہ آتا جو اس کا دشمن ہو۔ موسیو دریناال شہر میں ہوتا (اور ایسا اکثر ہوتا ہی رہتا تھا) تو وہ پڑھنے کی بھی ہمت کر ڈالتا۔ جلدی ہی نوبت یہاں تک پہنچی کہ پہلے تو رات کو پڑھتا تھا اور احتیاطاً لیمپ کو گملا الٹ کر ڈھک دیتا تھا تاکہ روشنی باہر نہ نکلے، مگر اب اس کے بجائے وہ اطمینان سے پوری نیند سوتا۔ دن کو بچوں کی پڑھائی کے وقفے میں وہ کتاب لے کر ان چٹانوں

میں جا بیٹھتا ۔ کتاب یعنی اس کے افعال و اعمال کا واحد ضابطہ، اور اس کی گرویدگی کا واحد مرکز۔ ادا سی کے لمحوں میں اُسے تسکین، خوشی، کیف و سرور سب یہیں ملتا۔

عورتوں کے بارے میں نپولین کے بعض مقولے اور اس کے عہد میں جو ناول مقبول تھے اُن کے محاسن پر مختلف مضامین پڑھ پڑھ کر اسے چند ایسے خیالات حاصل ہوئے جو اس کی عمر کے کسی اور نوجوان کو بہت پہلے سے معلوم ہوتے۔

گرمیاں آگئیں۔ اب وہ مکان سے چند گز کے فاصلے پر ایک بڑے سے درخت کے نیچے شام گزارنے لگے۔ وہاں بڑا اندھیرا رہتا تھا۔ ایک دن شام کے وقت ژولیاں خوب چہک رہا تھا۔ اسے اچھے اچھے فقرے کہنے اور شادی شدہ جوان عورتوں سے باتیں کرنے میں بڑا لطف آرہا تھا۔ اس نے جو باتیں کرتے کرتے ہاتھ چلایا تو اس کا ہاتھ مادام درینال کے ہاتھ سے چھو گیا جو لکڑی کی ایک ایسی رنگین کرسی پر آرام سے لیٹی تھی جیسی باغوں میں رکھی ہوتی ہیں۔

مادام درینال نے جلدی سے ہاتھ کھینچ لیا۔ لیکن ژولیاں نے فوراً فیصلہ کر لیا کہ یہ بات منوانا میرا فرض ہے کہ جب میں اسے چھوؤں تو ہاتھ کھینچا نہ جائے۔ اس کے دل میں یہ خیال بیٹھ گیا کہ مجھے یہ فرض ضرور بجا لانا ہے، اور اگر اس میں ناکام رہا۔ تو میں مضحکہ خیز لگوں گا بلکہ احساسِ کمتری کا شکار ہو جاؤں گا۔ چنانچہ اس کے دل سے سارا لطف فوراً رخصت ہو گیا۔

نواں باب

دیہات کی ایک شام

موسیو گے ریں نے ملکہ ڈائنڈو کا کردار بڑے دلفریب طریقے سے پیش کیا ہے۔

اسٹروم بیک

اگلے دن صبح کو جب وہ مادام دربنال سے ملا تو اس کی نظروں کا انداز کچھ عجیب سا تھا۔ وہ اس کی طرف ایسے گھور کے دیکھ رہا تھا جیسے وہ کوئی دشمن ہو۔ اور اس سے ابھی ابھی ٹکر لینی ہو۔ یہ انداز رات والے انداز سے بالکل مختلف تھا۔ مادام دربنال بالکل بھونچکی رہ گئی۔ وہ تو ژولیاں کے ساتھ ایسی مہربانی سے پیش آئی تھی، اور ژولیاں کچھ خفا خفا سا لگتا تھا۔ وہ اپنی نظریں اس کی نظروں سے الگ نہ کر سکی۔

مادام درویل کی موجودگی سے یہ فائدہ ہوا کہ ژولیاں گفتگو میں حصہ لینے سے بچ گیا اور اسے جس بات کی فکر لگی ہوئی تھی۔ اس پر پوری توجہ صرف کر سکا۔ دن بھر اس کا مشغلہ بس یہ رہا کہ اس الہامی کتاب کو پڑھ پڑھ کر اپنے آپ کو تقویت پہنچاتا رہے جس سے اس کی روح کو تازگی حاصل ہوتی تھی۔

اس نے آج بچوں کو سبق بھی بہت کم پڑھایا۔ بعد میں جب مادام دریناآل کی موجودگی نے اسے یاد دلایا کہ اس کی خود پرستی کی طرف سے بھی اس پر کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں تو اس نے پکّا ارادہ کر لیا کہ آج شام یہ بات ضرور ہونی چاہئے کہ مادام دریناآل اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں رہنے دے۔

سورج نیچا ہوتا گیا اور وہ فیصلہ کن لمحہ قریب آگیا۔ ہیجان کے مارے ژولیاں کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ آخر رات آگئی۔ اس نے دیکھا کہ آج بہت اندھیرا ہے، اور اسے اتنی خوشی ہوئی کہ دل پر سے منوں بوجھ اتر گیا۔ آسمان پر گھنے بادل چھائے ہوئے تھے اور گرم گرم ہوا انہیں چکّر دے رہی تھی۔ یہ اس بات کی نشانی تھی کہ طوفان آنے والا ہے۔ دونوں سہیلیاں بڑی دیر تک ٹہلتی رہیں۔ آج اُن کی ہر بات ژولیاں کو عجیب لگ رہی تھی۔ وہ اس موسم کا لطف لے رہی تھیں جو بعض لطیف طبیعتوں میں پیار کا مزا دوبالا کر دیتا ہے۔

آخر وہ آکے بیٹھ گئیں۔ مادام دریناآل ژولیاں کے برابر اور مادام دروِیل اپنی سہیلی کے دوسری طرف۔ ژولیاں کو ابھی جو کارنامہ سرانجام دینا تھا۔ اسے تو بس اس کی دھن سوار تھی۔ اس کی سمجھ ہی میں نہ آیا کہ کیا بات کروں۔ چنانچہ گفتگو کچھ رُکنے سی لگی۔

"اگر مجھے کسی سے لڑنا پڑا تو پہلی دفعہ کیا میں اسی طرح تھر تھر کانپوں گا اور اسی طرح گھبراؤں گا؟" ژولیاں نے دل میں سوچا۔ کیونکہ اسے اپنے پر اور دوسروں پر اتنا کم اعتبار تھا کہ وہ اپنی کیفیت دیکھے بغیر نہ رہ سکا۔

اس دُبدھا سے اسے اتنی اذیت ہو رہی تھی کہ اس وقت تو ہر خطرہ

اس بے چینی سے کہیں زیادہ بہتر معلوم ہوتا۔ کتنی دفعہ اس کا جی چاہا کہ خدا کرے مادام دریناں کسی کام سے اٹھ کے اندر چلی جائے اور باغ میں نہ رہے۔ ژولیاں اپنے اوپر قابو رکھنے کی ایسی جان توڑ کوشش کر رہا تھا کہ اس کی آواز تک بدل گئی۔ مادام دریناں کی آواز میں بھی فوراً لرزش آگئی۔ لیکن ژولیاں کو اس کا احساس تک نہ ہوا۔ اس کی نظری کم ہمتی اور اس کے احساسِ فرض میں جو خوفناک جنگ ہو رہی تھی۔ اس نے ژولیاں کو تھکا مارا تھا اور اپنے سے باہر اسے کسی چیز کی سُدھ بُدھ ہی نہ رہی تھی۔ مینار کی گھڑی نے پونے دس بجا دیئے اور اس نے ابھی تک ذرا سی بھی ہمت نہ کی تھی۔ ژولیاں کو اپنے ٹھڑولے پن پر شرم آنے لگی اور وہ دل ہی دل میں بولا۔ "جیسے ہی گھڑی نے دس بجائے یا تو میں اس ارادے کو عمل میں لا کے رہوں گا جسے آج دن بھر شام کے وقت تکمیل تک پہنچانے کو سوچتا رہا ہوں۔ ورنہ پھر اوپر اپنے کمرے میں جا کے اپنے آپ کو گولی مار لوں گا۔"

اب اضطراب اور ہیجان کا ایک اور دورہ پڑا۔ جذبات کی شدت سے ژولیاں دیوانہ سا ہو گیا۔ لیکن آخر سر کے اوپر جو گھڑی تھی۔ اس نے ٹن ٹن دس بجانے شروع کر دیئے اس کم بخت کی ہر چوٹ اس کے دل میں بُری طرح گونجتی۔ اور بدن میں کھلبلی سی مچا دیتی۔

انجام کار یہ ہوا کہ گھنٹے کی آخری چوٹ ابھی تک فضا میں لرز ہی رہی تھی کہ ژولیاں نے ہاتھ بڑھا کر مادام دریناں کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس نے اپنا ہاتھ فوراً کھینچ لیا۔ اب ژولیاں کو ذرا بھی ہوش نہ رہا کہ میں کر کیا رہا ہوں اور اس نے مادام دریناں کا ہاتھ پھر پکڑ لیا۔ حالانکہ خود اس کے اندر ایک تلاطم برپا تھا۔ لیکن اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ میرے ہاتھ میں جو

ہاتھ ہے وہ برف کی طرح ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ اس نے ہیجانی شدت سے مادام درینال کا ہاتھ کھینچ لیا۔ ہاتھ چھڑانے کی ایک آخری کوشش اور ہوئی۔ لیکن آخر وہ ہاتھ اس کی گرفت ہی میں رہ گیا۔

اس کے دل میں خوشی کا سیلاب امنڈ پڑا، اس وجہ سے نہیں کہ اسے مادام درینال سے محبت تھی، بلکہ اس لیے کہ وہ خوفناک اذیت اب ختم ہو چکی تھی۔ اس خیال سے کہ کہیں مادام دروِیل کچھ دیکھ نہ لے۔ اس نے ضروری سمجھا کہ باتیں کی جائیں۔ اب اس کی آواز میں ایک بلندی اور زور آ گیا تھا۔ اس کے برخلاف مادام درینال کی آواز سے اتنا شدید جذبہ ٹپکنے لگا کہ اس کی سہیلی سمجھی اس کی طبیعت کچھ خراب ہو گئی ہے اور بولی کہ چلو، اندر چلیں۔ ژولیاں کو خطرے کا احساس ہو گیا۔ "اگر مادام درینال دیوان خانے میں واپس چلی گئی تو میں پھر اسی مصیبت میں پڑ جاؤں گا جس میں دن بھر رہا ہوں۔ اس کا ہاتھ میری گرفت میں اتنی دیر نہیں رہا کہ میں اسے ایک قطعی کامیابی سمجھوں۔"

مادام دروِیل نے پھر اندر جانے کی تجویز پیش کی تو ژولیاں نے وہ ہاتھ دبا دیا جو ابھی تک اس کی گرفت میں تھا۔

مادام درینال اٹھنے ہی والی تھی کہ پھر بیٹھ گئی اور مری ہوئی سی آواز میں بولی: "میری طبیعت تو واقعی خراب سی ہو رہی ہے مگر تازہ ہوا میں مجھے ذرا آرام مل رہا ہے۔"

ان الفاظ سے اس کی خوشی اور پکی ہو گئی۔ اب اس کی مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی وہ باتیں کرنے لگا۔ بنا بنانا سب بھول گیا اور اپنی دونوں سامعین کو بڑا ہی دلکش آدمی معلوم ہوا۔ اس میں ایکا ایکی یہ چرب زبانی تو ضرور آ گئی تھی۔ مگر ہمت کی اب بھی تھوڑی سی کمی تھی۔ ہوا تیز ہو گئی تھی اور یہ طوفان کی آمد کا پیش خیمہ تھا۔ اسے بڑا ڈر لگ رہا تھا کہ

اس ہوا سے گھبرا کے کہیں مادام دروِیل اکیلی ہی دیوان خانے میں نہ چلی جائے۔ پھر وہ مادام درِیتال کے ساتھ تنہا رہ جائے گی۔ یہ بالکل اتفاق تھا کہ اس میں وہ اندھی جرأت آگئی جو عمل کے لئے کافی نکلی۔ لیکن اسے ایسا لگ رہا تھا کہ مادام درِیتال سے وہ سیدھا سادا لفظ کہہ دینا میرے بس کی بات نہیں۔ مادام درِیتال کی جھڑکیاں کتنی ہی ہلکی کیوں نہ ہوں۔ ہار اسی کی ہوگی، اور جو کامیابی ابھی حاصل ہوئی تھی وہ بھی ہاتھ سے جائے گی۔

اس کی خوش قسمتی سمجھئے کہ آج شام اس نے جو اثر انگیز اور زوردار تقریریں کیں تھیں وہ مادام دروِیل کو بہت پسند آئیں۔ حالانکہ عام طور سے وہ اسے اسکول کے لڑکوں کی طرح بے ڈھنگا سمجھتی تھی، اور ژولیاں کی باتوں میں اسے ذرا بھی مزا نہ آتا تھا رہی مادام درِیتال، تو اس کا ہاتھ ژولیاں کے ہاتھ میں دبا ہوا تھا اور اسے کسی چیز کی سُدھ بُدھ نہ رہی تھی۔ اس وقت تو اس نے اپنے آپ کو جینے کی چھٹی دے رکھی تھی اس پیڑ کے نیچے جسے مقامی روایت کے مطابق شیردل شارل نے لگایا تھا۔ انہوں نے جو عرصہ گذارا وہ مادام درِیتال کو خوشی کا ایک پورا زمانہ معلوم ہوا۔ بوندا باندی شروع ہو گئی تھی۔ وہ ایک عجیب کیف کے عالم میں مٹھی شاخوں میں ہوا کی سائیں سائیں اور نچلے پتوں پہ بوندوں کی ٹپ ٹپ سنتی رہی۔ ژولیاں نے ایک چھوٹی سی بات دیکھی ہی نہیں جس سے اسے بڑی تقویت پہنچتی۔ پھولوں کا ایک گملا ہوا سے دونوں سہیلیوں کے پیروں پہ آ پڑا۔ مادام درِیتال اسے ہٹانے میں اپنی بہن کی مدد کرنے اٹھی تو اسے اپنا ہاتھ چھڑانا پڑا۔ لیکن اپنی جگہ واپس آتے ہی اس نے پھر اپنا ہاتھ حیل و حجت کئے بغیر ژولیاں کے حوالے کر دیا جیسے ان کے درمیان یہ بات طے پا چکی ہو۔

آدھی رات کا گھنٹہ بہت دیر ہوئے بج چکا تھا۔ آخر باغ سے اٹھنے کا وقت

آگیا اور صحبت برخواست ہوگئی۔ مادام دریناآل ایک تو اپنی محبت میں سرشار، دوسرے ان باتوں سے بالکل ناواقف تھی، اس نے اپنے آپ کو ذرا سی بھی ملامت نہ کی۔ خوشی کے مارے اس کی نیند اڑ گئی۔ ژولیاں گھوڑے بیچ کے سویا۔ آج دن بھر اس کے دل میں کم ہمتی اور غرور کی جنگ جاری رہی تھی اور وہ تھک کے چُور ہو چکا تھا۔

اگلے دن صبح اسے پانچ بجے جگایا گیا اور اس سے ایک ایسی بات سرزد ہوگئی کہ مادام دریناآل کو پتہ چلتا تو اسے بڑا صدمہ پہنچتا۔ یعنی ژولیاں کو اس کا خیال ہی نہ آیا۔ اس نے تو اپنا ایک فرض انجام دیا تھا۔۔۔ ایک دلاورانہ فرض۔ اس خیال کی خوشی میں سرمست ہو کر اس نے اپنے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا اور ایک بالکل نئی لذت کے ساتھ اپنے ہیرو کے کارنامے پڑھنے میں کھو گیا۔

دوپہر کے کھانے کی گھنٹی بجی تو اس وقت وہ نپولین کی فوج کے حالات پڑھنے میں رات کی ساری کامیابیاں بھول چکا تھا۔ دیوان خانے میں جاتے ہوئے اس نے بے اعتنائی کے ساتھ سوچا " مجھے اس عورت سے یہ کہنا چاہیئے کہ مجھے تم سے محبت ہے۔"

اپنی امید کے برخلاف مادام دریناآل کی پیار بھری نظروں کے بجائے اسے موسیو دریناآل کا درشت چہرہ نظر آیا۔ وہ کوئی دو گھنٹے ہوئے وریئیر سے واپس آیا۔ اسے جو پتہ چلا کہ ژولیاں صبح کا سارا وقت ضائع کر رہا ہے اور بچوں کی خبر نہیں لیتا تو اس سے اپنی خفگی چھپائی نہ جا سکی۔ اس سے زیادہ اور کیا مکروہ بات ہو سکتی تھی کہ صبح سویرے یہ خود پرست آدمی دکھائی دے جو ناراض بھی تھا اور یہ یقین بھی رکھتا تھا کہ مجھے اپنی ناراضی ظاہر کرنے کا حق حاصل ہے۔

اپنے شوہر کا ایک ایک سخت فقرہ مادام درینال کے دل میں نشتر کی طرح چبھ رہا تھا۔ رہا ژولیاں، تو وہ اس قدر سرشار ہو رہا تھا اور پچھلے دو تین گھنٹے سے جو عظیم واقعات اس کے تصور کی آنکھوں کے سامنے سے گزرتے رہے تھے۔ ان میں ایسا محو تھا کہ پہلے تو اسے اپنے تخیل کی بلندیوں سے نیچے اتر کر موسیو درینال کی کڑوی کسیلی باتیں سننے میں ہی دیر لگی۔ آخرکار اس نے ذرا ترشی سے جواب دیا ۔" میری طبیعت خراب تھی۔"

اس جواب کا لہجہ ہی ایسا تھا کہ ویریئر کے میئر سے بھی کم نازک مزاج آدمی ہوتا تو چڑ جاتا۔ اس نے سوچا کہ اس کا جواب تو بس یہی ہے کہ ژولیاں کو کھڑے کھڑے نکال دے، لیکن اس نے اپنے لئے ایک زریں اصول مقرر کر لیا تھا کہ کاروباری معاملوں میں کبھی جلدبازی نہیں برتنی چاہیئے۔ بس اس خیال سے رک گیا۔

وہ اپنے دل میں بولا ۔" اس احمق نے میرے گھر رہ کے خاصی اچھی شہرت پیدا کر لی ہے۔ ممکن ہے والنو اسے اپنے یہاں رکھ لے، یا وہ ایلیزا سے شادی کر لے دونوں صورتوں میں اسے میرے اوپر ہنسنے کا موقع ہاتھ آجائے گا۔"

موسیو درینال نے جو یہ باتیں سوچیں تھیں تو وہ دانشمندی کی، مگر اس کے باوجود اس کی خفگی نا ملائم الفاظ کی شکل اختیار کر ہی گئی، اور آخر ژولیاں بُرا مان گیا۔ مادام درینال روہانسی ہو گئی۔ کھانا ختم ہوتے ہی وہ ژولیاں کا بازو پکڑ کے سیر کو نکل پڑی۔ وہ جیسے دوستانہ انداز میں بازو کے اوپر جھکی ہوئی تھی۔ مادام درینال اس سے جو بھی کہتی۔ ژولیاں۔ دفعہ دھیمی سی آواز میں یہی جواب دیتا ۔" امیر لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔"

موسیو درینال ان دونوں کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ اس کی موجودگی سے ژولیاں

کا غصہ اور بڑھ گیا۔ یکایک اسے محسوس ہوا کہ مادام درینال اس کے بازو پر بہت ہی زیادہ جھک آئی۔ یہ بات اسے بڑی بری لگی۔ اس نے مادام درینال کو زور سے جھٹک کے الگ کر دیا اور اپنا بازو چھڑا لیا۔

خوش قسمتی سے موسیو درینال نے یہ نئی گستاخی دیکھی ہی نہیں۔ البتہ مادام دروےیل کی نظر پڑ گئی۔ اس کی سہیلی کی آنکھوں سے آنسو پھوٹ نکلے۔ اتنے میں موسیو درینال نے ایک چھوٹی سی دیہاتی لڑکی پر پتھر پھینکنے شروع کر دیے جو چھوٹا راستہ دیکھ کر باغیچے کے ایک کونے میں سے گزر رہی تھی۔

مادام دروےیل نے جلدی سے کہا "موسیو ژولیاں، ذرا طبیعت کو قابو میں رکھئے آپ یہ کیوں بھولتے ہیں کہ آخر ہم سبھی کو کبھی نہ کبھی غصہ آ ہی جاتا ہے؟"

ژولیاں نے اس کی طرف بڑی سرد مہری سے دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے حقارت اور اپنی برتری کا احساس ٹپک رہا تھا۔

یہ انداز دیکھ کر مادام دروےیل حیران رہ گئی۔ اگر وہ اس کا پورا مطلب تاڑ لیتی تو اسے اور بھی تعجب ہوتا۔ وہ غور سے دیکھتی تو ژولیاں کی آنکھوں میں اسے انتہائی خوفناک انتقام کی ہلکی سی امید بھی جھلکتی نظر آتی۔ تذلیل کے ایسے ہی لمحات ہیں جن سے روبس پیئر جیسے انقلابی پیدا ہوتے ہیں۔

"تمہارا ژولیاں تو بڑا غصیل ہے۔ مجھے تو اس سے ڈر لگنے لگا۔" مادام دروےیل نے اپنی سہیلی کے کان میں کہا۔

"مگر اس کا غصہ بھی تو بجا ہے۔" مادام درینال نے جواب دیا "جب سے وہ آیا ہے، بچوں نے کتنی ترقی کر لی ہے۔ اب اگر اس نے دو ایک گھنٹے ان سے بات

نہیں کی۔ تو کیا قیامت ٹوٹ پڑی؟ تمہیں ماننا پڑے گا کہ مردوں کا دل بڑا سخت ہونا ہے۔"

عمر میں پہلی مرتبہ مادام ورینال کو اپنے شوہر سے انتقام لینے کی خواہش سی محسوس ہوئی۔ ژولیاں کے دل میں امیروں کے خلاف جو شدید نفرت تھی وہ بس اب پھٹ پڑنے کے قریب تھی کہ خوش قسمتی سے موسیو ورینال نے مالی کو آواز دی اور باقی وقت وہ اس کے ساتھ مل کر باغیچے والی پگڈنڈی کو کانٹوں کے ڈھیر رکھ کے بند کرنے میں لگا رہا۔ اب جتنی سیر باقی رہ گئی تھی۔ اس کے دوران میں ژولیاں پر بڑی بڑی توجہات صرف ہوئیں۔ مگر اس نے جواب میں ایک لفظ نہ کہا۔ موسیو ورینال کے الگ ہوتے ہی دونوں عورتوں نے یہ بہانہ بنا کر کہ ہم تھک گئے ہیں اس کا ایک ایک بازو پکڑ لیا تھا۔

یہ دونوں بالکل سٹپٹا گئی تھیں اور بے چینی کے مارے اُن کا چہرہ سُرخ ہو رہا تھا۔ ژولیاں زرد پڑ گیا تھا اور اس نے اپنا انداز ایسا گمبھیر بنا یا تھا جیسے کوئی اٹل فیصلہ کر چکا ہو۔ ان دونوں کے درمیان چلتا ہوا وہ کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ اسے ان دونوں عورتوں سے، سارے لطیف جذبات سے نفرت ہو گئی تھی۔

وہ اپنے دل میں کہہ رہا تھا ——"ہیں! میرے پاس پانچ سو فرانک بھی نہیں جو اپنی تعلیم ہی پوری کر لوں! اب دیکھو میں اس عورت کو کیسے دھتا بتاتا ہوں۔"

وہ دونوں تو اس سے نہایت خوش اخلاقی برت رہی تھیں اور وہ ایسی مہلک باتیں سوچنے میں لگا ہوا تھا۔ اس حالت میں جو دو چار الفاظ اس کے کان میں پڑے

وہ اسے مہمل، فضول، احمقانہ بلکہ عورتوں کی نخرے بازی معلوم ہوئے۔

مادام دریناال چاہتی تھی کہ گفتگو جاری ہی رہے، اور وہ بولنے کی خاطر بول رہی تھی۔ اتفاقاً اس کے منہ سے نکلا کہ موسیو دریناال آج ویریئیر سے اس لئے واپس آ گئے کہ ایک کسان سے مکا کے بھوسے کا سودا ہو گیا ہے (اس علاقے میں مکا کا بھوسہ بستر میں بھرنے کے کام آتا ہے)

وہ کہنے لگی۔ "اس وقت وہ ہمارے پاس آ کے نہیں بیٹھیں گے۔ اب تو وہ مالی اور دوسرے نوکر کے ساتھ مل کر سارے بستروں میں بھوسہ بھریں گے۔ نیچے کی منزل میں تو صبح ہی سارا کام ختم ہو گیا۔ اب دوسری منزل پر شروع ہوا ہے۔"

ژولیاں کا رنگ اُڑ گیا۔ اس نے ایک عجیب انداز سے مادام دریناال کی طرف دیکھا اور ذرا قدم بڑھا کے اسے الگ کھینچ لے گیا۔ مادام درویل نے انہیں آگے بڑھ جانے دیا۔

"کسی طرح میری جان بچائیے۔" وہ مادام دریناال سے بولا۔ "آپ ہی کے ہاتھ ساری بات ہے۔ آپ جانتی ہیں کہ خادم مجھ سے جلتا ہے۔ میں آپ کو بتا ہی کیوں نہ دوں، میرے پاس ایک تصویر ہے، اسے میں نے اپنے گدے میں چھپا رکھا ہے۔"

یہ بات سن کر اس دفعہ مادام دریناال کا رنگ اڑ گیا۔

"اس وقت صرف آپ ہی میرے کمرے میں جا سکتی ہیں۔ یہ خیال رکھئے گا کہ کوئی آپ کو دیکھے نہیں۔ کھڑکی کی طرف گدے کے نیچے دیکھئے، وہاں آپ کو

گتے کا ایک چکنا سا ڈبہ ملے گا۔"

"اس میں وہ تصویر ہے؟" مادام وریناں نے کہا۔ وہ بالکل گری پڑ رہی تھی۔ ژولیاں نے دیکھا کہ وہ کچھ ہراساں ہو رہی ہے۔ چنانچہ اس نے فوراً اس بات سے فائدہ اٹھایا۔

"مادام، ایک اور عنایت کیجیے گا۔ میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ تصویر نہ دیکھیے گا۔ یہ میرا راز ہے۔"

"راز ہے!" مادام وریناں نے مری ہوئی آواز میں دہرایا۔

حالانکہ وہ ایسے لوگوں میں پلی بڑھی تھی۔ جنہیں اپنی دولت کا غرور تھا اور مالی مفاد کے سوا کسی چیز سے لگاؤ تھا ہی نہیں۔ لیکن محبت نے اس کے دل میں بھی تھوڑی سی فیاضی پیدا کر دی تھی۔ گو اسے بڑا صدمہ پہنچا تھا۔ مگر مادام وریناں نے بڑی سادہ دلی اور خلوص کے ساتھ سب ضروری باتیں معلوم کیں تاکہ ژولیاں کا کام ٹھیک طرح ہو سکے۔

وہ چلنے لگی تو بولی ــــ "اچھا تو وہ گتے کا چھوٹا سا گول ڈبہ ہے اور بڑا چمکدار ہے۔"

"جی ہاں۔" ژولیاں نے اس کرخت لہجے میں جواب دیا جو خطرے کے وقت مردوں میں پیدا ہو جاتا ہے۔

وہ اوپر کی منزل پر پہنچی تو ایسی زرد پڑ گئی تھی جیسے موت کے منہ میں جا رہی ہو۔ مرے پر سو دُرّے۔ اسے ایسا لگا جیسے بیہوش ہوئی جا رہی ہو۔ لیکن اس خیال سے سنبھلی کہ ژولیاں کی خدمت سرانجام دینی ہے۔

"مجھے وہ ڈبہ ضرور حاصل کرنا ہے۔" وہ قدم بڑھاتے ہوئے دل ہی دل میں بولی۔

اس نے سنا کہ تزولیاں کے کمرے میں اس کا شوہر خادم سے باتیں کر رہا ہے۔ خوش قسمتی سے وہ دونوں اس کمرے میں چلے گئے۔ جہاں بچے سویا کرتے تھے۔ اس نے گدا اٹھا کر بھوسے میں اتنے زور سے ہاتھ ٹھونسا کہ انگلیاں چھل گئیں۔ حالانکہ وہ اتنی سی تکلیف پر بھی تلملا اٹھتی تھی، لیکن اس وقت اسے پتہ بھی نہ چلا، کیونکہ فوراً ہی وہ چکنا چکنا ڈبہ اس کے ہاتھ کو چھو گیا۔ اس نے ڈبہ اٹھایا اور چمپت ہو گئی۔

جب یہ ڈر ختم ہوا کہ کہیں میرا شوہر مجھے نہ آ پکڑے تو پھر اسے ڈبے سے کراہت محسوس ہونے لگی، اور ایسا لگا کہ بس اب بے ہوش ہوئی۔

"تو گویا تزولیاں کو عشق ہے، اور اس ڈبے میں عورت کی تصویر بند ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔"

مادام دریناں نشست گاہ میں بیٹھ گئی اور جلن کے مارے اس کا دل پھنکنے لگا۔ اس کی انتہائی ناواقفیت یہاں بھی آڑے آئی۔ تحیّر کی وجہ سے رنج کسی قدر کم ہو گیا۔ اتنے میں تزولیاں آ پہنچا۔ شکریہ ادا کرنا تو الگ، اس نے ایک لفظ تک نہ کہا۔ بس ڈبہ لیا اور چلتا بنا۔ اپنے سونے کے کمرے میں پہنچ کے آگ جلائی اور ڈبے کو اس میں رکھ دیا۔ وہ زرد اور گم صم ہو رہا تھا۔ جس خطرے سے اس کی جان بچی تھی۔ وہ اس کے بارے میں مبالغے سے کام لے رہا تھا۔

وہ اپنا سر پیچھے کو اچھال کے دل ہی دل میں بولا۔ "نپولین کی تصویر، اور

ایک ایسے آدمی کے کمرے میں چھپی ہوئی ملے جو اس غاصب سے نفرت کا برملا اظہار کرتا ہے! اور ملے بھی موسیو دریناال کو جو شاہ پرست ہے اور مجھ سے پہلے ہی ناراض ہے! اور پھر بے احتیاطی کی بھی انتہا ہے کہ تصویر کے پیچھے میرے ہاتھ کی تحریر موجود ہے! اور باتیں بھی ایسی لکھی ہیں کہ میری عقیدت مندی اور گرم جوشی میں کوئی شبہ باقی ہی نہیں رہتا! اور اس والہانہ محبت کے ہر اظہار کے ساتھ تاریخ بھی درج ہے! ایک تحریر تو ابھی دو دن پہلے کی ہے!

"میری ساری نیک نامی خاک میں مل گئی، ایک لمحے میں برباد ہو کے رہ گئی!" ژولیاں ڈبے کو جلتا ہوا دیکھ کے کہہ رہا تھا۔" اور میرے پاس نیک نامی کے سوا دھرا ہی کیا ہے، اسی کے سہارے تو میں زندہ ہوں . . . اور، خدایا، یوں بھی میری زندگی کیا ہے!"

ایک گھنٹے بعد وہ ذرا پیار محبت کی طرف مائل ہوا۔ کیونکہ ایک تو وہ تھک چکا تھا۔ دوسرے اسے اپنے اوپر بڑا رحم آ رہا تھا۔ مادام دریناال دکھائی دی۔ تو اس نے بڑھ کے ہاتھ پکڑ لیا اور ایسے خلوص کے ساتھ چوما جو ابھی تک اس کی طرف سے ظاہر نہیں ہوا تھا۔ وہ خوشی کے مارے سُرخ ہو گئی۔ مگر ساتھ ہی ساتھ غصے اور جلن کی وجہ سے ژولیاں کو پرے دھکیل دیا۔ ژولیاں کی خود پرستی کو ابھی ابھی صدمہ تو پہنچ ہی چکا تھا۔ اس وقت تو وہ بالکل کاٹھ کا اُلّو بن گیا۔ مادام دریناال اسے صرف ایک امیر عورت نظر آئی۔ ژولیاں نے بڑی حقارت سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا، اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چل دیا۔ وہ باہر نکل کے باغ میں اداس اداس پھرنے لگا۔ پھر اس کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"میں تو ایسے اطمینان سے ٹہل رہا ہوں جیسے اپنی مرضی کا مالک ہوں! میں بچّوں کی نگرانی سے غفلت برت رہا ہوں! اب مجھ پر موسیو ورنیاال کی ڈانٹ پڑنے ہی والی ہے، اور وہ بھی سچّے ہوں گے۔" وہ فوراً بچّوں کے کمرے کی طرف چل پڑا۔ سب سے چھوٹے بچّے سے اسے بڑا لگاؤ تھا۔ اس نے جوڑولیاں کے گلے میں باہیں ڈالیں تو اذیّت ذرا کم ہوئی، اور راحت سی ملی۔

"یہ ابھی مجھے حقارت کی نظروں سے نہیں دیکھتا۔" ژولیاں نے سوچا۔ پھر اُسے اپنی اذیت میں کمی آجانے پر ندامت سی ہونے لگی جیسے یہ کوئی نئی کمزوری ہو"۔ یہ بچے مجھے اس طرح پیار کرتے ہیں جیسے اس پلّے کو جو کل خریدا گیا ہے۔"

دسواں باب

بلند نظری اور افلاس

محبت اپنے آپ کو کتنا ہی چھپائے، لیکن اس کی تاریکی اُسے چھپنے نہیں دیتی
آسمان جتنا سیاہ ہوگا۔ اتنے ہی زور کا طوفان آئے گا۔

بائرن

موسیو ورینال گھر کا ہر کمرہ دیکھتا پھر رہا تھا۔ وہ بچوں کے کمرے میں دوبارہ نوکروں کے ساتھ آیا جو بھرے ہوئے گدے لاد کے لائے تھے۔ اس کے یوں اچانک اندر آجانے سے ژولیاں کا پیمانہ صبر لبریز ہوگیا۔

معمول سے بھی زیادہ زرد اور افسردہ خاطر ہو کے وہ موسیو رینال کی طرف بڑھا موسیو ورینال خاموش کھڑا ہوگیا اور نوکروں کی طرف دیکھنے لگا۔

"جناب!" ژولیاں کہنے لگا "کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی اور اتالیق کے ساتھ آپ کے بچے اتنی ہی ترقی کر لیتے جتنی میرے ساتھ کی ہے؟" اس نے موسیو ورینال کو بولنے کا موقع بھی نہ دیا اور اپنے آپ بولے چلا گیا۔ "اگر نہیں، تو پھر آپ کو یہ جرأت کیسے ہوئی کہ مجھے لاپروائی کا طعنہ دیں؟"

موسیو درینال سہم سا گیا تھا اور ابھی پوری طرح سنبھلا بھی نہ تھا کہ اس نے جو اس دیہاتی لڑکے کو اس لہجے میں بات کرتے سُنا تو یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اس کے پاس کوئی اچھی پیش کش آئی ہے، اور اب یہ مجھے چھوڑ کے جانے والا ہے۔ ژولیاں جتنا زیادہ بولا اُس کا غصہ اتنا ہی بڑھتا گیا۔

"میرا گزارا آپ کے بغیر بھی ہو سکتا ہے، جناب"۔ ژولیاں نے کہا

"مجھے بڑا افسوس ہے کہ آج آپ اتنے خفا ہو گئے"۔ موسیو درینال نے ذرا ہکلاتے ہوئے کہا۔ ملازم کوئی دس قدم اُدھر تھے اور بستر ٹھیک کرنے میں لگے ہوئے تھے۔

"جناب، اس سے میری تسلی نہیں ہوگی"۔ ژولیاں نے غصے کے مارے آپے سے باہر ہو کے کہا۔ "ذرا سوچئے تو سہی کہ آپ نے مجھے کیسا سخت سُست کہا ہے اور وہ بھی خواتین کے سامنے!"

موسیو درینال اچھی طرح جانتا تھا کہ ژولیاں کیا چاہتا ہے اور اس کے دل میں دو متضاد جذبوں کے درمیان جنگ ہو رہی تھی۔ ژولیاں اب غصے کے مارے واقعی پاگل ہو گیا، اور اتفاق سے اس کے منہ سے یہ نکلا۔

"جناب، مجھے معلوم ہے کہ میں آپ کا گھر چھوڑ کے کہاں جا سکتا ہوں"۔

یہ الفاظ سنتے ہی موسیو درینال کو یہ تصور بندھا کہ ژولیاں، موسیو والنو کے گھر براجمان ہے۔

"بہت اچھا، جناب"۔ آخر اس نے ٹھنڈا سانس کھینچ کے اس انداز سے کہا جیسے کوئی آدمی انتہائی تکلیف دہ آپریشن کرنے کے لئے ڈاکٹر کو بلاتا ہو۔ "مجھے آپ کی

بات منظور ہے۔ پرسوں مہینے کی پہلی ہے، اس دن سے میں آپ کو پچاس فرانک ماہوار دوں گا۔"

ژولیاں کو بے اختیار ہنسی آئی۔ مگر وہ کچھ گم گھم کھڑا رہ گیا۔ اس کا غصہ کافور ہو چکا تھا۔

"اس جانور کی طرف سے میرے دل میں جتنی حقارت تھی شاید وہ بھی کافی نہیں تھی۔" وہ دل میں کہنے لگا "ایسے کمینہ فطرت انسان کی نظر میں معافی مانگنے کا یہی طریقہ سب سے عمدہ ہونا چاہئے۔"

بچے منہ پھاڑے یہ تماشہ دیکھ رہے تھے۔ وہ دوڑے دوڑے باغ میں گئے اور ماں کو بتایا کہ موسیو ژولیاں کو بڑا غصہ آیا تھا۔ مگر اب انہیں پچاس فرانک ماہوار ملا کریں گے۔

ژولیاں عادت سے مجبور ہو کر بچوں کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ اس نے موسیو ذرینال کی طرف دیکھا تک نہیں اور اسے یونہی کھولتا ہوا چھوڑ گیا۔

میئر اپنے دل میں بولا "موسیو والنو کی وجہ سے میرے اوپر ایک سو اٹھ فرانک کی چپت پڑی۔ لاوارث بچوں کی نگرانی کے سلسلے میں ان حضرت نے جو پیسے بنائے ہیں۔ اب مجھے اس کے بارے میں دو چار سخت باتیں کہنی ہی پڑیں گی۔"

ایک لمحے بعد ژولیاں پھر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"میرا ضمیر مجھے تنگ کر رہا ہے۔ مجھے موسیو شیلاں سے کچھ کہنا ہے۔ میں آپ کو یہ اطلاع دینے کے لئے حاضر ہوا ہوں کہ میں چند گھنٹے باہر رہوں گا۔"

"میرے عزیز ژولیاں" موسیو ذرینال نے انتہائی غیر مخلصانہ انداز سے ہنستے

ہوئے کہا: "آپ چاہیں تو پورے دن، بلکہ کل کا بھی سارا دن، میرے لائق دوست، ویرتیر جانے کے لئے مالی کا گھوڑا لے جائیے"۔

پھر موسیو دریناآل اپنے دل میں بولا: "یہ وال آنو کے پاس کوئی جواب دینے جا رہا ہے۔ اس نے مجھ سے کوئی وعدہ تو نہیں کیا، مگر بہرحال کوشش کرنی چاہیئے۔ کہ یہ سرپھرا لڑکا ذرا ٹھنڈا پڑ جائے"۔

ژولیاآن فوراً وہاں سے بھاگ نکلا اور اُن جنگلوں میں پہنچا۔ جہاں ہو کر درتزی سے ویرتیر کو راستہ جاتا ہے۔ اسے موسیو شیلاآن کے پاس پہنچنے کی کوئی جلدی نہیں تھی۔ اس وقت اسے ریاکاری کا کوئی نیا مظاہرہ کرنے کی ایسی فکر نہ تھی۔ بلکہ اسے تو اپنے دل میں جھانک کے دیکھنے اور جن جذبات نے اس کے اندر ہلچل مچا رکھی تھی۔ انہیں نظر میں لانے کے لئے تھوڑی سی فرصت درکار تھی۔

"ایک معرکہ تو میں نے مار لیا" دوسروں کی نگاہوں سے دور اور جنگل کی پناہ میں پہنچتے ہی وہ دل میں بولا "واقعی ایک معرکہ مار لیا!"

یہ سوچتے ہی اپنی پوری حیثیت کا ایک نہایت شاندار نقشہ اس کی آنکھوں میں کھنچ گیا اور دل کو تھوڑا سا سکون ملا۔

"اب تو مجھے پچاس فرانک ماہوار تنخواہ ملا کرے گی۔ موسیو دریناآل کو ضرور کوئی ڈر ہے۔ مگر کس بات کا؟"

اب وہ اس سوچ میں پڑ گیا کہ یہ دولت مند اور طاقت ور آدمی جس کے خلاف گھنٹہ بھر پہلے وہ غصے کے مارے کھول رہا تھا۔ آخر کس بات سے خوف زدہ ہے اس طرف خیال دوڑانے سے اس کا اطمینانِ قلب واپس مل گیا بلکہ لمحے بھر کے لئے

تو اس نے منظر کے حسن کو بھی سراہا۔ عرصہ ہوا چٹانوں کے بڑے بڑے ٹکڑے پہاڑ سے ٹوٹ کر بیچ جنگل میں آ پڑے تھے۔ شاہ بلوط کے پیڑ اتنے ہی اونچے تھے جتنی چٹانیں بعض جگہ تو دھوپ اتنی تیز تھی کہ دم بھر کے لئے ٹھیرنا محال تھا اور ان سے چند گز کے فاصلے پر چٹانوں کے سائے میں بڑے مزے کی ٹھنڈک تھی۔

ژولیاں ان بڑی بڑی چٹانوں کے سائے میں دم لینے کے لئے رکا اور پھر اوپر چڑھنے لگا۔ وہ ایک پتلی سی پگڈنڈی پر جا رہا تھا جو نظر بھی مشکل ہی سے آتی تھی اور جسے بس چرواہے استعمال کرتے تھے۔ تھوڑی سی دیر میں اس نے دیکھا کہ میں ایک بہت بڑی چٹان پر کھڑا ہوں اور دوسرے انسانوں سے بالکل الگ ہو گیا ہوں۔ فطری مناظر کے درمیان یہ مقام دیکھ کر وہ مسکرا پڑا۔ اسے وہ اخلاقی مقام یاد آ گیا جسے حاصل کرنے کو وہ تڑپ رہا تھا۔ ان بلند پہاڑوں کی تیز و تازہ ہوا نے اس کے اندر سکون بلکہ مسرت کی روح پھونک دی۔ دیر تیر کا میئر چاہے اس کی نظروں میں ابھی تک دنیا کے سارے دولت مند اور بدتمیز لوگوں ہی کا نمائندہ کیوں نہ ہو مگر ژولیاں نے محسوس کیا کہ آج وہ جس نفرت کے مارے پیچ و تاب کھاتا رہا تھا۔ اس کی شدت کے باوجود اس میں ذاتی عناد کا عنصر شامل نہ تھا۔ اگر وہ موسیو درینال سے نہ ملے تو ہفتے بھر میں خود اس آدمی کو، اس کے گھر کو، اس کے بچوں کو، اس کے کتوں کو، غرض اس کی ہر چیز کو بھول جائے گا۔ پتہ نہیں کس طرح، مگر بہرحال آج میں نے اسے اتنی بڑی قربانی دینے پر مجبور کر ہی دیا۔ یعنی پچاس کراؤن سالانہ سے بھی زیادہ؟ اس سے ایک لمحہ پیشتر ہی ایک بڑے خطرے سے میری جان بچی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک دن میں دو فتوحات حاصل ہوئیں۔ دوسری فتح میں کوئی خاص خوبی نہیں ہے مجھے تو

بس اس کا سبب دریافت کرنا چاہئے۔ لیکن اس تفتیش کی مصیبت کل پر چھوڑو۔"

ژولیاں اپنی زبردست چٹان پر کھڑا آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جہاں اگست کے سورج نے آگ سی لگا رکھی تھی۔ چٹان کے نیچے چراگاہ میں جھینگر بول رہے تھے۔ وہ چپ ہوئے تو چاروں طرف خاموشی طاری ہو گئی۔ اس کے پیروں کے نیچے میلوں لمبا میدان پھیلا ہوا تھا۔ کبھی کبھی اسے نظر آتا کہ اوپر کسی خشک چٹان سے کوئی باز اٹھا اور چپ چاپ ہوا میں بڑے بڑے حلقے بنانے لگا۔ ژولیاں کی نگاہیں اپنے آپ سے اپنے آپ اس شکاری پرندے کا پیچھا کرنے لگتیں۔ اس کی پُرسکون اور مضبوط اڑان سے ژولیاں بہت متاثر ہوتا۔ اسے ایسی قوت پر، ایسی تنہائی پر رشک آنے لگتا۔

نپولین کا نصیبہ ایسا ہی تھا۔ کیا ایک دن اس کا بھی نصیبہ ایسا ہی نکلے گا؟

گیارھواں باب

ایک رات کی بات

لیکن جولیا کی سرد مہری میں بھی ایک لگاؤ تھا۔ اس کا چھوٹا سا پیارا پیارا ہاتھ کانپ کے ہلکے سے الگ تو ہو گیا، لیکن اپنے پیچھے ایک لمس چھوڑ گیا، ایک لرزش چھوڑ گیا جو واضح طور پر محسوس تو ہوتی تھی، مگر تھی ایسی خفیف کہ دماغ کو اس پر شک سا گزرتا تھا۔

بائرن

لیکن یہ بھی ضروری تھا کہ دیر سویر وہ اپنی شکل تو دکھا دے جب وہ پادری کے یہاں سے نکلا تو اتفاقاً سب سے پہلے موسیو دال نو سے مڈبھیڑ ہوئی، اور ژولیاں نے فوراً اسے اطلاع دی کہ میری تنخواہ بڑھ گئی ہے۔

ورژی واپس آنے کے بعد جب تک رات نہ ہو گئی ژولیاں باغ میں نہ گیا۔ آج دن بھر اس کے دل پر طرح طرح کے قوی جذبات کی یلغار رہی تھی جس سے وہ خستہ حال ہو گیا تھا۔ عورتوں کا خیال آیا تو اس نے بے چین ہو کر دل میں پوچھا ——
"میں ان سے کیا کہوں گا؟" اسے یہ بات سوجھی ہی نہیں کہ آج اس کی روح چھوٹے چھوٹے

واقعات کی سطح پر اتر آئی تھی اور اصولاً عورتوں کی ساری دلچسپی انہیں چیزوں پر مرکوز ہوتی ہے اکثر ژولیاں کی باتیں مادام درویل بلکہ اس کی سہیلی کی بھی سمجھ میں نہ آتیں اور وہ خود ان کی باتیں آدھی سمجھتا، آدھی نہ سمجھتا۔ یہ تھا جذبات کی اُن زبردست اور لطافت و رموز کا اثر جن کی زد میں اس حوصلہ مند نوجوان کا دل ہر وقت رہتا تھا۔ اس عجیب و غریب شخص کے اندر ہر روز کوئی نہ کوئی طوفان بپا ہوتا۔

جب وہ شام کو باغ میں پہنچا تو ان دونوں حسین بہنوں کی باتیں دلچسپی سے سننے کو تیار تھا۔ وہ بھی بے تابی سے اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ وہ مادام درینال کے پاس حسب معمول اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں اندھیرا بہت بڑھ گیا۔ اس نے وہ سفید ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی جسے وہ کچھ دیر سے اپنے قریب کرسی کے تکیے پر رکھا دیکھ رہا تھا۔ پہلے تو کچھ ہچکچاہٹ کا مظاہرہ ہوا، پھر آخر ہاتھ اس انداز سے کھینچ لیا گیا جس سے ناپسندیدگی کا پتہ چلتا تھا۔ ژولیاں اس اشارے کو فیصلہ کن سمجھنے اور ہلکی پھلکی باتیں جاری رکھنے کو تیار تھا کہ اتنے میں موسیو درینال کے قدموں کی آواز آئی۔

صبح کی نا ملائم باتیں ابھی تک ژولیاں کے کانوں میں گونج رہی تھیں۔ وہ اپنے دل میں بولا "اس شخص کو دنیا کی ساری نعمتیں حاصل ہیں۔ اگر میں اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی بیوی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دبا لوں تو اس پر بات چڑھانے کا یہ طریقہ اچھا رہے گا نا؟ میرے ساتھ اس نے بڑی حقارت کا سلوک کیا ہے۔ میں بھی یہ حرکت ضرور کروں گا۔"

ذہنی اطمینان کو ایک تو ویسے ہی ژولیاں کے کردار سے مناسبت نہیں تھی اور اب تو اس کا چین بالکل ہی رخصت ہو گیا۔ اسے کسی بات کا دھیان نہیں رہتا تھا۔

بس فکر تھی تو یہ کہ مادام دریناآل اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں رہنے دے۔

موسیو دریناآل بڑے خفگی کے لہجے میں سیاست کے متعلق باتیں کر رہا تھا۔ ویریئیر کے دو تین صنعت کار واقعی اس سے زیادہ مالدار ہوتے چلے جا رہے تھے اور انتخابات میں اس کے خلاف کھڑا ہونا چاہتے تھے۔ مادام دریناآل اس کی گفتگو غور سے سن رہی تھی۔ اس لمبی چوڑی تقریر سے چڑ کر ژولیاں نے اپنی کرسی مادام دریناآل کے قریب کھسکالی۔ اندھیرے میں کسی کو کچھ سوجھا ہی نہیں۔ پھر اس نے ہمت کر کے اپنا ہاتھ اس خوبصورت بازو کے پاس رکھ دیا جو لباس کے باہر نکلا ہوا تھا۔ اس کے دماغ میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ اسے یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ اس نے اپنا چہرہ بازو کی طرف بڑھایا اور جرأت سے کام لے کر اپنے ہونٹ اس پر رکھ دیئے۔

مادام دریناآل سر سے پیر تک کانپ اٹھی۔ اس کا شوہر دو قدم کے فاصلے پر بیٹھا تھا۔ اس نے جلدی سے ژولیاں کو اپنا ہاتھ تھما دیا، اور ساتھ ہی اُسے ہلکے سے پیچھے ہٹا دیا۔ موسیو دریناآل تو ان ناکارہ لوگوں اور آزاد خیال جماعت والوں کو گالیاں سنانے میں لگا ہوا تھا جو روز بروز مالدار ہوتے جا رہے تھے۔ اُدھر ژولیاں دھڑا دھڑ اس ہاتھ پر گرما گرم بوسے دیئے چلا جا رہا تھا جو ابھی تک اس کی گرفت میں تھا۔۔۔ کم سے کم مادام دریناآل کو وہ بوسے ضرور گرما گرم معلوم ہوئے۔ مگر اس کے باوجود آج ہی کے منحوس دن اس بچاری عورت کو یہ ثبوت ملا تھا کہ وہ کسی کو بتلائے بغیر جس آدمی کی محبت میں گرفتار ہے اس کا دل کہیں اور اٹکا ہوا ہے! جتنی دیر ژولیاں غیر حاضر رہا، اُس کا دل اندر ہی اندر سلگتا رہا تھا اور اس دُکھ کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ سوچ بچار میں لگ گئی تھی۔

وہ دل میں بولی ـــ ”ہیں، تو کیا اب میں کسی سے محبت کروں گی، اور کوئی مجھ سے محبت کرے گا؟ کیا میں بیاہتا ہو کر بھی کسی سے آنکھ لڑاؤں گی؟ لیکن یہ پراسرار جذبہ میں نے اپنے شوہر کے بارے میں کبھی محسوس نہیں کیا۔ اسی لئے تو اب ژولیاں کا خیال دل سے نہیں مٹ سکتا۔ وہ تو ابھی لڑکا سا ہے، البتہ اس کے دل میں میری بڑی عزت ہے! یہ جنون تھوڑے دن میں ختم ہو جائے گا۔ میرے شوہر کو اس سے کیا مطلب کہ میں اس نوجوان کے بارے میں کیا جذبات رکھتی ہوں کیا نہیں؟ میں ژولیاں سے تخیّل کی دنیا کی باتیں کرتی ہوں، ہو سیو دریناں سنیں تو اکتا جائیں۔ انہیں تو کاروبار کے سوا اور کوئی خیال ہی نہیں۔ یہ تھوڑا ہی ہے کہ میں ان سے کوئی چیز چھین کر ژولیاں کو دے رہی ہوں“

اس کی معصوم روح اتنی صاف شفاف تھی کہ اس میں ریاکاری کا شائبہ تک نہ آنے پایا تھا۔ وہ تو بس ایک ایسے جذبے کی رو میں بہہ گئی تھی جو اُسے پہلے کبھی محسوس ہی نہ ہوا تھا۔ وہ اپنے دل کے ہاتھوں دھوکا کھا گئی تھی، اور جانے بوجھے بغیر، لیکن ساتھ ہی ساتھ اس کے اندر پاکبازی کی رگ بھی پھڑکنے لگی تھی۔ جب ژولیاں باغ میں پہنچا تو مادام دریناں کے دل میں اس کشمکش نے ہیجان برپا کر رکھا تھا۔ اس نے ژولیاں کی آواز سنی، اور ساتھ ہی ساتھ اسے اپنے قریب بیٹھتے دیکھا۔ اس کا دل اس حسین مسرت کے دھارے میں بہہ گیا، جس نے پچھلے پندرہ دن سے اس پر جادو کر رکھا تھا۔ لیکن جس پر تعجب زیادہ ہو رہا تھا۔ اس کے لئے ہر بات انوکھی اور انجانی تھی۔ مگر دو چار لمحے کے بعد ہی وہ دل میں بولی ـــ ”تو گویا ژولیاں کے سامنے آتے ہی اس کی بدسلوکی میرے ذہن سے محو ہو جاتی ہے؟“ وہ سہم سی گئی اور اب اس نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

مادام ریناآل کو ایسے گرماگرم بوسے کب نصیب ہوئے تھے۔ وہ یہ بات فوراً بھول گئی کہ ممکن ہے ژولیاں کو کسی اور سے محبت ہو۔ اب اس کی نظروں میں ژولیاں ذرا بھی قصوروار نہ رہا تھا۔ شک و شبہے سے دل میں جو درد پیدا ہوا تھا وہ دور ہو گیا۔ اسے ایک ایسی خوشی حاصل ہوئی جس کا اس نے کبھی خواب تک نہ دیکھا تھا چنانچہ محبت کے نشے میں سرشار ہو کر وہ ہنسنے کھلکھلانے لگی۔ وہ شام سب کے لیے بڑی پرلطف رہی یعنی ویری‌یر کے میئر کے سوا جس کے ذہن سے اپنے رقیبوں کی روزافزوں دولت کا خیال اترتا ہی نہ تھا۔ اب ژولیاں کو اپنی پُراسرار تمناؤں اور ان تجویزوں کی ذرا بھی فکر باقی نہ رہی تھی جنہیں عمل میں لانا اتنا مشکل تھا۔ عمر میں پہلی دفعہ حُسن کی قوّت نے آج اسے مغلوب کر ہی لیا۔ وہ ایک خوش آئند اور دھندلے خواب میں کھو کے رہ گیا تھا جو اس کے مزاج کے لیے اجنبی سا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ہلکے سے وہ ہاتھ دبا ہوا تھا جسے مکمّل حسن کا نمونہ سمجھ کر وہ مگن ہو رہا تھا۔ کبھی تو اسے درخت کے پتوں کی سرسراہٹ سنائی دیتی جو رات کی ہلکی ہلکی ہوا میں ہل رہے تھے اور کبھی دور سے کتّوں کی آواز آتی جو دوب کے کنارے پن چکّی کے پاس بھونک رہے تھے۔

لیکن یہ احساس محض لطف کا تھا، کوئی شدید جذبہ نہیں تھا۔ وہ اپنے کمرے میں پہنچا تو اسے بس ایک ہی مسرت کا خیال آیا یعنی اپنی پسندیدہ کتاب آگے پڑھنے کا۔ بیس سال کی عمر میں دنیا کا خیال اور دنیا میں کچھ کر کے دکھانے کا خیال ہر دوسری چیز پر غالب آجاتا ہے۔

مگر ذرا ہی دیر میں اس نے کتاب ہاتھ سے رکھ دی۔ نپولین کی فتوحات پر غور کرتے کرتے اسے اپنی کامرانی میں ایک نئی بات نظر آنے لگی۔ وہ دل میں بولا "ہاں

میں نے ایک معرکہ تو ضرور مارا ہے، مگر اس سے فائدہ بھی تو اٹھانا چاہئے۔ یہ مغرور انسان ابھی تو پسپا ہوتا جارہا ہے۔ مجھے چاہئے کہ اس کی اکڑ کو کچل کے رکھ دوں۔ نپولین کا یہی دستور تھا۔ وہ مجھے ڈانٹتا ہے کہ میں بچوں کی طرف سے لاپرواہی برت رہا ہوں۔ اب میں تین دن کی چھٹی مانگوں گا۔ اور اپنے دوست نسکے سے ملنے جاؤں گا۔ اگر اس نے انکار کیا تو میں پھر ملازمت چھوڑنے کی دھمکی دے دوں گا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ وہ مان جائے گا۔"

مادام دریناّل کی نیند کوسوں دور اڑ گئی۔ اسے کچھ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اس لمحے سے پہلے کبھی زندہ ہی نہ تھی۔ وہ اپنے ہاتھ پر ژولیاں کے آتشیں بوسے محسوس کر کر کے خوش ہو رہی تھی اور یہ خیال اس کے دل سے کسی طرح دور ہی نہ ہوتا تھا۔

اتنے میں وہ ہولناک لفظ "زناکاری" ایک دم سے اس کے دماغ میں آوارد ہوا۔ ذلیل ترین عیاشی جسمانی محبت کے تصور میں جتنے بھی کراہت انگیز مناسبات پیدا کر سکتی ہے۔ وہ سب کے سب ایک ساتھ مادام دریناّل کے تخیل میں دراز گھسے چلے آئے۔ اس نے ژولیاں کا اور اس سے محبت کرنے کی لذت کا ایک نرم و نازک اور الوہی تصور باندھ رکھا تھا۔ مگر یہ خیالات اسی کو داغدار بنانے کے درپے تھے۔ مستقبل بڑی بھیانک شکل میں اس کی نظروں کے سامنے آیا۔ اس نے دیکھا کہ میں لعنت ملامت کی آماجگاہ بن گئی ہوں۔

یہ لمحہ بڑا دہشت ناک ثابت ہوا۔ اس کی روح انوکھی سرزمینوں کا سفر کرنے لگی۔ آج شام اس نے ایک انجانی مسرت کا ذائقہ معلوم کیا تھا۔ اس وقت وہ ایک جاں گداز کرب میں مبتلا تھی۔ اس قسم کی اذیت اس کے تصور میں بھی کاہے کو آتی تھی۔ اس کے دماغ کی چولیں تک ہل گئیں۔ لمحے بھر کے لئے اسے خیال آیا کہ اپنے شوہر سے

صاف لفظوں میں کہہ دے کہ مجھے ڈر ہے کہیں ژولیاں کو دل نہ دے بیٹھوں۔ اس طرح ژولیاں کا ذکر کرنے کا بھی موقع مل جاتا۔ مگر خوش قسمتی سے اسے ایک نصیحت یاد آئی۔ جو عرصہ ہوا شادی سے ایک دن پہلے اس کی خالہ نے کی تھی۔ خالہ نے اسے دل کی بات شوہر سے کہنے کے خطرات سے آگاہ کیا تھا، کیونکہ شوہر بہر حال آقا ہوتا ہے۔ غم واندوہ نے اس کا ایسا برا حال کیا کہ اس نے اپنا سر پیٹ لیا۔

طرح طرح کے متضاد اور بھیانک تصورات باری باری سے اسے اپنی طرف کھینچتے تھے۔ کبھی تو اُسے ڈر لگنے لگتا کہ شاید ژولیاں کو مجھ سے محبت نہیں ہے اور کبھی گناہ کا خوفناک خیال اسے کچوکے دینے لگتا جیسے کل ہی شہر کے چوک میں اسے شکنجے میں کسا جائیگا اور اس کی زناکاری کا حال تختے پر لکھا ہوگا۔ تاکہ سب لوگ پڑھیں۔

مادام درینال کو زندگی کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ اگر اس کے ہوش وحواس سلامت ہوتے اور عقل بھی پوری طرح کام کر رہی ہوتی تو اس وقت بھی اُسے یہ پتہ نہ چلتا کہ خدا کی نظر دل میں مجرم قرار پانے اور سر بازار لوگوں کی نفرت کے انتہائی غضب ناک مظاہر کا نشانہ بننے میں کیا فرق ہے۔

زناکاری اور اس بدنامی کے ہولناک تصور نے جو (اس کے نزدیک) اس جرم کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے آخر اس کا پیچھا چھوڑا، اور وہ ژولیاں کے ساتھ معصومانہ زندگی گذارنے کی لذت کا خواب پہلے کی طرح پھر دیکھنے لگی تو اب اس ڈراؤنے خیال نے اسے ستانا شروع کیا کہ ژولیاں کو کسی دوسری عورت سے محبت ہے۔ اسے چہرے کی وہ زردی یاد آنے لگی۔ جب ژولیاں ڈرا تھا کہ تصویر کہیں کھو نہ جائے، یا کوئی تصویر دیکھ لے تو محبوبہ کا راز فاش نہ ہو جائے۔ اس پُر سکون اور شریفانہ چہرے پر اس نے آخر خوف کی

نشانیاں دیکھ ہی لی تھیں۔ خود اُس کی یا اُس کے بچّوں کی خاطر ژولیاں کی ایسی بُری حالت کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اس مزید غم نے اس کے کرب میں اتنی شدّت پیدا کر دی کہ انسانی روح اس سے زیادہ برداشت نہیں کر سکتی۔ اس کے حواس بجا نہ رہے اور وہ چیخنے چلّانے لگی یہاں تک کہ اس کی خادمہ جاگ اٹھی۔ یکایک اسے اپنے پلنگ کے قریب چراغ کی روشنی نظر آئی، اور ایلیزا کھڑی دکھائی دی۔

"اسے تجھ سے پیار ہے" وہ پاگل ہو کے چلّائی

خادمہ اپنی مالکہ کی یہ بُری گت دیکھ کے بھونچکی رہ گئی اور خوش قسمتی سے اس نے اس عجیب و غریب فقرے پر غور ہی نہ کیا۔ مادام دریناّل کو احساس ہوا کہ مجھ سے کیسی حماقت سرزد ہوئی ہے۔ چنانچہ وہ فوراً بولی ــــــ "مجھے بخار ہے۔ کچھ سرسام سا بھی معلوم ہوتا ہے۔ ذرا میرے پاس ہی بیٹھی رہو۔"

اپنے اوپر قابو رکھنے کی ضرورت پیش آئی تو وہ بالکل بیدار ہو گئی اور اس کی حالت بھی کچھ سنبھلی۔ غنودگی کے عالم میں اس کا دماغ معطّل ہو کے رہ گیا تھا۔ اب اس نے بھی کام کرنا شروع کیا۔ خادمہ اسے تکے چلی جا رہی تھی۔ اس سے بچنے کے لئے اس نے خادمہ کو حکم دیا کہ مجھے اخبار پڑھ کے سنا دے۔ لڑکی ایک لمبا چوڑا مضمون سنانے بیٹھ گئی۔ اس آواز کی اکتا دینے والی بھنبھناہٹ سنتے ہی مادام دریناّل نے یہ نیک اور شریفانہ عہد کیا کہ اب ژولیاں ملے گا تو اس سے انتہائی بے رُخی برتوں گی۔

بارھواں باب

ایک سفر

پیرس میں شائستہ لوگ ملتے ہیں، قصبات میں ایسے لوگ بھی دکھائی دیتے ہیں۔ جن کا کوئی کردار نہ ہو۔

سی بیلے

اگلے دن مادام ورنال کے نظر آنے سے پہلے صبح پانچ بجے ہی ژولیاں نے اس کے شوہر سے تین دن کی چھٹی حاصل کر لی۔ اپنی توقع کے برخلاف ژولیاں کو پتہ چلا کہ میرا تو اسے پھر دیکھنے کو جی چاہ رہا ہے، اور اس خوبصورت ہاتھ کے سوا اور کسی چیز کا خیال ہی نہیں آتا۔ وہ باغ میں چلا گیا، مگر مادام ورنال کو آنے میں بڑی دیر لگی۔ اگر ژولیاں کو اس سے محبت ہوتی تو وہ اسے ضرور دیکھ لیتا۔ وہ دوسری منزل پہ اپنی آدھی بند کھڑکی سے لگی کھڑی تھی اور شیشے میں سے اسے جھانک رہی تھی۔ آخر کار اپنے تمام ارادوں کے باوجود اس نے نیچے باغ میں آنے کا فیصلہ کر ہی لیا۔ اس کا رنگ معمول کے مطابق زرد نہ رہا تھا بلکہ شہابی ہو گیا تھا۔ اس کی شکل ہی سے ظاہر تھا کہ اس سیدھی سادی معصوم عورت کے دل میں ہیجان برپا ہے۔ اس کا چہرہ ایسا پرسکون

رہتا تھا جیسے وہ زندگی کی عام دلچسپیوں سے کہیں بلند ہو، اور یہ انداز اس کے نورانی چہرے کو اور دلفریب بنا دیتا تھا۔ مگر آج ایک رکاوٹ بلکہ ناراضی کے احساس نے اس انداز کو ذرا بگاڑ دیا تھا۔

ژولیاں جھپٹ کر اس کے پاس پہنچا۔ مادام ورنیال نے جلدی میں ایک شال اٹھا کر کندھوں پر ڈال لی تھی۔ اس کے بازو شال سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ ژولیاں کو یہ حسین بازو بہت پسند آئے۔ رات بھر کے ہیجان سے اس کی حالت یہ ہو گئی تھی کہ ذرا سی بات میں اس کا رنگ بدلنے لگتا تھا۔ صبح کی ٹھنڈی ہوا سے یہ رنگت اور بھی نکھر آئی۔ اس مدھم مدھم اور دل پذیر حسن میں تفکر کا ایسا انداز شامل تھا جو نچلے طبقوں میں کہیں نہیں ملتا۔ آج ژولیاں پر مادام ورنیال کے مزاج کا ایک ایسا پہلو روشن ہوا جس کا اُسے پہلے کبھی احساس ہی نہ ہوا تھا۔ اُس کی ندیدی آنکھوں کو ایک عجیب نعمت میسر آئی۔ وہ اس دلفریب حسن کے نظارے میں ایسا منہمک تھا کہ اسے یہ بھی خیال نہ آ رہا تھا کہ مادام ورنیال میری امید کے مطابق بڑے اُنس کے ساتھ میرا خیر مقدم کرے گی۔ چنانچہ اس سے انتہائی سرد مہری کا سلوک ہوا تو اُسے اور بھی زیادہ حیرت ہوئی۔ بلکہ وہ تو یہاں تک سمجھا کہ یہ بے رخی بالکل ارادی ہے اور اسے یہ بتایا جا رہا ہے کہ اس کی حیثیت کیا ہے۔

خوشی کی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں سے غائب ہو گئی۔ اسے یاد آیا کہ سماج میں اور خصوصاً ایک عالی خاندان اور دولت مند عورت کی نظروں میں میرا رتبہ کیا ہے۔ آنکھ جھپکتے میں اس کا انداز بالکل بدل گیا اور اس کے چہرے پر غرور اور اپنے آپ سے خفگی کے سوا اور کسی چیز کے آثار باقی نہ رہے۔ اُسے یہ سوچ کر اپنے آپ سے بڑی

گھن آئی کہ میں بس یہ تحقیر آمیز رویہ دیکھنے کے لئے گھنٹہ بھر ٹھیرا رہا۔

وہ اپنے دل میں بولا" دوسرے لوگوں پر بگڑنا بھی بے وقوفی کی نشانی ہے۔ پتھر اسی لئے تو گرتا ہے کہ وہ بھاری ہے۔ میں کب تک بچہ بنا رہوں گا؟ مجھے یہ نیک عادت کہاں سے پڑی کہ پیسے کے بدلے ان لوگوں کو اپنا دل اور اپنی روح بھی اٹھا کے دے دوں؟ اگر میں چاہتا ہوں کہ ان کے دل میں اور خود اپنی نظروں میں میری عزت ہو تو مجھے یہ ثابت کر دکھانا چاہئے کہ میرا افلاس تو ضرور اُن کی دولت کا غلام ہے، مگر میرا دل اُن کی اینٹھ اور اکڑ سے کوسوں دور ہے اور ایک ایسی بلندی پر مقیم ہے جہاں اُن کی حقارت یا نوازش کسی کی رسائی نہیں"۔

جب یہ خیالات جوق درجوق نوجوان اتالیق کے دماغ میں وارد ہونے لگے تو پندار کو ٹھیس لگنے کی وجہ سے اس کی شکل بڑی غضب ناک بن گئی۔ یہ دیکھ کر مادام درینال کو بڑی پریشانی ہوئی۔ اس نے پاکبازانہ بے رخی برتنے کا ارادہ کیا تھا، مگر وہ سرد مہری اب دلچسپی میں بدل گئی۔ ژولیاں میں دفعتہً اتنی تبدیلی پیدا ہوتے دیکھ کر اسے بڑی حیرت ہوئی تھی۔ اس سے دلچسپی میں اور حرارت آگئی۔ صبح کے وقت لوگ ایک دوسرے کی صحت، موسم کی خوبی وغیرہ کے متعلق جو مہمل باتیں کیا کرتے ہیں وہ دونوں کے دونوں ایک دم سے بھول گئے۔ شدید سے شدید جذبہ بھی ژولیاں کے فہم و ادراک پر اثر نہیں ڈال سکتا تھا، چنانچہ اس نے فوراً ہی کسی نہ کسی طرح مادام درینال کو یہ بات جتا دی کہ میں ذرا بھی اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہوں کہ میرے اور تمہارے درمیان دوستانہ مراسم ہیں۔ اس نے مادام درینال سے اپنے سفر کا بھی ذکر نہیں کیا، بس سلام کر کے چلتا بنا۔

وہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی، اور اسے جاتے ہوئے دیکھنے لگی۔ یہ سوچ کر اسے بڑا قلق ہو رہا تھا کہ کل شام تو ژولیاں کی آنکھوں میں اُنس کی چمک تھی اور آج اُنہی آنکھوں میں غصّہ اور غرور بھرا ہوا تھا۔ اتنے میں اس کا بڑا بیٹا باغ کے دوسرے کنارے سے دوڑا دوڑا آیا۔ ماں نے اسے گلے لگایا تو وہ بولا۔

"آج ہماری چھٹی ہے۔ موسیو ژولیاں کہیں باہر جا رہے ہیں"

یہ سنتے ہی مادام درینال کا وہ حال ہوا کہ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ اسے اپنی پاکبازی پر افسوس ہونے لگا اور اس سے بھی زیادہ اپنی کمزوری پر۔

اب اس کا تخیل اس نئے واقعے سے الجھ پڑا۔ رات ایسی خوفناک گزری تھی کہ اس نے سمجھداری سے کام لے کر چند باتیں طے کر لی تھیں۔ مگر اس وقت وہ ارادے منزلوں پیچھے رہ گئے۔ اب سوال اس دلفریب عاشق سے بچنے کا نہیں تھا بلکہ اسے ہمیشہ کے لئے کھو دینے کا۔

اسے مجبوراً جا کے کھانے کی میز پر بیٹھنا پڑا۔ میرے پر سو ڈرے، موسیو درینال اور مادام درویل کو ژولیاں کی روانگی کے سوا اور کوئی بات ہی نہ رہی تھی۔ ژولیاں نے جس سخت لہجے میں چھٹی مانگی تھی۔ وہ وریئیر کے میئر کو بڑا غیر معمولی لگا تھا۔

"اس گنوار کو ضرور کہیں اور سے بلاوا آیا ہے۔ لیکن اس آدمی کی گرہ سے چھ سو فرانک سالانہ کھلیں گے۔ یہ دیکھ کر تو شاید موسیو والنو کو بھی ہمت نہیں پڑے گی۔ وریئیر میں کل تک تو یہ حال تھا کہ اچھی طرح سوچ بچار کرنے کے لئے وہ مجھ سے تین دن کی مہلت مانگتا، اور آج مجھے صاف بات بتانے سے بچنے کے لئے حضرت پہاڑ پر چل دیئے۔ اب تو دو کوڑی کے کمیروں کے بھی ناز نخرے اٹھانے پڑتے ہیں۔ دنیا کی بھی کیا

حالت ہوئی ہے "!

"میرے شوہر کو پتہ نہیں کہ اس نے ژولیاں کے دل کو کیسی ٹھیس پہنچائی ہے۔ اس کے خیال میں تو ژولیاں ہمیں چھوڑ کر جا رہا ہے، مگر میں کیا سمجھوں" مادام درنیال نے اپنے دل میں پوچھا۔ "خیر میں نے بھی فیصلہ کر لیا!"

مادام درویل کے سوالوں سے بچنے کے لئے اور اس خیال سے کہ میں کم سے کم کھل کے رو تو لوں، اس نے بہانہ بنایا کہ میرا سر درد کے مارے پھٹا جا رہا ہے، اور اٹھ کے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"بس یہ ہیں عورتوں کی باتیں" موسیو درنیال نے کہا۔ "ان کی کوئی نہ کوئی کل ہر وقت بگڑی رہتی ہے۔" اور وہ ٹھٹے لگاتا چل دیا۔

اتفاقات نے مادام درنیال کو ایک خوفناک جذبے کے پنجوں میں لا پھنسایا تھا اس وقت وہ اسی جذبے کے ہاتھوں سختیاں سہہ رہی تھی۔ اُدھر ژولیاں پہاڑوں کے حسین ترین مناظر کے درمیان خوش خوش اڑا چلا جا رہا تھا۔ ورژی کے شمال میں اونچی اونچی پہاڑیوں کا جو سلسلہ ہے اسے وہاں سے گزرنا پڑا۔ جس پگڈنڈی پر ژولیاں چل رہا تھا۔ وہ دیو قامت درختوں کے درمیان آہستہ آہستہ اوپر اٹھتی جاتی ہے، اور شمال میں دوب کی وادی کے کنارے جو اونچا پہاڑ ہے اس پر یہاں سے وہاں تک لہریا سا بناتی چلتی ہے۔ اب مسافر کی نظریں دوب کی جنوبی سمت والی نیچی پہاڑیوں پر سے گزر کر برگنڈی اور بوژولے کے زرخیز میدانوں کا جائزہ لینے لگیں۔ اس حوصلہ مند نوجوان کا دل اس قسم کے حسن کی طرف کچھ زیادہ تو مائل نہیں تھا، مگر وہ بھی بار بار ڈھیر کے ایسے وسیع اور ایسے مرعوب کن منظر کو دیکھنے سے نہ رہ سکا۔

آخر کار وہ اس اونچے پہاڑ کی چوٹی پر جا پہنچا جس کے نیچے سے گزر کر اس سنسان وادی میں جانا تھا۔ جہاں لکڑیوں کا وہ نوجوان تاجر یعنی اس کا دوست فوکے رہتا تھا۔ ژدولیاآں کو اس سے یا اور کسی انسان سے ملنے کی کوئی خاص جلدی نہیں تھی۔ وہ کسی شکاری پرندے کی طرح اس اونچے پہاڑ کی چوٹی پر بنجر چٹانوں کے درمیان چھپا کھڑا تھا۔ اگر کوئی اس طرف آتا تو اُسے دور ہی سے دکھائی دے جاتا۔ استنے میں ایک عمودی چٹان کے اندر اسے ایک چھوٹا سا غار نظر آیا۔ وہ اس غار کی طرف چل دیا اور تھوڑی سی دیر میں اس پناہ گاہ میں جا بیٹھا۔ اس کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں، اور وہ بولا —

"یہاں انسان مجھے کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے"۔ اس کا جی چاہا کہ یہاں بیٹھ کے اپنے خیالات ضابطۂ تحریر میں لانے کا لطف حاصل کرے، یہ بات کسی اور جگہ تو ذرا خطرناک ہوگی۔ ایک چکنے پتھر نے میز کا کام دیا۔ اس کا قلم فر فر چلنے لگا۔ اسے اپنے چاروں طرف کے مناظر کا ذرا بھی ہوش نہ رہا۔ آخر اس نے دیکھا کہ دُور بوژولے کے پہاڑوں کے پیچھے سورج غروب ہو رہا ہے۔

"میں رات یہیں کیوں نہ گزاروں"؟ اس نے دل میں سوچا۔ "میرے پاس کھانا بھی ہے اور میں آزاد بھی ہوں"! یہ عظیم لفظ سامنے آتے ہی اس کا دل بلّیوں اچھلنے لگا۔ یہ اس کی ریاکاری کا کرشمہ تھا کہ وہ فوکے کے سامنے بھی اپنے آپ کو آزاد محسوس نہیں کرتا تھا۔ ژدولیاآں سر ہاتھوں پر رکھ کے اسی غار میں بیٹھ گیا۔ اسے عمر بھر ایسی مسرت کبھی حاصل نہیں ہوئی تھی، اور وہ اپنے خوابوں اور آزادی کی لذت میں کھو گیا تھا۔ شام کی روشنی آہستہ آہستہ غائب ہوتی چلی گئی مگر اس نے پرواہی نہیں کی۔ اس وسیع و عریض تاریکی میں اس کی روح ادھر اُدھر بھٹکنے لگی اور اس کا تصور یہ نقشہ

جتانے لگا کہ ایک دن پیرس میں مجھے کیا کیا چیزیں دیکھنے کو ملیں گی۔ سب سے پہلی چیز تو ایک ایسی حسین اور اتنی ذہین عورت تھی جو دیہات میں اسے کبھی نظر نہیں آئی تھی۔ وہ اس عورت سے شدید محبت کرے گا، اور وہ بھی جواب میں اس سے محبت کرے گی! اگر وہ دو چار لمحے کے لئے اس سے الگ بھی ہوگا تو صرف اس لئے کہ جا کر بڑے بڑے کارنامے سر انجام دے اور اس سے بھی زیادہ محبت کا مستحق بنے۔

اگر کسی نوجوان نے پیرس کی سوسائٹی کے افسوسناک حقائق کے درمیان پرورش پائی ہوتی تو چاہے اس میں ژولیاں کا سا تخیل ہی کیوں نہ ہوتا مگر اپنی رومان نوازی کی اس منزل پہ پہنچ کر طنز کی برفیلی ہوا کے جھونکوں سے اس کی آنکھ ضرور کھل جاتی۔ وہ عظیم کارنامے انہیں سر انجام دینے کی امید کے ساتھ ہی ساتھ غائب ہو جاتے، اور یہ مشہور مقولہ اُن کی جگہ لے لیتا ــــ "جب آدمی اپنی محبوبہ سے الگ ہوتا ہے تو یہ خطرہ مول لیتا ہے کہ وہ دن میں دو تین بار اس سے بے وفائی برتا کرے گی"۔ اس بچارے نوجوان دیہاتی کو اپنے اور عظیم کارناموں کے درمیان مواقع کی کمی کے سوا اور کوئی روک نظر ہی نہ آتی تھی۔

لیکن رات کا اندھیرا چھا چکا تھا اور اپنے دوست کی جھونپڑی تک پہنچنے کے لئے اسے ابھی چھ سات میل کا فاصلہ طے کرنا تھا۔ غار سے باہر نکلنے سے پہلے اس نے آگ جلائی اور جو کچھ لکھا تھا اسے بڑی احتیاط سے شعلوں کی نذر کر دیا۔

اس نے رات کو ایک بجے پہنچ کے جو دروازہ کھٹکھٹایا تو اس کے دوست کو بڑی حیرت ہوئی۔ فوکے اپنے حساب کتاب میں لگا ہوا تھا۔ وہ لمبے قد اور بے ڈھنگے جسم کا جوان عمر آدمی تھا۔ ناک بے حد لمبی اور چہرہ بڑا بڑا اور کرخت سا تھا۔ مگر اس

کر یہہ شکل کے پیچھے بڑی بھل منساہٹ چھپی ہوئی تھی۔

"کیا تمہارا اپنے موسیو دریناال سے کچھ جھگڑا ہو گیا جو اس طرح ایک دم سے آئے ہو؟"

ژولیاں نے مناسب ترمیموں کے ساتھ کل شام کے واقعات سنائے۔

فوکے بولا "اچھا تم میرے ساتھ رہو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم موسیو دریناال موسیو والی نو، نائب ناظم موژی رون، پادری شیلاں سب کو اچھی طرح جانتے ہو۔ تم ان لوگوں کے مزاج کی ساری باریکیاں خوب سمجھ گئے ہو۔ اب تو تم اس لائق ہو کہ اپنے جو دام چاہو وصول کرو۔ تمہیں حساب مجھ سے اچھا آتا ہے۔ میرا بھی کھاتہ تم لکھنا۔ مجھے اپنے کاروبار میں بڑا منافع ہو رہا ہے۔ لیکن ایک تو میں ہر کام اپنے آپ نہیں کر سکتا۔ پھر یہ ڈر رہتا ہے کہ اگر میں کسی کو اپنے ساتھ شریک کر لوں تو ممکن ہے وہ آدمی بے ایمان نکل جائے۔ اسی لئے مجھے روزانہ بڑے بڑے منافع کے سودے چھوڑنے پڑتے ہیں۔ ابھی مہینہ بھر بھی نہیں ہوا کہ میری بدولت چھ ہزار فرانک سیں آماں والے می شو کی جیب میں گئے۔ اسے میں نے چھ سال سے دیکھا تک نہیں تھا، یوں ہی نیلام میں اتفاق سے مل گیا۔ یہ چھ ہزار یا کم سے کم تین ہزار فرانک آخر تمہارے پاس ہی کیوں نہ پہنچتے؟ اگر اس دن تم میرے ساتھ ہوتے تو میں لکڑی کے نیلام میں بولی بڑھاتا چلا جاتا اور دوسرا آدمی آخر چھوڑ کے چل دیتا۔ آؤ، میرے ساتھ مل کے کام کرو۔"

یہ پیشکش ژولیاں کو بہت بری لگی۔ ایک تو وہ یونہی مراقی سا تھا۔ اب اس کا دماغ اور بھی زیر و زبر ہونے لگا۔ فوکے بالکل اکیلا رہتا تھا۔ اس لئے ہومر کے دلاوروں کی طرح دونوں نے مل کے کھانا پکایا۔ کھانے کے دوران میں اس نے ژولیاں کو اپنا

حساب کتاب دکھایا، اور اُسے سمجھایا کہ لکڑی کی تجارت میں کیا فائدے ہیں۔ ژولیاں کی ذہانت اور کردار کی فوکے کی نظروں میں بڑی عزت تھی۔

ژولیاں جب آخر اس چھوٹی سی کوٹھری میں پہنچا جس کی دیواریں تختوں کی تھیں۔ اور اسے تنہائی ملی تو دل ہی دل میں بولا — "یہ تو ٹھیک ہے کہ یہاں میں دو چار ہزار فرانک بنا سکتا ہوں۔ پھر ان دنوں فرانس میں جیسا فیشن ہوا اُسی کے مطابق میں بڑے اطمینان کے ساتھ سپاہی یا پادری بن سکتا ہوں۔ میں جو روپیہ جمع کر کے رکھوں گا۔ اُس کی مدد سے ساری چھوٹی موٹی مشکلیں دور ہو جائیں گی۔ بڑے لوگوں کو جن چیزوں سے دلچسپی ہوتی ہے اُن کا مجھے کچھ پتہ ہی نہیں ہے۔ پہاڑ پر مجھے تنہائی نصیب ہو گی اور میں اپنی موجودہ افسوس ناک جہالت کو کسی حد تک دور کر سکوں گا۔ لیکن فوکے نے شادی کا ارادہ ترک کر دیا ہے، اور پھر بار بار یہ بھی کہتا ہے کہ تنہائی کی وجہ سے میں بڑا اداس رہتا ہوں۔ وہ ایک ایسے آدمی کو شرکت میں لے رہا ہے جس کے پاس تجارت میں لگانے کو پیسہ ہی نہیں ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اسے ایک ایسا ساتھی ملنے کی اُمید ہے جو اُسے کبھی چھوڑ کے نہیں جائے گا۔"

"کیا میں اپنے دوست کا ساتھ چھوڑ دوں؟" ژولیاں نے بگڑ کے کہا۔

یہ شخص ریاکاری اور انسانی ہمدردی کے فقدان ہی کو نجات کا ذریعہ سمجھتا تھا لیکن اس موقع پر وہ یہ بات برداشت نہ کر سکا کہ جس آدمی کو مجھ سے محبت ہے۔ اس سے ذرا بھی نرمی نہ برتوں۔

لیکن فوراً ہی ژولیاں خوشی کے مارے پھڑک اٹھا۔ اس کے پاس انکار کا ایک سبب موجود تھا۔ "تو کیا میں سات آٹھ سال اس طرح ضائع کروں گا! اتنے میں تو میری عمر

اٹھائیس سال کی ہو جائے گی۔ لیکن اس عمر میں تو نپولین اپنے عظیم ترین کارنامے سر انجام دے چکا تھا۔ میرا یہ سارا وقت تو گمنامی کے عالم میں لکڑی بیچ بیچ کر تھوڑا بہت روپیہ جمع کرنے اور چھوٹے موٹے بدمعاش امیروں کی نوازشیں حاصل کرنے میں ہی گزر جائیگا پھر اس کے بعد کون جانے مجھ میں وہ مقدس شعلہ باقی بھی رہے یا نہ رہے جس کی بدولت آدمی نام پیدا کرتا ہے۔"

نیک دل فوکے تو یہ سمجھ رہا تھا کہ شرکت کا معاملہ طے ہو گیا۔ لیکن اگلے دن صبح کو ژولیاں نے بڑے ٹھنڈے لہجے میں اسے جواب دیا کہ میں نے تو اپنی زندگی کلیسا کے لئے وقف کر دی ہے، میں تمہاری پیش کش قبول نہیں کر سکتا۔ فوکے کو اپنے کانوں پر اعتبار نہ آیا۔

فوکے یہی کہے گیا ۔" لیکن ذرا سوچو تو سہی۔ میں تمہیں اپنے کاروبار میں شریک کر رہا ہوں، یا تم چاہو تو چار ہزار فرانک سالانہ دے سکتا ہوں۔ اور تم ہو کہ اپنے موسیو درینال کے پاس واپس جانے پر اڑے ہوئے ہو جو تمہیں اپنی جوتیوں کے برابر بھی نہیں سمجھتا! جب تمہارے پاس دو ہزار اشرفیاں ہوں گی تو پھر تمہیں پادری بننے سے کون سی چیز روک لے گی؟ میں ایک اور بات کہتا ہوں۔ لو میں ذمہ لیتا ہوں کہ تمہیں ضلع کا سب سے اچھا علاقہ دلوا دوں گا۔" فوکے ذرا دھیمی آواز میں بولا۔" کئی بڑے پادریوں کے یہاں جلانے کی لکڑی میری دکان سے جاتی ہے۔ میں انہیں بہترین لکڑی دیتا ہوں اور دام مجھے معمولی لکڑی کے ملتے ہیں۔ مگر یہ سودا گھاٹے کا نہیں۔"

مگر ژولیاں کے مقدس فریضے کے سامنے اس کی ایک نہ چلی۔ آخر فوکے یہ

سوچ کے چپ ہو گیا کہ اس کا تو شاید دماغ چل گیا ہے۔ تیسرے دن صبح سویرے زد بیاہیل اپنے دوست سے رخصت ہو کر سارا دن پہاڑیوں میں گزارنے کے ارادے سے چل کھڑا ہوا۔ اسے اپنا غار پھر مل گیا۔ مگر اب اُسے ذہنی سکون میسّر نہیں تھا۔ وہ تو اس کے دوست کی پیش کش سے ختم ہو کے رہ گیا تھا۔ ہرکولیز کی طرح اُسے بھی نیکی اور بدی کے درمیان نہیں، بلکہ دو اور چیزوں کے درمیان فیصلہ کرنا تھا۔ ایک طرف تو معمولی آدمیوں کی سی زندگی تھی جس میں آرام اور اطمینان سب کچھ تھا، دوسری طرف اس کی جوانی کے خواب اور بلند عزائم تھے۔ وہ دل ہی دل میں کہنے لگا ــــ "تو مطلب یہ کہ مجھ میں کردار کی مضبوطی ذرا بھی نہیں ہے۔" یہی شبہ اسے سب سے زیادہ تکلیف دے رہا تھا۔ "بیر اخمیر بڑے آدمیوں کی مٹی سے بنا ہی نہیں ہے۔ مجھے تو اتنی سی بات سے ڈر لگتا ہے کہ اگر آٹھ دس برس دال روٹی کی فکر میں گذر گئے تو پھر مجھ میں وہ آسمانی قوت باقی ہی نہیں رہے گی جس کے بل پر لوگ غیر معمولی کارنامے سر انجام دیتے ہیں۔"

تیرھواں باب

باریک جزائیں

ناول کیا ہے ؛ ایک آئینہ جسے لے کر سڑک پر سے گزرتے ہیں۔
سیں کرے آل

ژولیاں کو ورژی کے پرانے گرجا کے خوبصورت کھنڈر دکھائی دیئے تو اسے خیال آیا کہ مجھے دو دن سے مادام درینال ایک دفعہ بھی یاد نہیں آئی۔ اس دن جب میں چلنے کو تھا تو اس عورت نے مجھے یہ بات یاد دلائی کہ مجھ میں اور اس میں کتنا زبردست فاصلہ ہے۔ اس کا سلوک ایسا تھا جیسا کسی کمیرے کے بیٹے سے ہونا چاہیئے۔ وہ یقیناً مجھے یہ جتانا چاہتی تھی کہ اس نے کل رات جو اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیا تھا اس پر اسے ندامت ہو رہی ہے . . . بہر صورت اس کا ہاتھ بڑا حسین ہے ! اس عورت کی نظروں میں کیسی جاذبیت اور کیسی شرافت بستی ہے !

فوکے کے ساتھ مل کر روپیہ کمانے کا امکان نظر آیا تو ژولیاں کی ذہنی بحثا بحثی میں بھی تھوڑی سی سہولت اور روانی پیدا ہو گئی۔ اب یہ بات نہیں رہی کہ چڑچڑے پن کے

مارے وہ کچھ سوچ ہی نہ سکا یا اسے اپنی غربت اور دنیا کی نظر میں اپنی ذلیل حیثیت کا ہی خیال لگا رہتا۔ اس وقت تو وہ گویا سمندر کے بیچ میں ایک اونچی سی چٹان پر بیٹھا تھا اس کے ایک طرف انتہائی افلاس تھا۔ دوسری طرف خوش حالی جسے وہ اب بھی دولتمندی سمجھتا تھا اور ان دونوں پر وہ اطمینان کے ساتھ غور کر سکتا تھا۔ ابھی اس میں یہ صلاحیت تو نہیں آئی تھی کہ اپنی حالت کے متعلق ایک فلسفی کی طرح سوچ سکے، لیکن اس کے اندر اتنی سمجھ ضرور پیدا ہو گئی تھی کہ اب وہ یہ محسوس کرنے لگا کہ اس چھوٹے سے سفر کے بعد میں پہلے سے کچھ مختلف ہو گیا ہوں۔

مادام دریناال کی فرمائش پر اس نے اپنے سفر کا مختصر حال سنایا تو یہ دیکھ کر حیرت سی ہوئی کہ وہ بڑے اضطراب کے ساتھ سن رہی ہے۔

فورے کو کئی بار شادی کا خیال آیا تھا اور اس نے محبت میں دکھ درد بھی جھیلا تھا۔ اس نے اپنے دوست کو اس قسم کے بہت سے راز بتائے۔ اسے پیار کی خوشیاں بڑی جلدی حاصل ہو گئی تھیں۔ مگر پھر پتہ چلا کہ محبوبہ کے دل میں صرف میں ہی نہیں، کوئی اور بھی بستا ہے۔ ان انکشافات نے ترولیاں کو، چنبھے میں ڈال دیا۔ اسے بہت سی ایسی باتیں معلوم ہوئیں جو اس کے لئے بالکل نئی تھیں۔ اس نے بالکل تنہائی کی زندگی بسر کی تھی۔ ایک تو وہ اپنے تخیل میں کھویا رہتا، دوسرے ہر آدمی کو شک اور شبہ کی نظر سے دیکھتا۔ چنانچہ وہ ہر ایسی چیز سے الگ رہا تھا جو اسے زندگی کے بارے میں کچھ سکھا سکتی

اس کی غیر حاضری میں مادام دریناال کے لئے زندگی عذابوں کا ایک سلسلہ بن کے رہ گئی تھی۔ جن میں سے ہر عذاب دوسرے سے مختلف تھا مگر تھے سب کے سب ایک جیسے ناقابلِ برداشت۔ اس کی طبیعت واقعی خراب ہو گئی۔

مادام وروویل نے ژولیاں کو واپس آتے دیکھا تو اپنی سہیلی سے کہا: "تمہاری طبیعت ویسے ہی خراب ہے۔ آج شام باغ میں بالکل نہ بیٹھنا۔ ہوا کی نمی سے تمہاری حالت اور بگڑ جائے گی۔"

مادام وروویل کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ پہلے تو اس کی سہیلی کا یہ حال تھا کہ موسیو وریناک اس کے سیدھے سادے کپڑوں پر اسے جھڑکتا رہتا تھا مگر آج اس نے باریک جرابیں اور وہ خوبصورت جوتے پہن رکھے تھے جو ابھی پیرس سے آئے تھے۔ پچھلے تین دن سے مادام وریناک بس کپڑا کاٹنے اور ایلیزا سے جلدی جلدی گرمیوں کا لباس سلوانے میں لگی رہی تھی، اور کپڑا بھی اس نے وہ چھانٹا تھا جس کا آج کل بڑا فیشن تھا۔ یہ لباس ژولیاں کے آنے کے چند منٹ بعد ہی سل کر تیار ہوا تھا مادام وریناک نے فوراً اسے پہن لیا۔ اب اس کی سہیلی کو کوئی شبہ نہیں رہا۔ مادام وروویل اپنے دل میں بولی — "ارے، یہ بدنصیب تو محبت میں گرفتار ہے اب مادام وریناک کے مرض کی ساری علامتیں اس کی سمجھ میں آ گئیں۔"

اس نے مادام وریناک کو ژولیاں سے باتیں کرتے دیکھا۔ چہرے کا شہابی رنگ غائب ہو گیا تھا اور اس کی جگہ زردی نے لے لی تھی۔ اس کی نظریں نوجوان اتالیق کی نظروں میں الجھ کر رہ گئی تھیں اور آنکھوں سے پریشانی جھلک رہی تھی۔ مادام وریناک کو ہر لمحے یہ توقع ہو رہی تھی کہ بس اب وہ ساری بات سنائے گا اور یہ بھی بتائے گا کہ ہمارے یہاں رہے گا یا جائے گا۔ لیکن ژولیاں نے یہ ذکر چھیڑا ہی نہیں، کیونکہ اس نے اس موضوع پر سوچا ہی کب تھا۔ آخر بڑی کشمکش کے بعد مادام وریناک نے اس سے کچھ پوچھنے کی ہمت کی۔ اس کی آواز ایسی لرز رہی تھی کہ سارے جذبات چھلکے پڑتے تھے۔ وہ بولی۔

"کیا آپ اپنے شاگردوں کو چھوڑ کر کہیں اور ملازمت کرنے جا رہے ہیں؟"

اس کی لرزتی ہوئی آواز اور نظروں کا انداز دیکھ کر ژدلیاں چونک پڑا۔ "اس عورت کو مجھ سے پیار ہو گیا ہے۔" وہ اپنے دل میں کہنے لگا۔ "مگر یہ تو ایک وقتی کمزوری ہے۔ اس کا پندار اُسے ابھی سے ملامت کر رہا ہے۔ جب اسے میرے چلے جانے کا خدشہ نہیں رہے گا تو وہ پھر اکڑنے لگے گی۔" اپنی اور مادام درینال کی حیثیت کا پورا نقشہ اس کی آنکھوں میں ایسی تیزی سے پھر گیا جیسے بجلی کوند گئی ہو۔ اس نے کچھ رُکتے ہوئے جواب دیا—

"مجھے ایسے پیارے اور ایسے عالی خاندان بچوں کو چھوڑتے ہوئے بڑا دُکھ ہو گا۔ مگر شاید اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہو گا۔ آخر اپنی طرف سے بھی تو آدمی پر کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں۔"

ژدلیاں نے یہ لفظ "عالی خاندان" کہا (یہ اُن رئیسانہ الفاظ میں سے ایک تھا جو اس نے حال ہی میں سیکھے تھے) تو اسے کچھ ایسا اعتماد محسوس ہوا کہ وہ کھولنے لگا۔

"میں اس عورت کی نظروں میں عالی خاندان نہیں ہوں۔" وہ دل میں بولا۔

مادام درینال، اس کی باتیں سنتے ہوئے اس کی ذہانت اور اس کے حسن پر فریفتہ ہوتی جا رہی تھی۔ مگر ژدلیاں کے چلے جانے کا امکان اس کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا۔ ژدلیاں کی غیر حاضری میں ویریئر سے جتنے بھی ملاقاتی دعوتوں کے سلسلے میں ورژی آئے سب نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اس حیرت انگیز نوجوان کی تعریفیں کیں۔ جو خوش قسمتی سے اس کے شوہر کے ہاتھ چڑھ گیا تھا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ بچوں نے جتنی ترقی کر لی تھی۔ وہ اسے سمجھتے ہوں۔ ژدلیاں کو ساری انجیل زبانی یاد تھی اور وہ بھی لاطینی میں

اتنی سی بات پر اُسے ویریئرس کے لوگوں میں ایسی شہرت حاصل ہوئی جو غالباً ایک صدی تک چلے گی۔

ژدلیاں نے کسی سے بات نہیں کی، چنانچہ اسے ان تعریفوں کا کوئی علم نہیں تھا۔ اگر مادام دریناں کو اپنے اوپر تھوڑا سا قابو ہوتا تو ژدلیاں اس سے زیادہ ملائمت اور مروّت کے ساتھ پیش آتا۔ خصوصاً اس لیے کہ اسے مادام دریناں کا نیا لباس بڑا خوبصورت معلوم ہو رہا تھا۔ مادام دریناں کو بھی اپنا لباس بڑا پسند آیا تھا۔ ژدلیاں کے منہ سے تعریف سُن کر تو اس کا جی اور بھی خوش ہوا۔ چنانچہ اس نے باغ میں ٹہلنے کی تجویز پیش کی۔ لیکن تھوڑی ہی دیر میں اس نے اعتراف کیا کہ طبیعت خراب ہونے کے سبب مجھ سے چلا نہیں جا رہا۔ اس نے واپس آتے ہوئے مسافر کا بازو پکڑ رکھا تھا۔ بازو کے لمس سے اور طاقت تو کیا آتی جو رہی سہی تھی وہ بھی رخصت ہو گئی۔

رات ہو چکی تھی۔ جیسے ہی وہ لوگ بیٹھے ژدلیاں نے جتنی رعایت حاصل ہو چکی تھی اس پر بھروسہ کر کے اپنے ہونٹ مادام دریناں کے بازو پر رکھ دیے اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس وقت وہ مادام دریناں کے بارے میں نہیں بلکہ یہ سوچ رہا تھا کہ فوکے نے اپنی محبوباؤں کے ساتھ کیسی کیسی جسارت سے کام لیا ہے۔ وہ لفظ "عالی خاندان" ابھی تک اس کے دل پر سِل کی طرح رکھا تھا۔ مادام دریناں نے اس کا ہاتھ دبایا۔ مگر اسے ذرا بھی مزا نہ آیا۔ آج شام مادام دریناں نے اپنی محبت کا اظہار صاف طریقے سے کر دیا تھا۔ لیکن اس پر فخر کرنا یا احسان مند ہونا تو درکنار، ژدلیاں کے دل پر تو حسن، نفاست اور طراوت کا ذرا بھی اثر نہ ہوا۔ دل پاک اور نفرت کے جذبے سے خالی ہو تو جوانی کی عمر بڑھ جاتی ہے۔ زیادہ تر حسین عورتوں میں بڑھاپے کے آثار پہلے چہرے پر پیدا ہوتے

ہیں۔

اُس شام ژولیاں کبیدہ خاطر مارہا۔ اب تک تو وہ صرف قسمت اور سماج ہی سے خفا تھا۔ لیکن اب جو فو کے نے اسے آسائش حاصل کرنے کا ایک غیر ولادہانہ طریقہ بتا دیا تھا۔ تو اسے اپنے اوپر غصہ آرہا تھا۔ گو کبھی کبھی وہ عورتوں سے دو ایک باتیں کر لیتا تھا۔ مگر در اصل اپنے خیالات میں کھویا بیٹھا تھا۔ آخر اس نے بالکل غیر شعوری طور پر مادام دریناں کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اس حرکت سے بچاری عورت بالکل ہکا بکا رہ گئی۔ اسے نظر آگیا کہ میری قسمت میں کیا لکھا ہے۔

اگر اسے ژولیاں کی محبت کا یقین ہوتا تو شاید اس کی پاکبازی میں اتنی قوت آجاتی کہ وہ اسے آگے بڑھنے سے روک سکے۔ وہ ژولیاں کو ہمیشہ کے لئے کھو دینے کے خیال سے کانپ اٹھی، اور اس کی محبت ایسی جوش میں آئی کہ اس نے ژولیاں کا ہاتھ پکڑ لیا جو اس نے اپنے ہیجان میں کرسی کی کمر پر رکھا چھوڑ دیا تھا۔ اس حرکت پر ہمارے حوصلہ مند نوجوان نے بھی ذرا پھریری لی۔ اس کا جی چاہا کہ یہ منظر کاش وہ اکڑباز امرا بھی دیکھتے جو کھانے کی میز پر اسے بچوں کے ساتھ سب سے آخر میں بیٹھا دیکھ کر سرپرستانہ انداز میں مسکرایا کرتے تھے۔ وہ دل ہی دل میں بولا — "اب یہ عورت مجھے حقارت کی نظروں سے نہیں دیکھ سکتی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب مجھے اس کے حسن سے متاثر ہو جانا چاہئے۔ اس کا عاشق بننا میرا فرض منصبی ہے۔" اپنے سادہ دل دوست کے سیدھے سادے راز معلوم ہونے سے پہلے اس قسم کا خیال اس کے دل میں کبھی نہیں آسکتا تھا۔

اس نے ابھی یہ جو نیا ارادہ کیا تھا۔ اس سے آشفتگی دور ہوئی، اور اس میں

مزا بھی آیا۔ وہ دل میں بولا۔ "مجھے ان دونوں عورتوں میں سے ایک کو ضرور حاصل کرنا ہے۔" اس نے محسوس کیا کہ مجھے مادام درویل سے عشق لڑانا زیادہ پسند آتا۔ یہ بات نہیں کہ وہ زیادہ خوبصورت ہے، بلکہ چیز یہ تھی کہ اس نے ژدلیاں کو ہمیشہ ایک ایسے اتالیق کی حیثیت سے دیکھا تھا جس کی اپنے علم کی وجہ سے بڑی عزت ہوتی تھی۔ اس کے برخلاف مادام دریناں نے اسے پہلی دفعہ ایک بڑھئی کی شکل میں دیکھا تھا جس نے بغل میں ایک موٹا جھوٹا کوٹ دبا رکھا تھا۔

لیکن مادام دریناں کو اسے اپنے تصور میں اسی طرح دیکھنے میں مزا آتا تھا کہ ایک نوجوان مزدور شرم کے مارے لال بھبو کا پھاٹک کے باہر کھڑا ہچکچا رہا ہے اور گھنٹی بجانے کی ہمت نہیں ہوتی۔ شہر والے اس عورت کو بڑی نک چڑھی سمجھتے تھے، مگر آدمی کے رتبے کا اُسے کبھی خیال بھی نہ آتا تھا۔ رتبہ دیکھ کر کسی کے کردار کا جو اندازہ ہوتا ہے اس سے کہیں زیادہ وقعت اس کے دل میں اس بات کی تھی کہ آدمی نے کوئی کارِ نمایاں کیا ہو، خواہ وہ چھوٹا سا ہی کیوں نہ ہو۔ منہ میں پائپ لگا کے مونچھوں پر تاؤ دیتے پھرنے والے خوفناک کپتان کی بہ نسبت اس کی نظروں میں وہ گاڑیبان زیادہ دلاور تھا جس نے واقعی کوئی بہادری دکھائی ہو۔ اس کے سارے کے سارے رشتے دار امیر کبیر اور عالی خاندان تھے، اور بہت سے تو خطاب یافتہ بھی تھے۔ لیکن وہ ژدلیاں کو اُن سب سے زیادہ شریف اور نیک دل سمجھتی تھی۔

اپنی حیثیت کا جائزہ لیتے ہوئے ژدلیاں نے دیکھا کہ مجھے مادام درویل کو قبضے میں لانے کی فکر میں نہیں پڑنا چاہئے۔ کیونکہ غالباً وہ تاڑ گئی ہے کہ مادام دریناں میری طرف مائل ہے۔ اب اُسے پھر مادام دریناں کی طرف لوٹنا پڑا۔ اور وہ اپنے

دل میں بولا۔ مجھے کیا معلوم ہے کہ یہ عورت کس قسم کی ہے؟ میں بس اتنا ہی تو جانتا ہوں کہ جانے سے پہلے اُس دن میں نے اس کا ہاتھ پکڑا تو اس نے چھڑا لیا، آج میں نے ہاتھ چھڑا لیا تو وہ میرا ہاتھ پکڑ کے کھینچ رہی ہے۔ میرے لئے بڑا اچھا موقع ہے کہ اس نے مجھ سے جتنی حقارت برتی ہے وہ سب مع سُود اسے واپس کر دوں۔ خدا ہی جانے اب تک اس کے کتنے عاشق رہ چکے ہیں! شاید اس نے میرے حق میں اس وجہ سے فیصلہ کیا ہے کہ ملنے جلنے کی آسانیاں ہیں۔"

لوگ ضرورت سے زیادہ مہذب ہو جائیں تو یہ مصیبت پیش آتی ہے! اگر کسی نوجوان کو تھوڑی بہت تعلیم ملی ہو تو بیس سال کی عمر میں وہ اس لاابالی پن سے کوسوں دور پہنچ جاتا ہے جس کے بغیر محبت اکثر ایک بیزار کُن فریضہ بن کے رہ جاتی ہے۔

ژولیاں کا سستا پندار کہنے لگا: "اس عورت کو اپنے بس میں لانا میرے اوپر اس وجہ سے اور بھی فرض ہے کہ اگر مجھے کبھی دنیا میں کامیابی نصیب ہوئی اور کسی نے مجھے طعنہ دیا کہ یہ تو ایک حقیر سا اتالیق رہ چکا ہے، تو میں یہ ظاہر کر سکتا ہوں کہ میں نے تو دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر نوکری کی تھی۔"

ژولیاں نے دوبارہ اپنا ہاتھ کھینچ لیا، پھر مادام درینال نے ہاتھ پکڑ کے دبایا۔ جب وہ آدھی رات کے قریب دیوان خانے میں واپس آنے لگے تو مادام درینال نے آہستہ سے اس کے کان میں کہا: "کیا تم ہمیں چھوڑ رہے ہو؟ کیا تم جا رہے ہو؟"

ژولیاں نے آہ بھر کے کہا: "مجھے واقعی چلا جانا چاہئے، کیونکہ مجھے تو تم سے دیوانہ وار محبت ہو گئی ہے۔ یہ گناہ ہے ... ایسا گناہ، اور ایک نوجوان پادری سے سرزد ہو!"

مادام وریناآل نے اس کے بازو کا سہارا لے لیا، اور اس کی طرف اتنی جھکی کہ ژولیاآں کے رخسار کی گرمی اس کے رخسار پہ محسوس ہونے لگی۔

ان دونوں کی رات بالکل مختلف طریقے سے گزری۔ مادام وریناآل کے دل میں ایک انتہائی بلند و بالا اخلاقی لذّت کا دَور تھا۔ وہ ایک عجیب غُلو محسوس کر رہی تھی۔ جب کوئی عشوہ گر دوشیزہ محبت میں گرفتار ہوتی ہے تو وہ بڑی جلدی محبت کے دُکھ درد کی عادی بن جاتی ہے۔ جب وہ اس عمر کو پہنچتی ہے کہ صحیح معنوں میں پیار کر سکے تو پھر نئے پن کا جادو باقی نہیں رہتا۔ مادام وریناآل نے سرے سے ناول پڑھے ہی نہیں تھے۔ چنانچہ اس کی مسرت کی ساری لطافتیں اُس کے لئے بالکل نئی تھیں۔ اس کی نظروں کے سامنے کوئی ایسی افسوسناک حقیقت نہیں آئی جس سے خون سرد ہو جاتا۔ مستقبل کے بھوت نے بھی آ کے اسے نہیں ڈرایا۔ اس کے تصوّر میں تو بس یہی نقشہ جما ہوا تھا کہ دس سال بعد بھی میں اتنی ہی خوش ہوں گی جتنی اس وقت ہوں۔ چند دن پہلے پاکبازی اور موسیو وریناآل سے وفاداری کی قسم کے خیال نے اسے بہت ستایا تھا۔ لیکن اس وقت تو اُس کی بھی ایک نہ چلی۔ مادام وریناآل نے اسے ناخواندہ مہمان کی طرح دفعا بتائی۔ وہ اپنے دل میں کہنے لگی — "میں ژولیاآں کو زیادہ بے تکلف ہونے کا موقع کبھی نہ دوں گی۔ ہم آئندہ بھی اسی طرح رہیں گے جیسے مہینے بھر سے رہ رہے ہیں۔ اس کی اور میری بس دوستی ہو گی۔"

چودھواں باب

انگریزی قلینچی

ایک سولہ سال کی لڑکی کا رنگ گلاب جیسا تھا، اور وہ غازہ لگاتی تھی
پولی ڈوری

رہا ژولیاں تو اس کی ساری خوشی تو فرگے کی پیشکش نے ختم کرکے رکھ دی تھی۔ اس سے کوئی فیصلہ ہی نہ ہو رہا تھا۔

"افسوس، شاید مجھ میں کردار کی کمی ہے۔ اگر میں نپولین کا سپاہی ہوتا تو بھلا کیا اچھا لگتا! بہرحال اس گھر کی مالکہ سے میرا جو معاملہ چل رہا ہے۔ اب تو تھوڑا سا وقت اس میں گزرے گا۔"

اس کی خوش قسمتی سمجھئے کہ اس چھوٹے سے واقعے میں بھی اس کے اندرونی احساسات اس کی رنگیلی گفتگو کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ مادام دریتال کے حسین لباس کی وجہ سے ژولیاں کو اس سے ڈر لگ رہا تھا۔ اس کی نظر میں یہ لباس پیرس کا پیش خیمہ تھا۔ اس کا پندار یہ طے کر چکا تھا کہ کوئی بات محض اتفاق یا فوری اُپج کے سہارے نہیں چھوڑی جائے گی۔ فوکے کے اعترافات اور انجیل میں محبت کے متعلق جو کچھ پڑھا تھا اس سے

استفادہ کرتے ہوئے ژولیاں نے پوری تفصیلات کے ساتھ حملے کا نقشہ تیار کر لیا حالانکہ اسے یہ بات تسلیم تو نہیں تھی مگر وہ بے انتہا مضطرب تھا۔ چنانچہ اس نے یہ ساری تجویزیں لکھ کے رکھ لیں۔

اگلے دن صبح کو مادام ورینال دیوان خانے میں دم بھر کو اس کے ساتھ اکیلی رہ گئی

"تمہارا ژولیاں کے علاوہ بھی کوئی اور نام ہے؟" اس نے پوچھا۔

ہمارے ہیرو کی سمجھ ہی میں نہ آیا کہ ایسے خوش آئند سوال کا کیا جواب دے۔ اس نے جو نقشہ مرتب کیا تھا اس میں ایسے واقعے کا کوئی خیال ہی نہ رکھا تھا۔ اگر اس سے نقشہ تیار کرنے کی حماقت سرزد نہ ہوئی ہوتی، تو اس کی حاضر دماغی فوراً آڑے آتی، بلکہ اسے جو بات سوجھتی وہ اس کے تحیّر کی وجہ سے اور چمک اُٹھتی۔

وہ کچھ بوکھلا سا گیا بلکہ اس نے اپنی بوکھلاہٹ کو اور بڑھا چڑھا کے دکھایا۔ مگر مادام ورینال نے یہ بات فوراً نظر انداز کر دی۔ اس میں اُسے ایک دلفریب بھولے پن کے آثار دکھائی دیئے اور مادام ورینال کو اس شخص میں جو یوں بڑا ذہین سمجھا جاتا تھا۔ بس ایک بھولے پن کی ہی کمی معلوم ہوتی تھی۔

"مجھے تمہارے اتالیق کا ذرا بھی اعتبار نہیں"۔ مادام دروِیل نے کئی دفعہ اس سے کہا۔ "وہ ہر وقت کچھ نہ کچھ سوچتا ہی رہتا ہے۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہر کام کسی نہ کسی مصلحت سے کرتا ہو۔ واقعی بڑا چالباز ہے"۔

مادام ورینال سے جواب نہ دیا جا سکا تو ژولیاں نے اس حادثے میں اپنی بڑی تذلیل محسوس کی۔

"یہ جو زک پہنچی ہے تو مجھ جیسے آدمی کا فرضِ منصبی ہے کہ اس کی تلافی کروں"۔ اور

جب مادام ورینال ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں جا رہی تھی تو اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ژولیاں نے وہی کیا جسے اپنا فرضِ منصبی سمجھتا تھا، یعنی اُسے چوم لیا۔

اس سے زیادہ نا موزوں، دونوں کے لئے اس سے زیادہ ناخوشگوار، اس سے زیادہ ناعاقبت اندیشانہ بات کوئی اور نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ پکڑے جانے سے بال بال بچے۔ مادام ورینال سمجھی اس کا دماغ چل گیا ہے۔ وہ سہم سی گئی اور صدمہ اس سے بھی زیادہ ہوا۔ اس حماقت پر اُسے موسیو والنو یاد آ گیا۔

وہ اپنے دل میں سوچنے لگی ــــ "اگر میں اس کے ساتھ اکیلی رہ جاؤں۔ تو میرا کیا حشر ہو؟" اس کی ساری پاکبازی واپس آ گئی۔ کیونکہ اس وقت اس کی محبت کو گہن لگ رہا تھا۔

اس نے کچھ ایسا بندوبست کر لیا کہ اس کا ایک بچہ ہر وقت اس کے ساتھ رہے۔

ژولیاں کا دن بڑی اکتاہٹ میں بسر ہوا۔ اس نے مادام ورینال کو اپنے بس میں لانے کی جو تجویزیں سوچی تھیں۔ وہ دن بھر انہیں عمل میں لانے کی بے ڈھنگی کوششیں کرتا رہا۔ وہ جب کبھی مادام ورینال کی طرف دیکھتا تو اس کی نظروں میں ایک سوال ضرور ہوتا۔ مگر وہ اتنا احمق نہیں تھا کہ یہ بھی نہ دیکھ سکے کہ اس کے دل کو مٹھی میں لانا تو درکنار وہ تو اس وقت اسے اچھا بھی نہ لگ رہا تھا۔

مادام ورینال کو ابھی تک اس بات پر تعجب ہوئے جا رہا تھا کہ وہ اتنا نادان بھی ہے اور ساتھ ہی ساتھ ایسا جری بھی۔ "ذہین اور حساس آدمی کو محبت شرمیلا اور کم ہمت بنا دیتی ہے۔ اصل میں اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے!" آخرکار وہ انتہائی

مسرت کے ساتھ اپنے دل میں بولی "کہیں یہ بات تو نہیں کہ میری رقیب نے کبھی اس سے محبت کی ہی نہ ہو"۔

دوپہر کے کھانے کے بعد مادام درینال بہتے سے گئے نائب ناظم موسیو شارکو دموژی راں سے باتیں کرنے کے لیے دیوان خانے میں آگئی۔ وہ ایک اونچے سے اڈے پر کپڑا لگا کر کچھ کاڑھ رہی تھی۔ مادام دروِیل پاس بیٹھی تھی۔ ایسی حالت میں اور ٹھیک دوپہر کی روشنی میں ہمارے ہیرو کو ایک نئی سوجھی، یعنی اس نے ٹانگ بڑھا کے مادام درینال کا خوبصورت پیر جوتے سے دبا دیا۔ اس وقت رنگیلے نائب ناظم کی نظریں بھی اس کی باریک جرابوں اور پیرس کے فیشن ایبل جوتوں پر گڑی ہوئی تھیں۔

مادام درینال کو بڑا ڈر لگا۔ اس کی قینچی، اون کا گولا، سوئیاں سب چیزیں اس کے ہاتھ سے چھوٹ کے گر پڑیں۔ چنانچہ ژولیاں کی اس حرکت نے بالکل نئے معنی پہن لیے، اور اب یہ معلوم ہونے لگا کہ اس نے قینچی کو پھسلتے دیکھ لیا تھا اور وہ اسے روکنے کے لیے ایسے بے ڈھنگے پن سے اٹھا تھا۔ خوش قسمتی سے انگریزی لوہے کی یہ قینچی بھی ٹوٹ گئی اور مادام درینال نے بار بار یہ افسوس ظاہر کیا کہ ژولیاں اور قریب نہ ہوا۔

"آپ نے مجھ سے پہلے قینچی کو گرتے دیکھ لیا تھا۔ آپ قریب ہوتے تو اسے جلدی سے لپک لیتے۔ اب تو آپ نے اپنے جوش میں میرا پیر کچل کے رکھ دیا۔"

اس اداکاری سے نائب ناظم تو دھوکا کھا گیا۔ مگر مادام دروِیل فریب میں نہ آئی۔ "یہ خوبصورت نوجوان بڑا بدتمیز ہے!" اس نے دل میں سوچا۔ کسی صوبائی دارالحکومت

کا فلسفۂ حیات اس قسم کی غلطیوں کو معاف نہیں کر سکتا۔ مادام ورینال نے موقع پاتے ہی ژولیاں سے کہا۔

"ذرا احتیاط سے کام لو۔ یہ میرا حکم ہے"۔

ژولیاں نے دل میں تسلیم کیا کہ واقعی میں نے بڑی بے ڈول بات کی ہے، اور وہ چڑ سا گیا۔ بہت دیر تک وہ اپنے آپ سے اسی بات پر الجھتا رہا کہ اس لفظ "حکم" کا بُرا مانوں یا نہ مانوں۔ وہ اتنا بے وقوف تھا کہ دل میں بولا۔ "اگر بچوں کی تعلیم سے متعلق کوئی بات ہو تو وہ مجھے ضرور حکم دے سکتی ہے۔ لیکن میری محبت کا جواب دے کر اس معاملے میں اس نے برابری منظور کر لی۔

"برابری کے بغیر محبت کیسے چل سکتی ہے"؟ اور وہ برابری کے موضوع پر پیش پا افتادہ فقرے گھڑنے میں لگ گیا۔ اس نے غصّے میں آ کے کورنے ای کا وہ شعر دُہرایا جو دو چار دن ہوئے مادام درویل نے اسے یاد کرایا تھا۔

"محبت برابری کی جستجو نہیں کرتی۔ خود پیدا کر لیتی ہے"۔

ژولیاں کو ضد تھی کہ میں ڈون جوآن بن کے رہوں گا۔ اس شخص نے جسے عمر بھر کوئی محبوبہ نہیں ملی تھی باقی دن بڑی بے کیفی میں گزارا۔ اس نے بات تو بس ایک ہی معقول سوچی۔ وہ اپنے آپ اور مادام ورینال دونوں سے اکتا گیا تھا۔ یہ دیکھ کر وہ سہم سا گیا کہ اب رات آ رہی ہے اور مجھے باغ میں مادام ورینال کے ساتھ اندھیرے میں بیٹھنا پڑے گا۔ اس نے موسیو ورینال سے کہا کہ میں پادری صاحب سے ملنے ویریئر جا رہا ہوں۔ کھانے کے بعد وہ روانہ ہو گیا اور بہت رات گئے واپس آیا۔

ویریئر پہنچ کے ژولیاں نے دیکھا کہ موسیو شیلاں سامان باندھ رہا ہے۔ آخر اسے

برطرف کر دیا گیا تھا، اور اس کی جگہ ماسلوں کا تقرر ہوا تھا۔ ژولیاں نے بچارے پادری کا ہاتھ بٹایا اور اسے خیال آیا فوکے کو خط لکھ دوں کہ پہلے تو اس مقدس پیشے کی طرف میرا دل اس بری طرح کھینچ رہا تھا کہ میں نے تمہاری تجویز منظور نہیں کی، لیکن اب ناانصافی کی ایسی مثال دیکھ کر تو یہ خیال ہوتا ہے کہ میں پادری نہ بنوں تو زیادہ اچھا ہے۔

ژولیاں نے اپنی ہوشیاری کی داد دی کہ میں نے پادری کی برطرفی سے فائدہ اٹھایا اور اپنے لئے ایک دروازہ کھلا رکھا تاکہ اگر میرے دل میں عاقبت بینی کا خیال دلاوری کے جذبے پر غالب آجائے تو میں تجارت میں لگ سکوں۔

پندرھواں باب

گگڑوں گوں

لاطینی میں محبت کے لئے جو لفظ ہے اس سے یہ معنی نکلتے ہیں کہ محبت کا نتیجہ موت ہے۔ مگر موت سے پہلے ایک تو فکر ہی آدمی کو کھا جاتی ہے۔ پھر رنج و غم ہے، رونا دھونا ہے، طرح طرح کی محرومیاں ہیں، غلط کاریاں ہیں، افسوس اور ندامت ہے۔

ایک پرانی فرانسیسی نظم

حالانکہ تزولیاں مفت میں اپنے آپ کو بڑا دانا و بینا سمجھتا تھا لیکن اس میں ذرا سی بھی عقل و فہم ہوتی تو اس کے ویرئیر چلے جانے کا جو اثر ہوا تھا۔ وہ اگلے دن اس پر بڑا خوش ہوتا۔ اس کی غیر موجودگی نے اس کے بے ڈھنگے پن کی یاد دل سے محو کر دی تھی۔ آج بھی دن بھر اس کا منہ سوجا رہا۔ رات ہونے کو آئی تو اسے ایک عجب مضحکہ خیز بات سوجھی اور اس نے بڑی ڈھٹائی سے کام لیتے ہوئے مادام درینال سے بات کہہ بھی دی۔

وہ جا کے باغ میں بیٹھے ہی تھے کہ اس نے اندھیرا ہونے کا بھی انتظار نہ کیا اور نہ یہ سوچا کہ اگر کسی نے دیکھ لیا تو مادام درینال کی کیسی رسوائی ہوگی؟ بس فوراً اس کے

کان سے منہ لگا کے بولا۔

"مادام، آج رات کو دو بجے میں آپ کے کمرے میں آؤں گا۔ مجھے آپ سے ایک ضروری بات کہنی ہے۔"

ژولیاں اس ڈر سے کانپ رہا تھا کہ کہیں میری درخواست منظور ہی نہ ہو جائے۔ مادام درینال کو پھانسنے کا فریضہ اسے ایک بارِ گراں معلوم ہو رہا تھا کہ اگر اس کا بس چلتا تو وہ جا کے کئی دن کے لئے اپنے کمرے میں بند ہو جاتا اور پھر ان عورتوں کی طرف نظر تک نہ اٹھاتا۔ وہ سمجھ گیا کہ پرسوں جتنی امیدیں بندھی تھیں وہ کل کی ترکیب بازی سے خاک میں مل گئیں۔ اب وہ حیران تھا کہ کروں تو کیا۔

ژولیاں کی اس بیہودہ اور جسارت آمیز تجویز کا جواب مادام درینال نے سچ مچ غصے کے ساتھ دیا جس میں نام کو مبالغہ نہ تھا۔ اسے خیال ہوا کہ مادام درینال کے مختصر سے جواب میں حقارت کی بو آتی ہے۔ اتنی بات تو یقینی تھی کہ اس جواب میں جو بہت ہی دھیمی آواز میں دیا گیا تھا "چھی" کا لفظ ضرور شامل تھا۔ بچوں سے کچھ کہنے کا بہانہ کر کے ژولیاں ان کے کمرے میں چل دیا اور جب واپس آیا تو مادام درویل کے قریب اور مادام درینال سے دور بیٹھا۔ چنانچہ اس نے یہ امکان ہی باقی نہ رہنے دیا کہ مادام درینال کا ہاتھ پکڑنے کو جی چاہے۔ اب سنجیدہ باتیں ہونے لگیں۔ دو ایک دفعہ تو ضرور ایسا ہوا کہ خاموشی طاری ہو گئی اور اسے اپنا دماغ کھرچنا پڑا۔ مگر ویسے وہ میدان میں ڈٹا ہی رہا۔ وہ دل میں سوچ رہا تھا ـــــ "کوئی ایسی عمدہ ترکیب سمجھ میں کیوں نہیں آتی۔ جس سے مادام درینال التفات کی وہی واضح نشانیاں ظاہر کرنے پر مجبور ہو جائے۔ جن کی وجہ سے تین دن ہوئے میں نے سوچا تھا کہ اب یہ میری ہو گئی!"

حالات ایسے مایوس کُن ہو گئے تھے کہ ژرولیاں جہنم میں پڑ گیا۔ لیکن اس کے باوجود اگر اُسے کسی بات سے پریشانی ہوتی تو کامیابی سے۔

آدھی رات کو صحبت برخواست ہوئی تو یاس پرستی کے سبب اسے پورا یقین ہو گیا کہ مادام ورنیل مجھے حقارت کی نظروں سے دیکھتی ہے اور شاید مادام ورنیال کے دل میں بھی میری کچھ ایسی وقعت نہیں ہے۔

ژرولیاں چڑچڑا ہو رہا تھا اور اپنی سخت تذلیل محسوس کر رہا تھا۔ چنانچہ اسے نیند ہی نہ آئی۔ لیکن وہ اس پر اب بھی راضی نہ تھا کہ اپنی ساری بناوٹی باتیں، اپنی ساری تجویزیں ترک کر دے، اور اطمینان سے مادام ورنیال کے ساتھ زندگی گزارے، روز جتنی خوشی حاصل ہو۔ اسی میں خوش رہے۔

اس نے طرح طرح کے داؤ گھات سوچتے سوچتے اپنے آپ کو تھکا مارا، لیکن دم بھر بعد ہر ترکیب مہمل ہونے لگتی۔ مختصر یہ کہ جب گھنٹہ گھر نے دو بجائے تو اس کی حالت غیر ہو چکی تھی۔

یہ آواز سن کر وہ چوکنا ہو گیا جیسے مرغ کی بانگ سن کر سینٹ پیٹر بیدار ہو گئے تھے اس نے دیکھا کہ اس انتہائی تکلیف دہ واقعے کی گھڑی آ پہنچی۔ وہ بے ہودہ تجویز پیش کرنے کے بعد سے لے کر اب تک اُسے ایک دفعہ بھی اس بات کا خیال نہیں آیا تھا۔ اسے جھڑکی ہی ایسی ملی تھی!

"میں نے اس سے کہا تھا کہ میں دو بجے تمہارے پاس آؤں گا" وہ اٹھتے ہوئے دل میں بولا۔ "میں ناتجربہ کار سہی، ناشائستہ سہی، کسان کا بیٹا اور ہو بھی کیا سکتا ہے؟ مادام ورنیل نے یہ بات اچھی طرح سمجھا دی ہے، لیکن بہر حال میں کمزوری نہیں

دکھاؤں گا۔"

ژولیاں کو اپنی ہمت کی داد دینے کا پورا حق تھا۔ اس سے زیادہ سخت مہم کا ذمہ اس نے کبھی نہیں لیا تھا۔ اس نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تو اس پر ایسا لرزہ طاری ہوا کہ گھٹنے جھول گئے اور اسے دیوار کا سہارا لینا پڑا۔

وہ ننگے پیر تھا۔ اس نے موسیو درینال کے دروازے پر جا کے کان لگئے۔ اندر سے خراٹوں کی آواز آرہی تھی۔ اس کا دل بیٹھنے لگا۔ اب مادام درینال کے پاس نہ جانے کا کوئی بہانہ باقی نہ رہا تھا۔ لیکن یا اللہ! وہاں پہنچنے کے بعد وہ کرے گا کیا؟ اس نے پہلے سے کوئی بات سوچی ہی نہ تھی اور اگر سوچی بھی ہوتی تو وہ ایسی چقلپش کے عالم میں تھا کہ اسے عمل میں لانے کا ہوش ہی نہ رہتا۔

اس وقت اُسے ایسی اذیت ہو رہی تھی کہ پھانسی کے تختے پر چڑھنے کے لیے جانے میں بھی نہ ہوتی۔ آخر کار وہ اس برآمدے میں جا پہنچا۔ جہاں سے مادام درینال کے کمرے کی طرف راستہ تھا۔ اس نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے دروازہ کھولا جس سے بڑا شور ہوا۔

کمرے میں روشنی تھی۔ آتش دان میں ایک مدھم سا چراغ جل رہا تھا۔ اس نئی مصیبت کی اسے ذرا بھی امید نہیں تھی۔ اسے اندر آتے دیکھ کر مادام درینال ایک دم بستر سے اچھل پڑی۔ "بدبخت!" وہ چیخ کے بولی۔ تھوڑی سی گڑبڑ ہوئی۔ ژولیاں اپنی ساری مہمل تجویزیں بھول گیا اور وہی اصلی ژولیاں بن گیا۔ اس سے بڑی بدنصیبی اُس کے لیے اور کیا ہو سکتی تھی کہ ایک حسین عورت اسے پسند نہ کرے۔ اس کی لعنت ملامت کا ژولیاں نے بس اتنا جواب دیا کہ اس کے قدموں پہ گر پڑا اور گھٹنوں کے گرد

باہیں ڈال دیں۔ مادام دریناّل نے اور سختی سے ڈانٹا تو وہ پھوٹ پھوٹ کے رونے لگا۔

چند گھنٹے بعد ژولیاں مادام دریناّل کے کمرے سے نکلا تو افسانوی رنگ میں کہہ سکتے ہیں کہ اس کا کوئی ارمان ایسا نہ تھا جو پورا نہ ہوگیا ہو۔ دراصل یہ کامرانی دو باتوں کی مرہونِ منت تھی۔ ایک تو مادام دریناّل اُسے دل دے بیٹھی تھی۔ دوسرے خود ژولیاں کو اس کی من موہنی چھب ایسی بھائی کہ وہ بے قابو ہوگیا۔ ورنہ اس معاملے میں اُس کی بے ہنگم ہنرمندی ذرا کام نہ آتی۔

لیکن ان سرور انگیز لمحات میں بھی اس کے منحوس پندار نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ وہ اب بھی یہی دکھانے کی کوشش کرتا رہا کہ عورتوں کو بس میں لانا تو میرا روز کا کھیل ہے۔ اس کی ساری محنت اسی پر صرف ہورہی تھی کہ اس میں جو باتیں پسند آنے کے لائق ہیں وہ بھی ناپسندیدہ بن جائیں۔ اس نے مادام دریناّل کے دل میں کیف وسرور کا جو طوفان برپا کردیا تھا اور جس ندامت نے اس طوفان کی تیزی اور بڑھا دی تھی، اس پر غور کرنے کے بجائے اُسے تو بس اپنے فریضے کا خیال لگا ہوا تھا۔ اسے تو یہ ڈر کھائے جارہا تھا کہ میں نے اپنے لئے جو لائحۂ عمل مرتب کیا ہے اگر میں اس سے ہٹ گیا تو مجھے سخت ندامت ہوگی اور ہمیشہ کے لئے خود اپنی نظروں میں مضحکہ خیز بن کے رہ جاؤں گا۔ مختصر یہ کہ جس چیز نے ژولیاں کی ہستی کو بلندی عطا کی تھی اسے وہی چیز اس خوشی کا لطف اٹھانے سے روک رہی تھی جو اس کے قدموں میں آگری تھی۔ ژولیاں کا حال سولہ سال کی اس لڑکی کا سا تھا جس کا رنگ نہایت دلفریب ہو، مگر جو اتنی احمق ہو کہ ناچ میں جانے سے پہلے سُرخی لگائے۔

ژولیاں کی شکل دیکھتے ہی ڈر کے مارے مادام دریناّل کا دم نکلنے لگا تھا اور

طرح طرح کے ہولناک اندیشوں نے اُسے گھیر لیا تھا۔ ژولیاں کے آنسو اور اس کی مایوسی دیکھ کر بچاری کو بڑا دُکھ ہوا۔

جب کوئی ایسی چیز باقی ہی نہ رہی جسے ژولیاں کو بخشنے سے انکار کر سکے تو مادام دریناآل نے واقعی غصّے کے ساتھ اسے دھکا دے کر پیچھے ہٹا دیا، اور پھر اُس کے بازوؤں میں گر پڑی۔ ان دونوں حرکتوں میں کوئی بھی مقصد نظر نہ آتا تھا۔ اُسے یقین ہو گیا کہ اب میں ابدی لعنت میں گرفتار ہوں اور میری کبھی بھی نجات نہیں ہوسکتی۔ جہنم کے تصوّر کو اپنی نظروں سے دُور ہٹانے کے لئے اس نے ژولیاں کو بڑی گرم جوشی سے پیار کرنا شروع کر دیا۔ غرض یہ کہ اگر ہمارے ہیرو میں خوشی کا لطف اٹھانے کی صلاحیت ہوتی تو اس کی مسرّت کی تکمیل میں کوئی بھی کسر باقی نہیں رہی تھی۔ یہاں تک کہ جس عورت کو اس نے ابھی زیر کیا تھا اس میں آتشیں احساسات بھی موجود تھے۔ ژولیاں کے چلے جانے کے بعد بھی کیف و سرور کے اس ہیجان میں کوئی کمی نہیں آئی۔ جس نے رو کتے رو کتے بھی مادام دریناآل کو ہلا کے رکھ دیا تھا، نہ تاسّف اور ندامت کے خلاف اس کی کشمکش بند ہوئی جو اس کے ٹکڑے اڑائے دے رہی تھی۔

"خدایا! خوشی اور محبّت کے معنی کیا بس یہی ہیں؟" ژولیاں اپنے کمرے میں واپس آیا تو اس نے پہلی بات یہ سوچی۔ آدمی کو وہ چیز ابھی ملی ہو۔ جس کی مدّت سے تمنا تھی۔ تو اس کا دل حیرت، اضطراب اور اندیشوں میں کھو جاتا ہے۔ ژولیاں کی بھی یہی کیفیت ہو رہی تھی۔ ایسے وقت ہوتا یہ ہے کہ دل کو تمنا کی تو عادت پڑ چکی ہے، مگر اب کوئی چیز ایسی رہتی نہیں جس کی تمنا کی جائے اور سہارے کے لئے ابھی یادیں بھی موجود نہیں ہوتیں۔

قواعد سے واپس آنے والے سپاہی کی طرح تزولیاں بالتفصیل اپنی ساری کارروائی کا جائزہ لینے میں مشغول تھا۔" میرے اوپر اپنی طرف سے جو فرائض عائد ہوتے ہیں۔ اُن میں سے کوئی ایسا تو نہیں رہا جو ادا نہ ہوا ہو ؟ میں نے اپنا فریضہ ٹھیک طرح سرانجام دیا نا ؟"

اور فریضہ بھی کیا ! اس آدمی کا فریضہ جسے عورتوں کے سامنے اپنی چمک دمک دکھانے کی عادت ہو۔

سولھواں باب

اگلا دن

اس نے اپنے ہونٹ اس کے ہونٹوں سے لگا دیئے، اور اس کے پریشان بالوں کے لچھے ہاتھ سے ٹھیک کیئے۔

بائرن

ژولیاں کے پندار کے لئے اچھا ہی ہوا کہ مادام رینال بڑی حیران و ششدر تھی اور اس کے دماغ میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ چنانچہ اسے اس شخص کی حماقت اور خود پسندی کا ذرا بھی اندازہ نہ ہوا جو ایک لمحے کے اندر اس کا سرمایۂ حیات بن گیا تھا۔

پو پھٹتے دیکھ کر وہ اس کی خوشامدیں کرنے لگی کہ اب چلے جاؤ، اور بولی "خدایا! اگر میرے شوہر نے آواز سن لی ہے تو میں کہیں کی نہ رہوں گی۔"

ژولیاں کو پھڑکتے ہوئے فقرے گھڑنے کی پوری فرصت تھی۔ اسے بڑے موقعے سے ایک بات سوجھی۔

"کیا اب تمہیں افسوس ہوگا کہ دنیا میں کیوں آئیں؟"

"ہاں، اس وقت تو ہو رہا ہے، مگر تم سے ملنے کا کبھی افسوس نہیں ہوگا۔"

ژولیاں نے سوچا کہ میرے وقار کا یہی تقاضا ہے کہ ٹھیٹ دن کی روشنی میں یہاں سے واپس جاؤں اور جان بوجھ کر ذرا بھی احتیاط نہ برتوں۔

اس کے دل میں یہ مجنونانہ خیال بیٹھ گیا تھا کہ میں تجربے کار آدمی نظر آؤں۔ چنانچہ وہ مستقل اپنی ایک ایک حرکت کا بڑے غور سے مشاہدہ کر رہا تھا۔ اس کا ایک فائدہ بھی ہوا۔ جب وہ دوپہر کو کھانے کے وقت مادام ورینال سے ملا تو اس کا برتاؤ احتیاط اور دور اندیشی کا شاہکار ثابت ہوا۔

رہی مادام ورینال تو وہ اس کی طرف نظر اٹھاتے ہی شرم کے مارے سُرخ ہو جاتی تھی۔ مگر ایک لمحے کے لئے بھی اُسے دیکھے بغیر نہ رہا جاتا تھا۔ اُسے احساس ہوا کہ میں بڑی پراگندہ خاطر ہو رہی ہوں اور وہ اسے چھپانے کی جان توڑ کوششیں کرنے لگی۔ ژولیاں نے صرف ایک دفعہ اس سے نظریں ملائیں۔ پہلے تو مادام ورینال کو اس کی احتیاط بڑی پسند آئی۔ لیکن پھر جو دیکھا کہ ژولیاں کی نگاہیں ایک دفعہ کے بعد اب اوپر اٹھتی ہی نہیں تو اسے ڈر لگنے لگا۔ اس نے دل میں سوچا — "کہیں اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ اب اسے مجھ سے محبت نہیں رہی۔ افسوس، میں اس کے لئے بہت بڑی ہوں۔ اس سے میری عمر دس سال زیادہ ہے۔"

کھانے کے کمرے سے باغ میں جاتے ہوئے اس نے ژولیاں کا ہاتھ دبا دیا۔ محبت کے ایسے غیر معمولی اظہار پر ژولیاں کو بڑا تعجب ہوا اور اس نے پیار بھری نظروں سے مادام ورینال کی طرف دیکھا، کیونکہ کھانے کے دوران میں وہ اسے بڑی

خوبصورت لگی تھی اور نگاہیں اوپر اٹھائے بغیر وہ اس کی دل فریبیوں کا شمار کرتا رہا تھا۔ اس نگاہ سے مادام درینال کو بڑی تسکین ملی۔ اس سے اس کی بے چینی تو دور نہیں ہوئی، مگر اس بے چینی کی وجہ سے وہ پشیمانی کا احساس قریب قریب ختم ہو گیا۔ جو شوہر کا خیال آتے ہی اس کے دل میں پیدا ہو جاتا تھا۔

کھانے کے وقت شوہر نے کچھ دیکھا ہی نہ تھا۔ مگر مادام درویل کی بات الگ تھی۔ اسے ڈر لگ رہا تھا کہ بس اب مادام درینال مغلوب ہونے ہی والی ہے۔ اپنی دوستی کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے جرأت سے کام لینا پڑا بلکہ دو چار دل میں چبھنے والی باتیں بھی کہہ گئی۔ وہ دن بھر اشاروں ہی اشاروں میں مادام درینال کو سمجھاتی رہی کہ تم کیسے ہولناک خطرے کے منہ میں جا رہی ہو۔

مادام درینال کے دل کو یہ لگی ہوئی تھی کہ کسی طرح ژولیاں کے ساتھ تخلئے کا موقع ملے۔ وہ اس سے پوچھنا چاہتی تھی کہ تمہیں مجھ سے اب بھی محبت ہے یا نہیں۔ اپنی مستقل نرم مزاجی کے باوجود کئی دفعہ وہ اپنی سہیلی کو یہ بات بتاتے بتاتے رک گئی کہ وہ خواہ مخواہ دخل در معقولات کر رہی تھی۔

اس روز شام کو مادام درویل نے باغ میں کچھ ایسا ڈول ڈالا کہ وہ مادام درینال اور ژولیاں کے درمیان بیٹھی نظر آئی۔ مادام درینال اس تصور میں مگن تھی کہ ژولیاں کا ہاتھ دباؤں گی اور چوموں گی، لیکن وہ اس سے بات تک نہ کر سکی۔

اس سانحے سے اس کا ہیجان اور بڑھ گیا۔ پھر ایک اور پشیمانی بھی اس کا کلیجہ چاٹ رہی تھی۔ ژولیاں نے کل رات جو اس کے کمرے میں آنے کی حماقت کی تھی۔ اس پر مادام درینال نے اسے اتنا ڈانٹا تھا کہ اب وہ لرز رہی تھی کہیں ایسا نہ ہو آج

رات وہ آئے ہی نہ۔ آج وہ باغ سے سویرے ہی اٹھ گئی اور اپنے کمرے میں جا کے انتظار کرنے لگی۔ لیکن بے چینی کے مارے اس سے صبر نہ ہو سکا۔ وہ اٹھی اور جا کے ژولیاں کے دروازے سے کان لگا دیئے۔ ایک طرف محبت، دوسری طرف اندیشہ اس کی جان گھلائے دے رہا تھا۔ مگر اس کے باوجود اُسے اندر جانے کی ہمت نہ ہوتی۔ یہ حرکت اسے نیچ پن کی انتہا معلوم ہوئی۔ کیونکہ ایک دیہاتی کہاوت اسی موضوع پر ہے۔

ابھی سارے ملازم نہیں سوئے تھے۔ آخر دور اندیشی سے مجبور ہو کر وہ اپنے کمرے میں لوٹ آئی۔ انتظار کے دو گھنٹے اسے اذیت کی دو صدیوں کے برابر معلوم ہوئے۔

لیکن ژولیاں جس چیز کو اپنا فریضہ کہتا تھا۔ اُس کا ایسا سچا پرستار تھا کہ اپنے مرتب کئے ہوئے نقشے کی ذرا سی تفصیل پر بھی عمل نہ کرنا اسے گوارا نہ تھا۔

جب ایک بجا تو وہ دبے پاؤں اپنے کمرے سے نکلا، یہ دیکھا کہ گھر کا مالک جاگ تو نہیں رہا اور مادام ورینال کے سامنے آ موجود ہوا۔ اس مرتبہ اُسے اپنی محبوبہ کے ساتھ زیادہ خوشی حاصل ہوئی۔ کیونکہ اب اسے اپنے فریضے کا اتنا خیال نہیں آ رہا تھا۔ اب اس کی آنکھیں دیکھ بھی رہی تھیں اور اس کے کان سن بھی رہے تھے۔ مادام ورینال نے اپنی عمر کا ذکر چھیڑا تو اس سے بھی اس کی خود اعتمادی میں تھوڑا سا اضافہ ہوا۔

"افسوس، میں تم سے دس سال بڑی ہوں! بھلا تمہیں مجھ سے کیسے محبت ہو سکتی ہے۔"

اس نے بغیر کسی مقصد کے بار بار یہی بات کہی۔ کیونکہ اسے یہ خیال تنگ کئے چلا جا رہا تھا۔

ژولیاں کو اس دکھ کا صحیح اندازہ نہ ہو سکا، مگر اتنی بات سمجھ گیا کہ یہ دکھ ہے حقیقی، اور

اس کے دل سے مضحکہ خیز لگنے کا سارا ڈر نکل گیا۔

اُسے خوف تھا کہ مجھے تابعدار عاشق اور محبوبہ کے حکم کا غلام سمجھا جائے گا۔ اب یہ احمقانہ خیال بھی دل سے دور ہو گیا۔ اس کی گرم جوشیوں سے ثر سلی محبوبہ کا اعتماد جیسے جیسے بڑھتا گیا، ویسے ہی ویسے اس کی گم شدہ خوشی اور اپنے عاشق کو جانچنے کی صلاحیت بھی واپس آتی گئی۔ خوش قسمتی سے آج ثر ولیاں میں وہ بناوٹی انداز موجود نہیں تھا جس نے کل رات کی ملاقات کو کامرانی میں تو بدل دیا تھا مگر لذت نہیں حاصل ہونے دی تھی۔ اگر کہیں وہ یہ دیکھ لیتی کہ ثر ولیاں کو ایک فریضہ ادا کرنے کی دھن سوار ہے تو اس تکلیف دہ انکشاف کے بعد پھر کبھی خوشی اس کے پاس تک نہ پھٹکتی۔ وہ اسے عمر کے اختلاف کا افسوسناک نتیجہ سمجھتی۔ اس کے علاوہ اسے اور کچھ نظر نہ آتا۔

گو مادام دریناآل نے محبت کے نظریوں پر کبھی غور نہ کیا تھا لیکن محبت کا ذکر چھڑے تو روپیہ پیسے کے فرق کے بعد عمر کا اختلاف تصباتی ظرافت کا نشانہ ضرور بنتا ہے۔

دو چار دن کے اندر ثر ولیاں میں جوانی کا وفور پیدا ہو گیا، اور محبت نے اسے دیوانہ بنا دیا۔

وہ دل میں بولا ”اتنی بات تو ماننی پڑے گی کہ اس کا دل فرشتوں کی طرح نرم ہے اور اس سے خوبصورت تو کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی۔“

اب وہ فریضہ ادا کرنے کی بات قریب قریب بھول چکا تھا۔ ایک خود فراموشی کے لمحے میں اس نے اپنی ساری پریشانیوں کا حال بھی اسے سنا ڈالا۔ مادام دریناآل تو اسے پہلے ہی دیوانہ وار چاہتی تھی۔ اب یہ راز کی باتیں سننے کے بعد تو اس کی محبت معراج کو

پہنچ گئی۔ وہ مسرور ہو کے دل میں بولی — "تو یعنی میری کوئی خوش قسمت رقیب موجود نہیں ہے۔" ایک دن اس نے ہمت کر کے ژولیاں سے اس تصویر کے متعلق بھی پوچھ لیا۔ جس کے بارے میں وہ اتنا بے چین ہو گیا تھا۔ ژولیاں نے قسم کھا کے بتایا کہ وہ تصویر تو ایک مرد کی تھی۔

جب مادام درینال کے جذبات اتنے ٹھنڈے پڑ گئے کہ وہ کچھ سوچ سمجھ سکے تب بھی اس کی یہ حیرت دور نہ ہوئی کہ دنیا میں ایسی خوشی بھی میسر آسکتی ہے اور مجھے آج تک اس کی خبر ہی نہ تھی۔

"آہ!" وہ اپنے دل میں کہنے لگی "کاش کہ ژولیاں مجھے دس سال پہلے ملا ہوتا۔ جب میرا بھی شمار حسینوں میں ہو سکتا تھا!"

ژولیاں ایسے خیالات سے کوسوں دور تھا۔ اس کی محبت اب بھی جاہ طلبی کی بنیاد پر قائم تھی۔ اس کی خوشی کا راز یہ تھا کہ ایسا غریب، بدنصیب اور حقیر ہونے کے باوجود ایک رئیس اور حسین عورت اس کے قبضے میں آگئی تھی۔ ژولیاں کی حرکتوں سے ایسا معلوم ہوتا جیسے وہ مادام درینال کی پرستش کرتا ہے۔ اپنی محبوبہ کے حسن کی لطافتوں پر اسے وجد آنے لگتا۔ یہ باتیں دیکھ دیکھ کر مادام درینال کو عمر کے اختلاف کے سلسلے میں کچھ اطمینان سا ہو گیا۔ اگر اس میں تھوڑی بہت دنیا کی ویسی سمجھ ہوتی جیسی زیادہ مہذب علاقوں میں تیس سال کی عورت میں بہت پہلے سے پیدا ہو جاتی ہے تو وہ اس خیال سے لرزنے لگتی کہ بھلا ایسی محبت کتنے دن چل سکتی ہے جو اتفاق، استعجاب اور خود پرستی کی تحریک کے سہارے زندہ ہو۔

جب وہ اپنی جاہ طلبی کو بھول جاتا تو ژولیاں، مادام درینال کی ایک ایک چیز

یہاں تک کہ اس کی ٹوپیوں اور لباسوں کو بھی دیکھ دیکھ کے سر دُھنتا۔ وہ ان کی خوشبو سونگھتے سونگھتے نہ تھکتا۔ وہ اس کے کپڑوں کی الماری کھول کے گھنٹوں سامنے کھڑا رہتا۔ اور ہر چیز کی خوبصورتی اور سلیقہ دیکھ کر عش عش کرتا رہتا۔ اس کی محبوبہ اس کے کندھے پر جھک کر اسے تکتی، اور وہ خود اُن زیوروں اور رنگ برنگے کپڑوں کو تکتا جو شادی کے دن جہیز میں رکھے جاتے ہیں۔

"یہ بھی ہو سکتا تھا کہ میری شادی اُس جیسے آدمی سے ہوتی!" مادام درینال بعض دفعہ سوچا کرتی "اس کی رُوح میں کیسی آگ بھری ہوئی ہے! اس کے ساتھ کیسے سرور کی زندگی گزرتی!"

رہا ژولیاں، تو وہ نسائی اسلحہ خانے کے ان خوفناک ہتھیاروں کے اتنے قریب پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔ وہ دل میں کہتا تھا۔ "پیرس میں اس سے زیادہ نفیس کیا چیز ہو گی!" اس کے بعد اسے اپنی خوشی پر بھی کوئی اعتراض باقی نہیں رہا۔ اکثر اپنی محبوبہ کے دل میں تحسین کا پُرخلوص جذبہ اور اس کی محبت کا وفور دیکھ کر وہ اس احمقانہ نظریئے کو یکسر بھول جاتا جس کی وجہ سے وہ اپنی اس قربت کے ابتدائی لمحوں میں رُکا رُکا سا اور مضحکہ خیز بن کے رہ گیا تھا۔ ایسے لمحے بھی آتے جب اپنی ریاکارانہ عادتوں کے باوجود اس بلند مرتبہ خاتون کے سامنے جو اس کو تحسین کی نظروں سے دیکھتی تھی، یہ بات صاف صاف تسلیم کر لینے میں اسے بڑا مزا ملتا تھا کہ میں بہت سے چھوٹے موٹے آداب سے واقف ہی نہیں ہوں۔ کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی محبوبہ کے رتبے نے اسے خود اپنے آپ سے بلند کر دیا تھا۔ ادھر مادام درینال کو اسے بہت سی چھوٹی چھوٹی باتیں سکھانے میں بڑی اخلاقی لذت ملتی تھی۔ کیونکہ اس نوجوان میں بڑے کمالات تھے اور ہر ایک کی یہی رائے تھی کہ

ایک دن وہ بہت ترقی کرے گا۔ نائب ناظم اور موسیو وال تو تک اس کی تعریف کرتے تھے۔ چنانچہ اب وہ ان دونوں کو پہلے سے اچھا سمجھنے لگی تھی۔ رہی مادام دروبل، تو اس کی رائے ان لوگوں سے بالکل مختلف تھی۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے بات تاڑلی ہے، اور اسے جو کچھ نظر آیا۔ اس پر مادام دروبل کو بڑی مایوسی ہوئی۔ پھر اس نے دیکھا کہ یہ عورت تو واقعی اپنے ہوش وحواس گنوا بیٹھی ہے اور میرے عقلمندانہ مشورے اسے ناگوار گزرتے ہیں چنانچہ وہ کوئی سبب بتائے بغیر ورزتی سے چل دی اور کسی نے اس سے پوچھا بھی نہیں۔ مادام وریناال نے اس کی روانگی کے وقت دو چار آنسو تو ضرور بہائے، مگر تھوڑی دیر بعد ہی، اُسے محسوس ہوا کہ میری خوشی دوبالا ہو گئی ہے۔ مہمان کے رخصت ہو جانے کی وجہ سے اب وہ دن بھر ژولیاں کے ساتھ راز و نیاز میں مشغول رہ سکتی تھی۔

اگر ژولیاں زیادہ دیر اکیلا رہتا تو فوکے کی مہلک پیش کش فوراً اسے تنگ کرنے آپہنچتی۔ چنانچہ اپنی محبوبہ کی خوشگوار صحبت اب اسے اور بھی پسند آنے لگی۔ اس نئی زندگی کے ابتدائی دنوں میں ایسے لمحے بھی آئے جب اس شخص کو جس نے نہ تو کبھی محبت کی تھی اور نہ اس سے کسی کو محبت رہی تھی، پُرخلوص بننے میں اتنا مزا ملا کہ وہ مادام وریناال کے سامنے اپنی اس جاہ طلبی کا اعتراف کرتے کرتے رہ گیا جو اب تک اس کے وجود کا جوہر بنی رہی تھی۔ فوکے کی پیش کش میں اسے جو اک عجب سی ترغیب محسوس ہوتی تھی وہ اس کے بارے میں مادام وریناال کا مشورہ حاصل کرنا چاہتا تھا مگر ایک چھوٹے سے واقعے نے اس صاف گوئی کو بالکل ہی ختم کر کے رکھ دیا۔

سترھواں باب

نائبِ اوّل

آہ، محبت کی بہار بھی اپریل کے حسین اور شاندار دن کی طرح بے بنیاد ہے۔
ابھی تو خوب دھوپ کھلی ہوئی ہے، ابھی بادل آیا اور سب غائب۔
شیکسپیئر

ایک دن سورج غروب ہونے کے وقت باغیچے کے آخر میں ہر قسم کی مداخلت سے محفوظ اپنی محبوبہ کے پاس بیٹھے ہوئے وہ سرچ بچار میں غرق تھا۔ وہ دل میں کہہ رہا تھا۔ "کیا یہ حسین لمحے ہمیشہ اسی طرح چلتے رہیں گے؟" اسے فکر یہ پڑی ہوئی تھی کہ کوئی پیشہ اختیار کرنا ضروری بھی ہے اور اس میں مشکلیں بھی کتنی ہیں۔ اسے افسوس ہو رہا تھا کہ اگر آدمی کے پاس پیسہ نہ ہو تو یہ عظیم اور تکلیف دہ مسئلہ لڑکپن کا خاتمہ کر کے رکھ دیتا ہے اور جوانی کے ابتدائی سال بھی اسی کی نذر ہو جاتے ہیں۔

وہ بولا۔ "نپولین کو خدا نے دافعی فرانس کے نوجوانوں کی مدد کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ اب اس کی جگہ کون لے گا؟ اس کے بغیر وہ بچارے بدبخت کیا کریں گے۔ یعنی وہ بھی جو مجھ سے زیادہ خوش حال ہیں، جن کے پاس اچھی خاصی تعلیم حاصل کرنے کے لئے

روپیہ بھی ہے، مگر اتنا پیسہ پاس نہیں کہ بیس سال کی عمر میں رشوت دے دلاکر کسی پیشے میں داخل ہو جائیں"! اس نے ٹھنڈا سانس بھر کے کہا " خیر، چاہے جو کچھ بھی ہو، مگر یہ زہریلی یاد ہمیں کبھی چین سے نہیں بیٹھنے دے گی!"

اس نے دیکھا کہ اچانک مادام ورنیاآل کی بھنویں تن گئیں۔ اس کا انداز کچھ حقارت آمیز اور سرد مہری کا سا ہو گیا۔ اس قسم کے خیالات اسے نوکروں چاکروں کے سے معلوم ہوئے بچپن سے وہ اس خیال کی عادی ہو گئی تھی کہ میں بڑی مالدار ہوں، اور اسے یہ بات بالکل مسلمہ معلوم ہوتی تھی کہ ژولیاں بھی مالدار ہے۔ وہ اسے اپنی جان سے بھی ہزار گنا زیادہ عزیز تھا۔ اگر وہ ناشکرا یا بے وفا نکلتا۔ تب بھی وہ اس سے محبت کرتی رہتی۔ اس کی نظروں میں پیسے کے کوئی معنی نہیں تھے۔

ژولیاں کو ذرا بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ کیا سوچ رہی ہے۔ اس کی بھنویں چڑھی ہوئی دیکھ کر وہ پھر زمین پر واپس آ گیا۔ بہر حال حاضر دماغی سے کام لے کر اس نے اپنی بات کو بالکل نیا رنگ دے دیا اور جو امیر خاتون سبزے پر اس کے پاس بیٹھی تھی اس پر یہ ظاہر کیا کہ جب میں اپنے اس دوست، لکڑی کے تاجر سے ملنے گیا تھا۔ تو یہ باتیں جو میں نے کہیں وہاں کسی کے منہ سے سُنی تھیں۔ یہ بے دین لوگوں کے خیالات تھے۔

"خیر کوئی بات نہیں۔ مگر اب ایسے لوگوں سے نہ ملا کرو"۔ مادام ورنیاآل نے کہا۔ لیکن اس کے چہرے پر اس بر فیلے انداز کی نشانیاں اب تک باقی تھیں جس نے یکا یک شدید محبت کے آثار کی جگہ لے لی تھی۔

ژولیاں اب تک سہانے خوابوں میں کھویا رہا تھا۔ چڑھی ہوئی تیوریاں دیکھ کر اسے

پہلی مرتبہ ایک ٹھوکا لگا، اور اسے اپنی ناعاقبت اندیشی پر ندامت ہونے لگی۔ وہ دل میں بولا " یہ بڑی نیک اور نرم دل ہے، مجھ سے اسے لگاؤ بھی بڑا گہرا ہے۔ لیکن دشمن کے گھر پلی بڑھی ہے۔ یہ لوگ خصوصیت کے ساتھ ایسے حوصلہ مند آدمیوں سے ضرور ڈرتے ہوں گے۔ جنہوں نے تعلیم تو اچھی پائی ہو۔ مگر اتنا پیسہ پاس نہ ہو کہ کوئی پیشہ اختیار کر سکیں۔ اگر ہم لوگوں کو بھی برابر کے ہتھیاروں کے ساتھ لڑنے کا موقع ملے تو ان امیروں کا کیا حشر ہو؟ مثلاً اگر میں ویریئیر کا میئر بن جاؤں اور اتنا ہی ایماندار اور نیک نیت رہوں جتنا فی الحقیقت موسیو درینال ہے تو میں پادری اور موسیو والنو کو ان کی بدمعاشیوں کا کیسا مزا چکھاؤں! ویریئیر میں انصاف کی بادشاہت ہو ان میں جو ہنر ہیں وہ میرے راستے میں حائل نہیں ہوں گے۔ یہ لوگ ہر وقت ادھیڑبن میں لگے رہتے ہیں "۔

اس دن وہ وقت آگیا تھا کہ ژولیاں کی خوشی مستقل بن جائے۔ لیکن ہمارے ہیرو میں کوئی کمی تھی تو یہ کہ خلوص برتنے کا حوصلہ نہ تھا۔ مقابلے پر اتر آنے کے لئے اسے ہمت درکار ہوتی تھی، البتہ اگر وہ وقت کے وقت جان پر کھیل جائے تو الگ بات ہے۔ مادام درینال کو اس کی باتوں پر بڑا تعجب ہوا تھا۔ کیونکہ جن لوگوں سے اس کی ملاقات تھی۔ وہ ہمیشہ یہی کہا کرتے تھے کہ روبس پیئر کی واپسی خصوصیت کے ساتھ نچلے طبقے کے انہیں نوجوانوں کی وجہ سے ممکن ہوئی جنہیں اپنی حیثیت سے بڑھ کر تعلیم ملی تھی۔ مادام درینال کی سرد مہری کافی دیر تک قائم رہی بلکہ ژولیاں کو تو بہت نمایاں نظر آئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بدقسمتی سے ژولیاں کے منہ سے جو بات نکل گئی تھی وہ پہلے تو مادام درینال کو بڑی ناگوار گزری، پھر اسے ڈر لگا کہ کہیں نادانستہ میں نے کوئی

ایسی بات تو نہیں کہہ دی جو ژولیاں کو بُری لگی ہو۔ جب وہ خوش ہواور بیزار کُن لوگوں سے دور ہو تو اس کے چہرے پر بڑی سادگی برستی تھی۔ لیکن اس وقت اس کے پاکیزہ چہرے پر اس پریشانی کے آثار صاف نمایاں تھے۔

اب ژولیاں میں اتنی ہمت نہ رہی کہ بے فکری کے ساتھ اپنے خوابوں میں کھو جائے اسے کچھ قرار آ گیا تھا، اور محبت کا پہلا سا جوش بھی نہ رہا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ مادام ورینال کے پاس اس کے کمرے میں جانا ذرا نا عاقبت اندیشی کی بات ہے۔ اگر وہ خود اس کے پاس آئے تو بہتر ہوگا۔ اگر کسی ملازم نے اسے ادھر ادھر پھرتے دیکھا تو اس بات کے بیسیوں عذر نکل سکتے ہیں۔

لیکن اس ترکیب میں کچھ خامیاں بھی تھیں۔ فوکے نے اسے کچھ ایسی کتابیں دی تھیں جو دینیات کا طالب علم ہونے کی وجہ سے وہ خود کسی کتب فروش سے نہیں مانگ سکتا تھا۔ اسے بس رات کے وقت ہی انہیں کھولنے کی ہمت ہوتی تھی۔ اکثر تو اس کا جی چاہتا تھا کہ کسی کے آنے سے میرے پڑھنے میں خلل ہی نہ پڑے۔ کیونکہ باغیچے والے واقعے سے پہلے بھی انتظار کی الجھن میں اس کی حالت ایسی خراب ہو جاتی کہ پڑھا ہی نہ جاتا تھا۔

جو کتابیں وہ پڑھتا تھا۔ اب اس میں اُن کی ایک نئی سمجھ آ گئی تھی اور اس بات میں وہ مادام ورینال کا مرہونِ منت تھا۔ اس نے ہمت سے کام لے کر مادام ورینال سے بہت سی چھوٹی چھوٹی باتیں پوچھی تھیں۔ چاہے آدمی میں کتنی ہی فطری صلاحیت موجود کیوں نہ سمجھی جائے، لیکن اگر وہ اونچے طبقے سے باہر پیدا ہوا ہے تو ان باتوں سے لاعلمی اس کی ذہنی ترقی میں بڑی رکاوٹ بن جاتی ہے

محبت کی یہ تعلیم اُسے ایک ایسی عورت سے ملی جو ان باتوں میں خود کوری تھی۔ بہرحال یہ علم اُس کے لئے ایک نعمت سے کم نہ تھا۔ اب ژولیاں سمجھنے لگا کہ سماج کی موجودہ صورت کیا ہے۔ اب اس کا دماغ اُن بیانات سے بالکل پریشان نہیں ہوتا تھا کہ دو ہزار سال پہلے یا صرف ساٹھ سال پہلے والتیر اور لوئی پانزدہم کے زمانے میں سماج کیا تھی کیا نہیں۔ اسے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ میری آنکھوں پر سے ایک پردہ سا ہٹ گیا ہے۔ آخر وہ باتیں اس کی سمجھ میں آنے لگیں۔ جو ویرئیر میں ہو رہی تھیں۔

ان میں سب سے نمایاں تو وہ سازشیں تھیں جو دو سال سے بساں سوں کے ناظم کے گرد ہو رہی تھیں۔ ان کی پشت پر وہ خطوط تھے جو پیرس سے آتے تھے اور بڑی ممتاز ہستیوں کے دستخطوں کے ساتھ۔ سارا سوال اس بات کا تھا کہ موسیو د موآرو کو جو شہر کا سب سے دیندار اور متعصب آدمی تھا۔ میئر کے نائبِ دوم کے بجائے نائبِ اول بنایا جائے۔

اس کا رقیب ایک بڑا امیر صنعت کار تھا جسے نائبِ دوم کی جگہ سے آگے نہ بڑھنے دینا بھی لازمی تھا۔

آخر ژولیاں کی سمجھ میں آگیا کہ شہر کے سربرآوردہ لوگ موسیو دریناآل کے یہاں کھانے پر آتے تھے تو ان کے درمیان اشاروں ہی اشاروں میں کیا باتیں ہوا کرتی تھیں یہ طبقہ جسے خاص مراعات حاصل تھیں۔ نائبِ اول کے اس انتخاب میں بڑی سرگرمی دکھا رہا تھا۔ حالانکہ باقی شہر والوں اور خصوصاً آزاد خیال جماعت کے لوگوں کو تو اس کا سان گمان بھی نہ تھا۔ اس معاملے کو اتنی اہمیت اس وجہ سے حاصل ہوئی کہ جیسا

ہر ایک کو معلوم تھا۔ ویریئیر کی بڑی سڑک کو مشرق کی طرف نونٹ سے بھی زیادہ چوڑا کرنا تھا، کیونکہ بادشاہ سلامت اس سڑک پر سے گزرنے والے تھے۔

موسیو دموآرو کے تین مکان سڑک کی زد میں آتے تھے۔ اگر وہ نائب اوّل ہو گیا، اور پھر موسیو درینال کے پارلیمنٹ میں چلے جانے کی صورت میں ممبر بن گیا تو وہ بات پی جائے گا اور اس کے بعد یہ ممکن ہو گا کہ جو مکان سڑک کے کنارے تھے ان کی ذرا سی مرمت کرادی جائے گی جس کے باعث وہ سو سال کے لئے اور ٹھیک ہو جائیں گے موسیو دموآرو کی دینداری اور معاملہ فہمی کے باوجود یقین تھا کہ وہ ڈھب پر آجائے گا۔ کیونکہ اس کا خاندان بہت بڑا تھا جن مکانوں کو پیچھے ہٹانا تھا۔ ان میں سے نو مکان شہر کے عمائدین کی ملکیت تھے۔

ژولیاں کو یہ سازش فونت نوا کی لڑائی کے حال سے بھی زیادہ اہم معلوم ہوئی۔ جس کا نام اس نے پہلی مرتبہ فوکے کی دی ہوئی ایک کتاب میں دیکھا تھا۔ پچھلے پانچ سال کے عرصے میں یعنی جب سے اس نے شام کو پادری کے یہاں جانا شروع کیا تھا، بہت سی چیزوں نے ژولیاں کو اچنبھے میں ڈالا تھا لیکن چونکہ ضبط و احتیاط اور خاکساری دینیات کے طالب علم کی لازمی خصوصیات ہیں۔ اس لئے وہ کبھی کوئی بات پوچھ ہی نہ سکا تھا۔

ایک دن مادام درینال نے اپنے شوہر کے خادم یعنی ژولیاں کے دشمن کو کوئی حکم دیا۔

"لیکن، بیگم صاحب، آج تو مہینے کا آخری جمعہ ہے۔" اس نے ایک عجیب انداز سے جواب دیا۔

"اچھا جاؤ"۔ مادام ورینال بولی۔

ژولیاں نے کہا۔ "تو یہ اس گھاس کی دکان میں جا رہا ہے جو پہلے گرجا تھا، اور حال ہی میں پھر عبادت گاہ بن گیا ہے۔ لیکن وہاں یہ کیا کرے گا؟ میں یہ راز کبھی نہیں سمجھ سکا"۔

"یہ ایک بہت مفید، مگر بڑا عجیب ادارہ ہے"۔ مادام ورینال نے جواب دیا۔ "عورتوں کو وہاں داخل ہونے کی اجازت نہیں۔ بس میں اتنی بات جانتی ہوں کہ وہاں سب لوگ ایک دوسرے سے "تو" کہہ کر بولتے ہیں۔ مثلاً یہ ملازم وہاں موسیو والنو سے ملے گا اور وہ مغرور اور اکڑباز آدمی اس کے منہ سے تو سن کر ذرا بھی برا نہیں مانیگا بلکہ خود بھی اسی طرح بات کرے گا۔ اگر تم واقعی جاننا چاہتے ہو کہ یہ لوگ وہاں کیا کرتے ہیں تو میں موسیو دموژی راں اور موسیو والنو سے تفصیلات معلوم کروں گی۔ ہم ہر نوکر کی طرف سے بیس فرانک ادا کرتے ہیں تاکہ اگر کہیں پھر انقلاب برپا ہو تو یہ لوگ ہمارا گلا نہ کاٹ ڈالیں"۔

وقت کے پر لگ گئے تھے۔ اپنی محبوبہ کے حسن کی یاد میں ژولیاں اپنی تنگ تاریک جاہ طلبی کو بھی بھول بیٹھا تھا۔ چونکہ وہ دونوں ایک دوسرے کی مخالف صفوں سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے ژولیاں سنجیدہ اور معقول معاملات کا کوئی ذکر نہیں چھیڑتا تھا۔ گو اسے پتہ نہ چلا ہو، مگر اس مجبوری نے اس کی خوشی دوبالا کر دی تھی۔ اس کے دل پر مادام ورینال کا قبضہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ لیکن اس میں بھی اسے مزا ملتا تھا۔

بچے ایسے ذہین تھے کہ ان کی موجودگی میں ان دونوں کو جذبات چھوڑ کر عقل کی باتوں تک محدود رہنا پڑتا تھا۔ ایسے موقعوں پر ژولیاں محبت کے مارے دہکتی ہوئی

آنکھوں سے مادام درینال کی طرف تکنے لگتا۔ وہ اسے بتاتی کہ دنیا کیا چیز ہے اور وہ بالکل بھولا بن کے بیٹھا اس کی باتیں سنتا رہتا۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا کہ سڑک بنوانے یا ٹھیکے وغیرہ کے معاملے میں کسی کی چالاکی اور بے ایمانی کا حال سنتے سنتے مادام درینال ایک دم سے بہکنے لگتی۔ ژولیاں کو اسے ڈانٹنا پڑتا، اور وہ ژولیاں پر ایسے پیار سے ہاتھ پھیرتی جیسے اپنے بچوں پہ پھیرتی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بعض دن اسے کچھ ایسا لگتا جیسے ژولیاں کو اپنے بچے کی طرح چاہتی ہو۔ کیا اُسے ہر وقت ژولیاں کے بھولے بھالے سوالوں کا جواب نہیں دینا پڑتا تھا، اور سوال بھی ایسی ہزاروں چھوٹی چھوٹی چیزوں کے بارے میں جن سے اچھے گھرانے میں پندرہ سال کا لڑکا بھی ناواقف نہیں ہوتا ؟ پھر لمحے بھر بعد ہی وہ اُسے کچھ ایسی فخر کی نظروں سے دیکھنے لگتی جیسے ژولیاں اس کا آقا ہو۔ مگر اس کی ذہانت سے وہ بہت ڈرتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ یہ بات مجھ پر روز بروز واضح ہوتی جا رہی ہے کہ یہ نوجوان راہب ایک دن بڑا آدمی بنے گا۔ وہ اپنے تصور میں کبھی تو اُسے پوپ کے لباس میں دیکھتی۔ کبھی رشلو کی طرح وزیرِ اعظم کے لباس میں۔

"کیا میں اتنے دن زندہ رہوں گی کہ تمہیں اپنے پورے جاہ و جلال کے ساتھ دیکھ سکوں؟" وہ ژولیاں سے کہتی۔ "آج کل دُنیا کسی بڑے آدمی کی راہ دیکھ رہی ہے۔ حکومت اور کلیسا دونوں کو اسی کی ضرورت ہے۔ ذاتی رائے کا شوق لوگوں میں بہت بڑھ گیا ہے۔ اگر کوئی رشلو پیدا نہ ہوا اور اس طوفان کو نہ روک سکا تو سب ختم سمجھو۔"

اٹھارھواں باب

بادشاہ سلامت ویریئیر میں

کیا تم بس اب اس لائق رہ گئے ہو کہ لاش کی طرح اٹھا کے پھینک دیا جائے۔
جس میں نہ جان ہو نہ رگوں میں خون؟

(سین کلیماں کے گرجا میں اسقف کا وعظ)

تیسری ستمبر کو رات کے دس بجے ایک سپاہی بڑی سڑک پر گھوڑا دوڑاتا گزرا۔ اور سارے شہر کو جگا کے رکھ دیا۔ وہ یہ خبر لایا تھا کہ ـــــــ کے بادشاہ اتوار کو تشریف لا رہے ہیں اور آج منگل تھا۔ ناظم نے اجازت یعنی حکم دیا کہ سلامی کا دستہ تیار کیا جائے اور بادشاہ کا خیر مقدم پوری شان و شوکت سے ہو۔ ایک ہرکارہ ورژی دوڑایا گیا۔ موسیو دریناّل رات گئے پہنچا، اور سارے شہر کو ایک ہیجان میں مبتلا پایا۔ ہر آدمی کسی نہ کسی بات کا دعوے دار تھا۔ جن لوگوں کے ذمے کوئی کام نہ تھا۔ وہ بادشاہ کو شہر میں داخل ہوتے ہوئے دیکھنے کے لئے بالاخانے کرائے پر لے رہے تھے۔

سلامی کے دستے کا کماندار کون ہو؟ موسیو دریناّل فوراً بھانپ گیا کہ جن مکانوں کو پیچھے ہٹانا تھا انکے خیال سے موسیو دموآرد کو یہ عہدہ دینا بڑا ضروری تھا۔ نائب اول

کی جگہ کے لیئے پھر تو اس کا حق مسلّم ہو جائے گا۔ موسیو دموآرو کی دینداری کے متعلق تو کچھ کہنے کی گنجائش نہیں تھی۔ وہ تو اپنی مثال آپ تھی، لیکن وہ عمر بھر کبھی گھوڑے پر سوار ہی نہیں ہوا تھا۔ یہ شخص چھتیس سال کا تھا، مگر ہر معاملے میں تھڑ دلا۔ اسے گھوڑے سے گر پڑنے کا بھی ڈر تھا، اور لوگوں کے لیئے ایک تماشہ بن جانے کا بھی۔

مئیر نے صبح کے پانچ بجے اسے بلوایا۔

"دیکھیئے جناب، میں آپ سے اس طرح مشورہ طلب کر رہا ہوں جیسے آپ اس بلند درجے تک پہنچ چکے ہیں جہاں سارے معقول لوگ آپ کو دیکھنے کے متمنی ہیں۔ اس بدنصیب شہر میں صنعت کار مالدار ہوتے جا رہے ہیں، آزاد خیال جماعت لکھ پتی بنتی جا رہی ہے، اب اسے طاقت کی ہوس ہے، اور وہ ہر چیز کو ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے کو تیار رہے۔ ہمیں بادشاہ سلامت، سلطنت اور سب سے زیادہ اپنے مقدس دین کے مفادات کو نظر میں رکھنا چاہیئے۔ اچھا، یہ اب بتایئے کہ آپ کے خیال میں سلامی کے دستے کی کمان کس کے سپرد کرنی چاہیئے؟"

حالانکہ موسیو دموآرو کو گھوڑے کے نام ہی سے ڈر لگتا تھا، مگر آخر اس نے شہیدوں کی طرح یہ عزت قبول کر لی۔ اس نے مئیر سے کہا۔ "خیر، آپ دیکھیئے گا میں کیسا اچھتا ہوں"۔ وردیوں کو درست کرنے کے لیئے اب بہت کم وقت رہ گیا تھا۔ جو سات سال پہلے ایک شہزادے کی آمد پر استعمال ہوئی تھیں۔

سات بجے مادام دریناں بھی ورژی سے آ گئی۔ اس نے دیکھا کہ دیوان خانے میں آزاد خیال لوگوں کی بیویاں بھری ہوئی ہیں۔ وہ سب جماعتوں کے اتحاد کی تلقین کرنے آئی تھیں، اور اس سے یہ التجا کر رہی تھیں کہ اپنے شوہر سے سفارش

کر کے ہمارے شوہروں کو سلامی کے دستے میں جگہ دلوا دیجئے۔ ایک عورت نے تو یہاں تک کہا کہ اگر میرا شوہر نہ لیا گیا تو وہ رنج کے مارے دیوالیہ ہو جائے گا۔ مادام درینال نے فوراً سب کو دھتا بتائی۔ وہ بڑی مصروف معلوم ہو رہی تھی۔

ژولیاں کو تعجب ہوا بلکہ یہ بات بُری لگی کہ وہ اپنی اُلجھن کو مجھ سے چھپا رہی ہے۔ "میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا۔" وہ بڑی تلخی سے دل میں کہنے لگا۔ "بادشاہ اس کے گھر آنے والا ہے۔ اس خوشی کے آگے اس کی محبت ماند پڑ گئی ہے۔ یہ دھوم دھڑکا دیکھ کر اُس کی آنکھیں چکاچوند ہو گئی ہیں۔ جب رتبے کا خیال اس کے دماغ کو پریشان کرنا چھوڑ دے گا تو وہ مجھے پھر سے چاہنے لگے گی۔"

تعجب کی بات یہ ہے کہ اب مادام درینال سے اس کا پیار اور بڑھ گیا۔

گدے ٹھیک کرنے والوں نے مکان پر ہلہ بول دیا۔ وہ بہت دیر اس انتظار میں رہا کہ اس سے بات کرنے کا موقع ملے مگر لاحاصل۔ آخر اس نے دیکھا کہ مادام درینال میرا ایک کوٹ ہاتھ میں لئے خود میرے کمرے سے نکلی چلی آ رہی تھی۔ اس وقت وہ دونوں اکیلے تھے۔ ژولیاں نے بات کرنی چاہی مگر وہ سنے بغیر کھسک گئی۔ "میں بھی کیسا بیوقوف ہوں کہ ایسی عورت کو دل دے بیٹھا۔ جاہ پرستی نے اسے بھی اتنا ہی احمق بنا دیا ہے جتنا اس کے شوہر کو۔"

مگر وہ دراصل اور بھی زیادہ احمق تھی۔ ژولیاں کے بُرا مان جانے کے ڈر سے اس نے کبھی یہ بات بتائی تو نہیں، مگر اس کی ایک بڑی تمنا یہ تھی کہ چاہے ایک ہی دن کے لیے سہی، لیکن ژولیاں کو اس بے ہنگم کالے کوٹ کے بغیر دیکھے۔ اس نے بڑی ہوشیاری سے کام لیا جو ایسی سیدھی سادی عورت کے لیے واقعی قابلِ تعریف بات

ہے، اور پہلے تو موسیو دموآرد، اور پھر نائب ناظم موسیو دموژی رَوں سے یہ چیز منوالی کہ ژدلیاں کو پانچ چھ دوسرے نوجوانوں پر ترجیح دے کے سلامی کے دستے میں لے لیا جائے۔ حالانکہ وہ خوش حال صنعت کاروں کے بیٹے تھے اور کم سے کم دو تو بڑے دیندار تھے۔ موسیو وال تو یہ آس لگائے بیٹھا تھا کہ میں اپنی گاڑی شہر کی سب سے خوبصورت عورتوں کو دوں گا تاکہ میرے نفیس نارمن گھوڑوں کی تعریف ہو۔ پھر اسے ژدلیاں سے انتہائی نفرت تھی۔ لیکن آخر وہ بھی اپنا ایک گھوڑا اُسے دینے کو راضی ہو گیا۔ لیکن سلامی کے دستے والوں کے پاس آسمانی رنگ کے کوٹ تھے جن کے کندھوں پر کرنلوں والا چاندی کا نشان لگا ہوا اور جن کی چمک دمک لوگ سات سال پہلے دیکھ چکے تھے۔ جن کے پاس اپنا کوٹ نہیں تھا۔ انہوں نے کسی سے مانگ لیا تھا۔ مادام ورینال چاہتی تھی کہ کوٹ نیا ہو، اور ریساں سوں سے وردی، ہتھیار، ٹوپی اور دوسرے لوازمات منگوانے کے لئے اس کے پاس صرف چار دن تھے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ اس کے خیال میں ژدلیاں کا کوٹ ویریئر میں سلوانا دوراندیشی سے بعید تھا۔ وہ ذرا اسے چونکانا چاہتی تھی —— اسے بھی اور شہر والوں کو بھی۔

سلامی کے دستے کا انتظام اور عوام کے اندر جوش پیدا کرنے کا کام ختم ہوا تو پھر ہیتیر کو ایک عظیم مذہبی رسم کی فکر پڑی۔ بادشاہ نے کہا تھا کہ میں سین کلیماں کے تبرکات دیکھے بغیر نہیں جاؤں گا جو شہر سے تھوڑی دور بر سے لاو میں محفوظ ہیں۔ چنانچہ لازمی تھا کہ اس موقع پر بہت سے پادری موجود ہوں۔ نئے پادری موسیو ماس لوں نے طے کر لیا تھا کہ چاہے کچھ ہو جائے، مگر موسیو شیلاں کو پاس نہیں پھٹکنے دوں گا۔ موسیو ورینال نے بہتیرا سمجھایا کہ یہ بڑی غلط بات ہو گی، مگر اس نے ایک نہ سُنی۔ بادشاہ کی ہمراہی کے لئے

مارکوئس دلاموں کا انتخاب ہوا تھا جس کے آباو اجداد مدتوں اس صوبے کے گورنر رہے تھے۔ وہ پادری شیلاآں کو تیس سال سے جانتا تھا۔ وہ دیر یبرہ پہنچ کے یقیناً اسے پوچھے گا اور جب اسے پتہ چلے گا کہ بچارے شیلاآں کی کیا مٹی پلید ہوئی ہے تو وہ آدمی ہی اس قسم کا ہے کہ جلوس میں جتنے لوگ اس کے زیرِ حکم ہوں گے۔ انہیں ساتھ لے کے پادری کی تلاش میں فوراً اس چھوٹے سے مکان میں جا پہنچے گا جہاں شیلاآں آج کل عزلت گزیں ہے پھر کیسی کرکری ہوگی!

ماس لوں نے جواب دیا "اگر وہ میرے ہمراہیوں میں شامل ہوا تو یہاں اور بساں سوں دونوں جگہ میری تذلیل ہوگی۔ بھلا ژاں سینسنت فرقے کا آدمی، اور میرے ساتھ ہو!"

موسیو ورنیاک نے جواب دیا " پادری صاحب، آپ جو چاہیں کہیں، لیکن میں موسیو دلاموں کے ہاتھوں اپنے ادارے کی تذلیل نہیں ہونے دوں گا۔ آپ اس شخص کو نہیں جانتے۔ دربار میں تو وہ بڑا دین دار بنتا ہے۔ لیکن یہاں دیہات میں آکر ہنسوڑا اور کھلی باز بن جاتا ہے اور لوگوں کو پریشان کرنے سے زیادہ مزا اسے کسی بات میں نہیں آتا۔ وہ ایسا آدمی ہے کہ محض اپنی دل لگی کی خاطر آزاد خیال جماعت کے لوگوں کو ہم پر ہنسوا سکتا ہے۔"

تین دن کی بحث و تمحیص کے بعد آخر سنیچر اور اتوار کی درمیانی رات کو پادری ماس لوں کا پندار میئر کے خوف کے سامنے جھک گیا، کیونکہ یہ خوف اب جرأت میں تبدیل ہو چکا تھا۔ چنانچہ ایک خط بڑی میٹھی زبان میں پادری شیلاآں کے نام لکھا گیا اور اس سے استدعا کی گئی کہ اگر آپ کی عمر اور آپ کی ناسازیٔ مزاج آپ کو اجازت دے تو برے لااو

کی اس مقدّس رسم میں شرکت فرمائیے۔ موسیو شیلاں نے ژولیاں کے لئے بھی ایک دعوت نامہ مانگا تاکہ وہ اس کے نائب کی حیثیت سے ہمراہ جا سکے اور یہ بات بھی منظور ہو گئی۔

اتوار کے دن صبح سویرے ہزاروں کسان قریب کے پہاڑوں سے اتر آئے اور شہر کی سڑکوں پر ٹھٹ کے ٹھٹ لگ گئے۔ آج بڑی اچھی دھوپ تھی۔ آخر تین بجے کے قریب سارے ہجوم میں ایک ہلچل سی مچ گئی۔ لوگوں نے شہر سے سات آٹھ میل دور ایک چٹان پر آگ روشن ہوتے دیکھ لی تھی۔ یہ اس بات کی نشانی تھی کہ بادشاہ اس علاقے کی سرحد میں داخل ہو گیا۔ شہر کے سارے گھنٹے ایک دم سے بجنے لگے اور ایک پرانی اسپینی توپ بار بار دغنے لگی اور اس طرح شہر نے اس عظیم موقعے پر اپنی خوشی کا اعلان کیا۔ آدھی خلقت چھتوں پر چڑھ گئی تھی۔ عورتیں چھجوں پر ٹنگی ہوئی تھیں۔ سلامی کے دستے میں بھی جنبش پیدا ہوئی۔ چمکتی ہوئی وردیوں کو لوگ تعریف کی نظروں سے دیکھنے لگے۔ ہر تماشائی دستے میں اپنے کسی رشتے دار یا دوست کو پہچان رہا تھا۔ موسیو دموآر د کی گھبراہٹ پر خوب قہقہہ پڑا۔ اس نے بڑی احتیاط سے اپنا ہاتھ الگ کر رکھا تھا کہ اگر کہیں گرنے لگے تو فوراً زین پکڑ لے۔ لیکن ایک بات دیکھ کر لوگ سب کچھ بھول گئے۔ دستے کے نویں ٹکڑے میں بائیں طرف چھریرے بدن کا ایک خوبصورت نوجوان تھا جسے پہلے تو کوئی شناخت ہی نہ کر سکا۔ پھر کچھ لوگ تو غصّے کے مارے فوراً چیخ پڑے اور کچھ لوگ حیرت کی وجہ سے گم صم رہ گئے۔ غرض دونوں باتوں سے پتہ چلا کہ لوگوں میں سنسنی پھیل گئی ہے۔ تماشائیوں نے پہچانا کہ یہ نوجوان جو موسیو دالی نو کے گھوڑے پر سوار ہے۔ بڑھئی کا بیٹا سوریل ہے۔ لوگ ہم آواز ہو کر

مئیر کے خلاف چلا اٹھے۔ خاص طور سے آزاد خیال جماعت والے۔ محض اتنی سی بات پہ کہ یہ مزدور کا بیٹا پادریوں کے سے کپڑے پہنتا ہے اور اس کے بچوں کا اتالیق ہے، اس نے یہ جسارت کی کہ اسے نوسلامی کے دستے میں لے لیا اور ایسے ایسے مالدار صنعت کاروں کو چھوڑ دیا۔ ایک ساہوکار کی بیوی بولی ــ "لوگوں کو چاہیئے کہ اس موری کے کیڑے کو یہیں سب کے سامنے ذلیل کریں۔"

اس کے برابر والے آدمی نے جواب دیا ــ "اس کا غصہ بڑا خراب ہے، پھر اس کے پاس تلوار بھی ہے۔ اس ناہنجار کا کیا ٹھکانا، ممکن ہے سڑا سٹر تلوار چلانی شروع کر دے۔"

رئیسوں کے طبقے میں جو تبصرہ ہوا وہ زیادہ خطرناک تھا۔ عورتوں نے دل میں پوچھا کہ اس بدتمیزی کا ذمہ دار محض مئیر ہے یا کوئی اور بھی۔ یہ بات فی الجملہ سبھی نے بڑی دیانتداری سے تسلیم کی کہ مئیر تو نیچ لوگوں کو حقارت کی نظروں سے دیکھتا ہے۔

اِدھر تو ژولیاں پر یوں رائے زنی ہو رہی تھی۔ اُدھر وہ خوشی کے مارے پھولا نہیں سما رہا تھا۔ طبیعت کا دلیر تو وہ تھا ہی، گھوڑے پر ایسے جم کے بیٹھا تھا کہ اس پہاڑی شہر کے بہت ہی کم نوجوان اس کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ وہ عورتوں کی نظروں ہی سے بھانپ گیا کہ میری باتیں ہو رہی ہیں۔

اس کے کندھوں کے نشان اوروں سے زیادہ چمک رہے تھے۔ کیونکہ بالکل نئے تھے۔ اس کا گھوڑا بار بار ایسے بگڑتا جیسے ابھی الف ہو جائے گا۔ ژولیاں کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا تھا۔

پھر ایک ایسی بات ہوئی جس سے ژولیاں نہالوں نہال ہو گیا۔ جب یہ لوگ پہنچتے

کی پرانی دیوار کے پاس سے گزر رہے تھے تو گھوڑا توپ کی آواز سے بھڑک کر صف کے باہر نکل گیا۔ یہ بالکل اتفاق تھا کہ تزدلیاں گرا نہیں۔ اس وقت سے اس نے اپنے آپ کو بڑا جانباز دلاور سمجھنا شروع کر دیا۔ گویا وہ نپولین کی فوج کا افسر تھا اور دشمن پر دھاوا بول رہا تھا۔

ایک اور ہستی اس سے بھی زیادہ خوش تھی۔ پہلے تو مادام دربناال نے ٹاؤن ہال کی کھڑکی سے اسے گزرتے دیکھا۔ پھر گاڑی میں بیٹھ کر چل دی اور لمبا سا پھیر کھا کے ٹھیک اس وقت پہنچی جب تزدلیاں کا گھوڑا اُسے صف سے باہر نکال لے گیا تھا اور وہ اسے خطرے میں دیکھ کر لرز اٹھی۔ آخر اس کی گاڑی دوڑتی ہوئی شہر کے ایک پھاٹک میں سے نکلی اور پھر اس سڑک پر جا پہنچی۔ جہاں سے بادشاہ گزرنے والا تھا اور سلامی کے دستے سے بیس قدم کے فاصلے پر خاک دھول کے زبردست بادل میں گھری ہوئی پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ جب میئر نے بادشاہ سلامت کی خدمت میں کچھ عرض کرنا شروع کیا تو دس ہزار کسانوں نے "زندہ باد" کے نعرے لگائے۔ گھنٹہ بھر بعد جب بادشاہ ساری تقریریں سن چکنے کے بعد شہر میں داخل ہونے لگا تو پھر دھائیں دھائیں دغنے لگی۔ اتنے میں ایک حادثہ ہو گیا —— تھیچیوں کے ساتھ نہیں جنہوں نے اپنا ہنر لائپ زگ اور موں میرائی میں سیکھا تھا۔ بلکہ ہونے والے نائبِ اول موسیو دموآرو کے ساتھ۔ ساری سڑک پر بس ایک ہی گڑھا تھا جس میں پانی بھرا ہوا تھا۔ گھوڑے نے اسے وہاں لا کے غڑاپ سے گرا دیا۔ اس سے خاصا ہنگامہ برپا ہوا۔ کیونکہ بادشاہ کی گاڑی کو راستہ دینے کے لئے اسے کھینچ کے وہاں سے ہٹانا پڑا۔

بادشاہ سلامت نئے اور خوبصورت گرجا کے سامنے جا کے اترے جسے اس موقع پر

قرمزی رنگ کے پردوں سے سجایا گیا تھا۔ بادشاہ کو کھانے کے لیئے یہاں رُکنا پڑتا تھا۔ اور اس کے بعد فوراً ہی سین کلمیاں کے تبرکات کی زیارت کے لیئے جانا تھا۔ بادشاہ کے گرجا میں داخل ہونے ہی ژولیاں گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا موسیو درنیال کے یہاں پہنچا۔ وہاں اس نے ٹھنڈا سانس بھر کے وہ نفیس آسمانی کوٹ، تلوار، کندھے کا نشان وغیرہ اتارا، اور پھر اپنا پھٹا پرانا سیاہ کوٹ پہن لیا۔ وہ دوبارہ گھوڑے پر سوار ہوا اور چند منٹ میں برے لآاو جا پہنچا جو ایک بڑی بارعب پہاڑی کی چوٹی پر واقع ہے وہ دل میں کہنے لگا "جوش کے مارے کسان ٹوٹے پڑ رہے ہیں۔ شہر میں تو وہ ہجوم ہے کہ راستہ نہیں ملتا اور اس پرانے گرجا کے چاروں طرف بھی دس ہزار سے زیادہ آدمی ہوں گے"۔ انقلاب کی بربریت میں یہ گرجا تقریباً برباد ہو گیا تھا۔ لیکن بادشاہت قائم ہونے کے بعد اس کی مرمت بڑے شاندار طریقے سے ہوئی تھی اور اب تو یہاں کے معجزوں کا بھی ذکر ہونے لگا تھا۔ ژولیاں پادری شیلاں کے پاس پہنچا تو اس نے بڑا ڈانٹا اور اسے عبا وغیرہ دی۔ ژولیاں نے جلدی جلدی یہ لباس پہنا اور شیلاں کے پیچھے چل کھڑا ہوا جو آگد کے نوجوان اسقف کی تلاش میں جا رہا تھا۔ بشپ موسیو دلاموُل کا بھتیجا تھا اور حال ہی میں اس کا تقرر ہوا تھا اور اس وقت وہ اس خدمت پر مامور تھا کہ بادشاہ کو تبرکات دکھائے۔ لیکن اس کا کہیں پتہ ہی نہ تھا۔

سارے پادری بے چین ہو رہے تھے۔ وہ اس قدیم گرجا کے تاریک معبد میں کھڑے اپنے حاکم کا انتظار کر رہے تھے۔ ۱۷۸۹ء سے پہلے کلیسا نے برے لآاو کے صوبے کو چوبیس علاقوں میں بانٹ رکھا تھا۔ چنانچہ انہی اصلی چوبیس علاقوں کی نمائندگی کے لیئے اس وقت چوبیس پادری بُلائے گئے تھے۔ پہلے تو پون گھنٹے تک پادری

لوگ اسقف کی نوحہ گری کرتے رہے۔ پھر یہ طے پایا کہ اپنے سردار کو اس کے پاس بھیجنا بہتر ہوگا، وہ جا کے اس سے کہے کہ بادشاہ سلامت چل پڑے ہیں اور اب ہمیں اپنی جگہ کھڑے ہو جانا چاہیے۔ ہیو شیلاں کی بزرگی کے پیشِ نظر اسی کو سردار بنا دیا گیا تھا۔ حالانکہ وہ ژولیاں پہ بگڑ چکا تھا مگر اس نے اشارہ کیا کہ میرے ساتھ آؤ۔ ژولیاں راہبانہ لباس میں بچ رہا تھا۔ نہ معلوم اس نے کیا پُراسرار دوا استعمال کی تھی کہ اپنے نفیس گھنگریالے بالوں کو بالکل سپاٹ بنا لیا تھا لیکن یہ فروگذاشت دیکھ کر ہیو شیلاں کا غصہ اور بھڑک اٹھا کہ اس کی عبا کی لمبی لمبی تہوں کے نیچے سلامی کے دستے والی مہمیزیں نظر آرہی تھیں۔

جب وہ اسقف کے مکان پر پہنچے تو معرق وردیاں پہنے ہوئے دراز قد خادموں نے بڈھے پادری کو بمشکل یہ بتانے کی تکلیف گوارا کی کہ اس وقت اسقف سے نہیں ملا جا سکتا۔ جب اس نے یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ میں برے لااُد کے پادریوں کا سردار ہوں اور اس حیثیت سے عالیجاہ اسقف کی خدمت میں ہر وقت حاضر ہونے کا اختیار رکھتا ہوں تو خادم اس کا مذاق اڑانے لگے۔

خادموں کی گستاخی سے ژولیاں کے پندار کو ٹھیس لگی۔ اس پرانے گرجا میں سونے کے جتنے کمرے تھے وہ سب کا جائزہ لینے چل دیا، اور جو دروازہ سامنے آیا اُسے ہلا کے دیکھا۔ ایک چھوٹا سا دروازہ اس کے دھکّا دینے سے کھل گیا، اور اس نے اپنے آپ کو ایک کوٹھڑی میں اسقف کے ذاتی ملازموں کے درمیان پایا جو سیاہ لباس میں تھے اور گردن میں زنجیریں پڑی تھیں۔ انہوں نے جو اسے یوں جلد باز دیکھا تو سمجھے کہ خود اسقف نے اسے بلایا ہے اور اسے گزر جانے دیا۔

تھوڑی دور چل کے وہ گوتھک طرز کے ایک بہت بڑے کمرے میں پہنچا۔ جہاں بہت اندھیرا تھا اور چاروں طرف دیواروں پہ شاہ بلوط کی سیاہ لکڑی لگی ہوئی تھی۔ ایک کے سوا باقی سب نوکدار کھڑکیاں اینٹوں سے بند کر دی گئی تھیں۔ چنائی کی کھردری سطح کو ڈھکنے کا کوئی انتظام نہیں ہوا تھا۔ اس لئے لکڑی کے کام کی قدامت اور شان کے مقابلے میں یہ حصہ بہت برا لگتا تھا۔ برگنڈی کے ماہرین عتیقیات میں اس کمرے کی بڑی شہرت تھی۔ اسے ۱۴۷۰ء کے قریب دلیر شارل نے کسی گناہ کے کفارے میں بنوایا تھا اور اس کے دونوں طرف لکڑی کی الماریاں لگی تھیں جن پر سینٹ جون کے رویا سے متعلق تصویریں نقش تھیں۔

حالانکہ خالی اینٹیں اور سفید پلستر بیچ میں آ آ کر منظر کو خراب کر رہا تھا۔ پھر بھی اس میں ایک افسردہ سا جلال تھا۔ ژولیاں بے حد متاثر ہوا اور گم صم کھڑا رہ گیا۔ کمرے میں صرف ایک ہی کھڑکی تھی جس سے روشنی آ رہی تھی اور وہ بھی آخری سرے پر۔ کھڑکی کے قریب مہاگنی کے چوکھٹے میں ایک آئینہ رکھا تھا۔ ایک نوجوان سیاہ چار کالر کا قرمزی لباس پہنے آئینے سے تین قدم کے فاصلے پہ کھڑا تھا۔ یہ آئینہ ایسی جگہ بڑا ناموزوں معلوم ہوتا تھا اور یقیناً شہر سے یہاں لایا گیا تھا۔ ژولیاں کو خیال ہوا کہ نوجوان کچھ چڑا ہوا سا معلوم ہوتا ہے۔ وہ بڑی سنجیدگی کے ساتھ آئینے کی طرف ہاتھ اٹھا کے دعا دے رہا تھا۔

"اس کا کیا مطلب ہے؟" ژولیاں نے دل میں کہا۔ "کیا یہ نوجوان پادری کوئی ابتدائی رسم ادا کر رہا ہے؟ شاید اسقف کا سکرٹری ہے۔ . . . یہ بھی خادموں کی طرح بدتمیزی سے پیش آئے گا۔ . . لیکن اس سے کیا ہوتا ہے، لاؤ اسے بھی دیکھیں۔"

اس نے آہستہ آہستہ چل کے پورا کمرہ طے کیا، مگر آنکھیں اسی اکیلی کھڑکی اور اس نوجوان کی طرف لگائے رکھیں۔ نوجوان ذرا بھی نہ رکتا تھا۔ بس آہستہ آہستہ مگر بار بار دعائیں دیئے چلا جا رہا تھا۔

ژولیاں اور قریب آیا تو نوجوان کے چہرے پہ بدمزگی کے آثار اور صاف نظر آنے لگے۔ اس کا بیل دار کالر اتنا قیمتی تھا کہ اسے دیکھ کر ژولیاں شاندار آئینے سے کچھ دور ہی رُک گیا۔

"اس سے بات کرنا میرا فرض ہے۔" آخر ژولیاں نے اپنے آپ کو یاد دلایا مگر کمرے کی خوبصورتی کا اس کے دل پہ بڑا اثر ہوا تھا اور یہ سوچ سوچ کر اس کی جان نکلی جا رہی تھی کہ اب مجھے سخت و سست سننا پڑے گا۔

نوجوان نے آئینے میں اس کا عکس دیکھ لیا اور فوراً اس کی طرف مڑا۔ وہ بدمزگی کا انداز یکایک اس کے چہرے سے غائب ہو گیا اور اس نے انتہائی خوشگوار لہجے میں ژولیاں سے کہا۔—

"کیوں، جناب، تیار ہو گیا؟"

ژولیاں دم بخود رہ گیا۔ جب یہ نوجوان اس کی طرف مڑا تو ژولیاں کو اُسقف والی صلیب نظر آئی۔ تو یعنی یہی شخص اسقف تھا۔ ژولیاں نے سوچا— "اتنا کم عمر ہے! مجھ سے بہت سے بہت چھ یا آٹھ سال بڑا ہو گا۔"

اور اسے اپنی مہمیزوں پر شرم آنے لگی۔

"حضور۔" اس نے جھینپتے ہوئے جواب دیا۔ "مجھے اس علاقے کے پادریوں کے سردار موسیو شیلاں نے بھیجا ہے۔"

"ہاں، میں نے اُن کی بڑی تعریف سُنی ہے۔" اسقف نے ایسے اخلاق سے جواب دیا کہ ژودلیاں اور بھی مسحور ہو کے رہ گیا۔ "لیکن معاف کیجیے گا، جناب۔ مجھے غلط فہمی ہوئی۔ میں سمجھا کہ آپ میری ٹوپی واپس لائے ہیں۔ پیرس سے چلتے ہوئے نوکروں نے اسے سامان میں اس بُری طرح بند کیا کہ اوپر سے چاندی کے تار بالکل ہی کھسٹ گئے۔ میں اسے پہنے ہوئے بہت ہی بُرا لگوں گا۔" اور نوجوان پادری کا چہرہ کچھ افسردہ ہو گیا۔ "اور یہ لوگ مجھے خواہ مخواہ انتظار کرا رہے ہیں۔"

"حضور، اگر آپ اجازت دیں تو میں ابھی جا کے لیے آتا ہوں۔"

ژودلیاں کی حسین آنکھوں کا وار بھرپور پڑا۔

"وہاں جائیے۔" اُسقف نے بڑے دلفریب انداز میں جواب دیا۔ "مجھے ٹوپی فوراً چاہیے۔ مجھے بڑا افسوس ہے کہ پادری صاحبان کو انتظار کرنا پڑ رہا ہے۔"

ژودلیاں کمرے میں آدھی دور ہی گیا تھا کہ وہ اسقف کی طرف دیکھنے کے لیے مڑا۔ اسقف پھر اسی طرح دعائیں دینے میں لگ گیا تھا۔ ژودلیاں نے دل میں کہا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے؟ جو رسم تھوڑی دیر میں ادا ہونے والی ہے۔ غالباً اس کے لیے یہ تیاری لازمی ہے۔" جب وہ اس کوٹھڑی میں پہنچا جہاں ملازم انتظار میں کھڑے تھے تو ٹوپی ان کے ہاتھ میں دیکھی۔ ژودلیاں نے اُن کی طرف ایسے حاکمانہ انداز میں دیکھا کہ انہیں ٹوپی اس کے حوالے ہی کرتے بنی۔

اسے بڑا فخر تھا کہ میں ٹوپی لے کے جا رہا ہوں۔ جب وہ کمرے میں پہنچا تو آہستہ آہستہ چلنے لگا اور ٹوپی بڑے احترام سے تھام لی۔ اس نے اُسقف کو آئینے کے سامنے بیٹھا پایا۔ حالانکہ وہ تھک چکا تھا، مگر اب بھی تھوڑی تھوڑی دیر بعد اس کا داہنا

ہاتھ دُعا دینے کے لئے اٹھ رہا تھا۔ ژولیاں نے اسے ٹوپی اوڑھائی تو اس نے خوش ہو کے سر ہلایا۔

"ہاں، اب جچی رہے گی۔" اس نے مطمئن ہو کر ژولیاں سے کہا "ذرا آپ ایک طرف کو ہو جائیں گے؟"

اُسقف تیز تیز قدم اٹھاتا کمرے کے بیچ میں پہنچا، پھر آہستہ آہستہ آئینے کے پاس واپس آیا۔ اس کے چہرے پہ پھر بدمزگی کے آثار پیدا ہو گئے، اور وہ بڑا گمبھیرپن سے پھر دُعائیں دینے میں لگ گیا۔

ژولیاں حیرت کے مارے دم بخود رہ گیا۔ اس کا جی چاہا کہ معلوم کرے، اس کا کیا مطلب ہے، مگر ہمت نہ پڑی۔ اسقف رُک گیا، اور اس کی طرف اس انداز سے دیکھا جس میں گمبھیرپن کا نام تک نہ تھا۔

"کہیے، جناب، میری ٹوپی کیسی ہے۔ ٹھیک لگ رہی ہے نا؟"

"بالکل ٹھیک ہے حضور۔"

"زیادہ پیچھے کو تو نہیں ہے؟ پھر تو احمق سا لگوں گا۔ مگر یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ فوجی افسروں کی طرح ٹوپی آنکھوں کے اوپر کھینچ لوں۔"

"مجھے تو بالکل ٹھیک معلوم ہوتی ہے۔"

"بات یہ ہے کہ بادشاہ سلامت بزرگ صورت پادریوں کو دیکھنے کے عادی ہیں جن کے چہرے سے تقدس ٹپکتا ہے۔ میری عمر بہت کم ہے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ چھچھلا سا لگوں۔"

اور اسقف پھر کمرے میں ٹہل ٹہل کے ہوا میں دُعائیں بکھیرنے لگا۔

ژولیاں نے آخر بات سمجھنے کی ہمت کر ہی ڈالی "اب پتہ چل گیا۔ یہ دعا دینے کی مشق کر رہا ہے"

دو چار لمحے کے بعد اسقف کہنے لگا۔ "اب میں تیار ہوں۔ جائیے پادری صاحبان کو اطلاع کر دیجئے"

اتنے میں موسیو شیلاں دو معمر پادریوں کے ساتھ ایک بہت بڑے دروازے سے اندر داخل ہوا جس پر بڑے خوبصورت نقش و نگار بنے ہوئے تھے اور جسے ژولیاں نے ابھی تک دیکھا ہی نہ تھا۔ لیکن اس دفعہ ژولیاں اپنی جگہ یعنی سب سے آخر میں ہی کھڑا رہا۔ پادری دروازے کے قریب جمع ہو گئے تھے اور اسے اسقف کا چہرہ بس پادریوں کے کندھوں پر سے نظر آ رہا تھا۔

اسقف نے آہستہ آہستہ چل کر کمرہ طے کیا۔ جب وہ دہلیز کے پاس پہنچا۔ تو پادریوں نے صف بنالی۔ تھوڑی سی گڑبڑ کے بعد جلوس ایک حمد گاتا ہوا چل پڑا۔ اسقف سب سے آخر میں موسیو شیلاں اور ایک بہت بڈھے پادری کے درمیان چل رہا تھا چونکہ ژولیاں، پادری شیلاں کا نائب تھا۔ اس لیئے وہ کسی نہ کسی طرح اُسقف کے خاصے قریب پہنچ ہی گیا۔ جلوس گرجا کے لمبے لمبے دالانوں میں سے گزرنے لگا۔ حالانکہ خوب دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ مگر دالان تاریک اور سیلے ہوئے تھے۔ آخر وہ معبد کے دروازے پر پہنچ گئے۔ یہ نفیس رسم ژولیاں کو اتنی پسند آئی کہ اس پر سکتے کا سا عالم طاری ہو گیا۔ کبھی تو اُسقف کی نو عمری دیکھ کر اس کے دل میں حوصلے پیدا ہونے لگتے، کبھی وہ اس کی شائستگی اور نازک مزاجی کی تعریف کرنے لگتا۔ اس کی خوش اخلاقی موسیو دریناال کی خوش اخلاقی سے بالکل مختلف تھی۔ موسیو دریناال کبھی نیک گھڑی میں

ہوتا تب بھی یہ بات پیدا نہ ہوتی تھی۔ ژدلیاں دل میں کہنے لگا "آدمی کا رتبہ جتنا بلند ہو اتنا ہی تمیز سلیقہ بڑھ جاتا ہے"۔

وہ ایک بغلی دروازے سے گرجا میں داخل ہوئے۔ اتنے میں گرجا کے قدیم تہہ خانے ایک دھڑاکے سے گونج اُٹھے۔ ژدلیاں سمجھا کہ دیواریں بیٹھ گئیں۔ یہ وہی چھوٹی سی توپ تھی آٹھ گھوڑے سرپٹ دوڑتے ہوئے اسے کھینچ کے لاتے تھے، اور ابھی آ کے لگے تھے۔ لاتپ زک کے توپچیوں نے آتے ہی توپ داغنی شروع کر دی تھی، اور اب ہر منٹ میں پانچ فیر ہو رہے تھے جیسے جرمن مقابلے پر آ گئے ہوں۔

لیکن اب اس دھائیں دھائیں کا ژدلیاں کے دل پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ اب وہ نپولین اور سپاہیانہ دبدبے کے خواب ہی نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کا تو خیال ہی کہیں اور تھا۔ "اتنا کم عمر، اور آگدے کا اُسقف! لیکن یہ آگدے ہے کہاں؟ اور اس میں ملتے پڑتا کیا ہوگا؟ شاید دو یا تین لاکھ فرانک"۔

اُسقف کے خادموں نے ایک شان دار شامیانہ لا کے رکھا۔ موسیو شیلاں نے ایک پایہ پکڑ لیا، لیکن دراصل بوجھ ژدلیاں کے اوپر تھا۔ اُسقف اس شامیانے کے نیچے بیٹھ گیا۔ اب اس نے واقعی بزرگوں کی سی شکل بنالی تھی۔ ہمارے ہیرو کے دل میں تعریف و تحسین کا جذبہ لہریں لینے لگا۔ اس نے سوچا "آدمی ہوشیار ہو تو کیا نہیں کر سکتا!"

بادشاہ سلامت اندر داخل ہوئے۔ ژدلیاں کو یہ خوش نصیبی حاصل ہوئی کہ انہیں قریب سے دیکھ سکے۔ اُسقف نے بڑی تیز زبانی کے ساتھ بادشاہ سے خطاب کیا اور ساتھ ہی اس کا بھی خیال رکھا کہ لہجے سے تھوڑی سی گھبراہٹ بھی ظاہر ہو۔ اس سے

بادشاہ سلامت بہت خوش ہوئے۔ اس رسم کا پورا حال بیان کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ پندرہ دن تک علاقے کے اخباروں میں یہی ذکر اذکار رہا۔ آسقف کی تقریر سے ژولیاں کو پتہ چلا کہ بادشاہ دلیر شارل کی اولاد میں سے ہے۔

بعد میں ژولیاں کو یہ فرض بھی انجام دینا پڑا کہ اس سلسلے میں جو کچھ خرچ ہوا تھا اس کے حساب کی جانچ پڑتال کرے۔ مرسیو دلامول نے اپنے بھتیجے کو اسقف کی جگہ دلوائی تھی۔ اب اس نے یہ ایک اور نوازش کی کہ سارا خرچ بھی خود ہی برداشت کیا۔ صرف اس رسم کے سلسلے میں تین ہزار آٹھ سو فرانک اٹھے۔

اسقف کی تقریر اور بادشاہ کے جواب کے بعد، بادشاہ سلامت شامیانے کے نیچے بیٹھ گئے۔ پھر وہ قربان گاہ کے قریب بڑی عقیدت کے ساتھ ایک گدے پر گھٹنے رکھ کر کھڑے ہوئے۔ حمد گانے والوں کے چاروں طرف نشستیں تھیں اور یہ نشستیں فرش سے دو سیڑھی اوپر تھیں۔ ژولیاں دوسری سیڑھی پر مرسیو فیلاں کے قدموں کے پاس بیٹھا تھا جیسے روم کے بڑے گرجا میں خادم پوپ کے قدموں میں بیٹھتے ہیں۔ حمدیں گائی جا رہی تھیں۔ بخورات کے بادل ہر طرف چھائے ہوئے تھے، توپ اور بندوقیں برابر دغ رہی تھیں۔ کسان خوشی اور عقیدت کے مارے پاگل ہو گئے تھے۔ آزاد خیال اخبار سو شماروں میں جو کام کرتے ہیں، وہ اس قسم کے ایک دن میں ملیامیٹ ہو کے رہ جاتا ہے۔

ژولیاں بادشاہ سے چھ قدم کے فاصلے پر تھا جو بڑے خضوع وخشوع سے دعا مانگ رہا تھا۔ اسے پہلی مرتبہ ایک پستہ قد اور ذہین صورت آدمی نظر آیا جس کا لباس سلمے ستارے سے تقریباً خالی تھا۔ لیکن اس نے اپنے سیدھے سادے کوٹ کے

اوپر ایک آسمانی رنگ کا فیتہ لگا رکھا تھا۔ وہ بہت سے ایسے لوگوں کی بہ نسبت بادشاہ سے کہیں زیادہ نزدیک تھا جن کا لباس سونے کے کام سے اس طرح لپا ہوا تھا کہ بقول ژولیاں نیچے سے کپڑا نظر ہی نہ آتا تھا۔ ایک منٹ بعد اسے پتہ چلا کہ یہ موسیو ذلامول ہے۔ وہ ژولیاں کو کچھ اکڑ باز نہ بلکہ بدمزاج سا معلوم ہوا۔

"یہ مارکوس میرے پیارے اسقف کی طرح خوش اخلاق نہیں ہوگا۔" وہ دل میں بولا ۔ "پادری کا پیشہ ہی ایسا ہے کہ آدمی کو نرم اور سمجھ دار بنا دیتا ہے لیکن بادشاہ تو تبرکات دیکھنے آیا ہے اور تبرکات کہیں نظر نہیں آتے۔ یہ سب کلیسا کدھر ہے؟"

اس کے پاس ایک پستہ قد پادری کھڑا تھا جس نے بتایا کہ مقدس تبرکات اوپر کی منزل میں "معبدِ آتشیں" میں رکھے ہیں۔

"یہ معبدِ آتشیں کیا بلا ہے؟" اس نے دل میں سوچا لیکن اس نے ان الفاظ کی تشریح نہیں چاہی۔ اب وہ ساری کارروائی کو اور بھی غور سے دیکھنے لگا۔

کسی بادشاہ کی آمد کے موقعے پر طریقہ یہ ہے کہ چھوٹے پادری اسقف کے ہمراہ نہ جائیں لیکن معبدِ آتشیں کی طرف جاتے ہوئے اسقف نے فیلاآں کو بلا لیا اور ژولیاں بھی ہمت کر کے ساتھ ہو لیا۔

ایک لمبا سا زینہ طے کر کے یہ لوگ ایک چھوٹے سے دروازے پر پہنچے جس پر بڑا نفیس سونے کا ملمع تھا۔ یہ ملمع ایسا لگتا تھا جیسے ابھی ابھی کام ختم ہوا ہو۔ دروازے کے باہر شہر کے انتہائی ممتاز خاندانوں کی لڑکیاں گھٹنوں کے بل جھکی

ہوئی تھیں۔ دروازہ کھولنے سے پہلے اسقف ان لڑکیوں کے درمیان جو سب کی سب خوبصورت تھیں۔ گھٹنے ٹیک کر کھڑا ہو گیا۔ جب وہ باآواز بلند دعا پڑھ رہا تھا۔ تو یہ معلوم ہو رہا تھا کہ لڑکیاں اس کے زرکار لباس، اس کی دل کشی، اس کے جوان اور حسین چہرے پہ فریفتہ ہو کے رہ گئی ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر ہمارے ہیرو کے رہے سہے حواس بھی غائب ہو گئے۔ اس وقت تو وہ محکمۂ احتساب کی خاطر بھی جان دینے کو تیار ہو جاتا، اور واقعی خلوص کے ساتھ۔ یکایک دروازہ کھل گیا۔ معبد کے اندر روشنی سے دن نکلا ہوا تھا۔ قربان گاہ کے اوپر آٹھ قطاروں میں ایک ہزار شمعیں روشن تھیں۔ اور قطاروں کے بیچ بیچ میں پھولوں کے گچھے رکھے تھے۔ معبد کے دروازے سے خالص ترین بخورات کی بھینی بھینی خوشبو کے بادل باہر نکل رہے تھے۔ یہ معبد جس پر نیا نیا ملمع ہوا تھا۔ یوں تو چھوٹا سا تھا، مگر کرسی بہت اونچی تھی۔ ژدلیاں نے دیکھا کہ قربان گاہ پہ پندرہ فٹ سے بھی لمبی شمعیں جل رہی تھیں۔ لڑکیاں تو حیرت کے مارے چیخ اٹھیں۔ معبد کے چھوٹے سے برآمدے میں چوبلیں لڑکیوں، دو پادریوں اور ژدلیاں کے سوا کسی کو آنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

اتنے میں بادشاہ سلامت آ پہنچے۔ ان کے ساتھ بس ایک تو موسیو دلاموِل تھا اور ایک وزیرِ اعظم۔ بادشاہ کے محافظ باہر ہی رہ گئے، اور انہوں نے گھٹنوں کے بل جھک کر بندوقوں سے سلامی دی۔

بادشاہ سلامت جھکے تو کیا، یوں کہنا چاہیے کہ چوکی پر گر پڑے۔ ژدلیاں ملمع شدہ دروازے کے پاس پہنچا کھڑا تھا۔ اس وقت ایک لڑکی کے برہنہ بازو کے نیچے سے اسے سین کلیماں کا خوبصورت مجسمہ نظر آیا۔ مجسمہ قربان گاہ کے نیچے

چھپا ہوا تھا۔ سینٹ کلیماں نے ایک نوجوان رومی سپاہی کے سے کپڑے پہن رکھے تھے۔ گردن میں ایک بڑا سا زخم تھا جس سے خون بہتا معلوم ہو رہا تھا۔ فن کار نے کمال کر دکھایا تھا۔ مرتے ہوئے ولی کی آنکھیں آدھی بند تھیں۔ مگر ان میں ابھی تک نور تھا۔ خوبصورت ہونٹوں کے اوپر مسیں بھیگ رہی تھیں۔ منہ تھوڑا سا کھلا تھا کہ ابھی تک دعا مانگ رہا ہے۔ یہ مجسمہ دیکھ کر ژولیاں کے پاس والی لڑکی زار و قطار رونے لگی۔ اس کا ایک آنسو ژولیاں کے ہاتھ پر گرا۔

پھر دعا شروع ہوئی اور مکمل خاموشی طاری ہو گئی۔ البتہ دور سے گھنٹیوں کی آواز آ رہی تھی جو بیس بیس میل تک سارے گاؤں میں بجائی جا رہی تھیں۔ اس کے بعد اسقف نے بادشاہ سے تقریر کی اجازت مانگی۔ اس کی مختصر لیکن انتہائی عبرت خیز تقریر کا خاتمہ ان الفاظ پر ہوا جو یوں تو سیدھے سادے تھے مگر اسی لئے اور موثر بن گئے تھے۔

"نوجوان عیسائی دوشیزاؤ، یہ بات کبھی نہ بھولنا کہ آج تم نے روئے زمین کے ایک عظیم بادشاہ کو خدا کے قہار و جبار کے ایک ادنیٰ خادم کے قدموں پر جھکا ہوا دیکھا ہے۔ جیسا سینٹ کلیماں کے خون بہتے ہوئے زخموں سے نظر آ رہا ہے، یہ خادم یوں تو کمزور ہیں، زمین پر انہیں ایذائیں پہنچائی جاتی ہیں، شہید کیا جاتا ہے، مگر آسمان پر فتح انہیں کے نام ہے۔ عیسائی دوشیزاؤ، یہ دن تمہیں عمر بھر یاد رہے گا نا؟ تم بے دینی سے نفرت کرنے لگو گی۔ تم ہمیشہ ہمیشہ اس خدا کی فرمانبردار رہو گی جو اتنا عظیم ہے، اتنے قہر والا ہے، مگر ساتھ ہی ساتھ ایسا مہربان بھی ہے۔"

یہ لفظ کہہ کر اسقف بڑے تحکمانہ انداز میں اٹھ کھڑا ہوا۔

"مجھ سے وعدہ کرتی ہو نا؟" اُس نے اس طرح باز و بلند کیا جیسے اس پر وحی نازل ہو رہی ہو۔

"ہم وعدہ کرتی ہیں" لڑکیوں نے پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے کہا۔

"میں خدائے قہار و جبار کی طرف سے تمہارا یہ وعدہ قبول کرتا ہوں!" اسقف نے گرج دار آواز میں کہا اور رسم ختم ہو گئی۔

بادشاہ سلامت بھی رو رہے تھے۔ بڑی دیر بعد جا کے ژولیاں کو یہ سوچنے کا ہوش آیا کہ ولی کی ہڈیاں آخر ہیں کہاں، جنہیں برگنڈی کے ڈیوک فلپ نے روم سے یہاں بھیجا تھا۔ اسے پتہ چلا کہ ہڈیاں موم کے خوبصورت مجسمے میں بند ہیں۔

بادشاہ سلامت نے از راہِ بندہ نوازی ان لڑکیوں کو جو ان کے ہمراہ معبد میں آئی تھیں ایک سُرخ جُبّہ لگانے کی اجازت مرحمت فرمائی جس پر یہ الفاظ کڑھے ہوئے تھے — "بے دینی سے نفرت، لازوال عقیدت!"

موسیو دلاموٹ نے حکم دیا کہ کسانوں میں شراب کی دس ہزار بوتلیں تقسیم کی جائیں۔ اُس دن شام کو شہر میں آزاد خیال جماعت والوں کو ایک عذر مل گیا کہ اپنے مکانوں پر شاہ پرستوں سے بھی سوگنی زیادہ روشنی کریں۔ شہر سے رخصت ہونے سے پہلے بادشاہ سلامت موسیو دموآرو کے غریب خانے پر تشریف لائے۔

انیسواں باب

سوچنا بھی ایک مصیبت ہے

"روزانہ زندگی میں ایسے ایسے مہمل واقعات ہوتے ہیں کہ ان کی وجہ سے آپ جذبات سے پیدا ہونے والی مصیبتوں کو نہیں دیکھ سکتے۔"

بارناڈ

جس کمرے میں موسیو دلامول آکے ٹھیرا تھا اُس کا معمولی ساز و سامان واپس لا کے وہاں رکھتے ہوئے ژولیاں کو ایک سخت سا کاغذ ملا جس کی چار تہیں تھیں۔ پہلے صفحے کے نیچے اسے یہ عبارت نظر آئی ——

"امیر الاُمرا عالی جناب مارکوئس دلامول کی خدمت میں"

یہ ایک درخواست تھی جو کسی باورچی نے اپنے ٹوٹے پھوٹے خط میں لکھی تھی

"حضورِ والا"

عمر بھر میں مذہبی عقائد کا طرف دار رہا ہوں۔ اس منحوس زمانے یعنی سنہ ۹۳ میں محاصرے کے وقت میں لیوں میں تھا اور جان بموں کی زد پہ تھی۔ میں بڑا دیندار آدمی ہوں، اور ہر اتوار کو اپنے علاقے کے گرجا میں جاتا ہوں۔ ایسٹر کا فریضہ مجھ سے

کبھی خطا نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ اس منحوس ۹۳ء میں بھی۔ میری باورچن، کیونکہ انقلاب سے پہلے میرے پاس نوکر بھی تھے، جمعہ کے دن گوشت نہیں پکاتی۔ دریہ ٹیر میں لوگ میری عزت کرتے ہیں اور گستاخی معاف، میں اس کا مستحق بھی ہوں۔ میں جلوسوں میں پادری صاحب اور میئر صاحب کے ساتھ شامیانے کے نیچے چلتا ہوں۔ مقدس موقعوں پر میں ایک بڑی سی شمع لے کے چلتا ہوں جسے میں اپنے خرچ سے خریدتا ہوں۔ ان تمام باتوں کی اسناد پیرس میں وزارت مال کے پاس موجود ہیں۔ میں حضور سے گزارش کرتا ہوں کہ وریہ ٹیر میں لاٹری کا دفتر مجھے عنایت ہو جائے جو کسی نہ کسی طرح جلدی ہی خالی ہونے والا ہے، کیونکہ آج کل جو شخص اس پہ قابض ہے، وہ ایک تو بہت بیمار ہے، دوسرے انتخابات میں اپنی رائے کا صحیح استعمال نہیں کرتا۔ وغیرہ وغیرہ،

دشولییں"۔

درخواست کے حاشیے پر سفارش لکھی تھی، نیچے دموآرد کے دستخط تھے۔ یہ تحریر ان الفاظ سے شروع ہوتی تھی۔

"کل مجھے حضور کی خدمت میں ان صاحب کا ذکر کرنے کی عزت نصیب ہوئی تھی۔ جو یہ درخواست گزران رہے ہیں۔" وغیرہ وغیرہ۔

"تو گویا یہ احمق شولییں تک مجھے بتا رہا ہے کہ میرے لئے کون سا راستہ مناسب ہے۔" ژولیاں نے دل میں کہا۔

بادشاہ کے جانے کے بعد ہزاروں قسم کی افترا پردازیاں، مہمل بحثیں، اور طرح طرح کی احمقانہ حاشیہ آرائیاں ہوئیں اور ان کا موضوع تھا خود بادشاہ، اگد

کا اسقف، مارکوئس دلا مول، شراب کی دس ہزار بوتلیں، اناڑی نوآرد (جو تمغہ پانے کی امید میں گھوڑے سے گرنے کے مہینے بھر بعد تک گھر سے باہر نہیں نکلا) لیکن ہفتے بھر بعد جذبات ان سب پر غالب آگئے۔ وہ یہ تھی کہ بڑھئی کے بیٹے ژولیاں سوریل کو سلامی کے دستے میں ٹھونس دینا بڑی ذلیل حرکت ہے۔ اس موضوع پر ان مالدار کپڑا بنانے والوں کی باتیں سننے کے لائق تھیں جو صبح سے شام تک مساوات کی تلقین کرتے نہ تھکتے تھے۔ یہ اسی آڑھ باز عورت مادام دریناَل کی کمینگی تھی۔ وجہ؟ یہ وجہ بہت کافی تھی کہ اس نوجوان پادری کی آنکھیں چمک دار اور گال سرخ تھے۔

واپس آنے کے دو چار دن بعد ہی سب سے چھوٹے بچے استانلس لاس زاویے کو بخار آگیا۔ مادام دریناَل ایک دم سے انتہائی خوفناک پشیمانی اور ندامت میں غرق ہو کے رہ گئی۔ اب اس نے پہلی دفعہ مربوط طریقے سے اپنے آپ کو اس معاشقے پر ملامت کرنی شروع کی۔ اسے معجزہ سمجھیں یا کچھ بہر حال یکایک اس کی سمجھ میں آگیا کہ مجھ سے کون سا عظیم گناہ سرزد ہوا ہے، حالانکہ طبعاً وہ بڑی دین دار تھی، مگر اس وقت تک اس نے سوچا بھی نہ تھا کہ خدا کی نظروں میں میرا جرم کتنا بڑا ہے۔

عرصہ ہوا جب وہ خانقاہ میں تھی تو اسے خدا سے والہانہ محبت تھی۔ اب ان حالات میں اسے خدا سے ڈر بھی اتنا ہی لگا۔ اس کشمکش میں اس کا دل پھٹا جا رہا تھا۔ پھر اذیت اس وجہ سے اور بھی بڑھ گئی کہ اس کے خوف میں عقل کو ذرا دخل نہ تھا۔ ژولیاں نے دیکھا کہ سمجھانے کی کوشش کی جائے تو اسے تسلی نہیں ہوتی بلکہ وہ

اور بڑھ جاتی ہے۔ ژولیاں کی باتوں میں اسے جہنم کی بُو آتی۔ لیکن چونکہ خود ژولیاں کو بھی ننھے استانس لاس سے بڑا لگاؤ تھا۔ اس لئے اگر وہ بچے کی بیماری کا ذکر چھیڑتا تو مادام دریناآل ذرا توجہ سے سُن لیتی۔ پھر بچے کی بیماری نے ذرا سنگین شکل اختیار کر لی اب تو اس مسلسل پشیمانی کے ہاتھوں اس کی نیند بھی اڑ گئی۔ اس نے ایسی چُپ سادھی کہ ہوں ہاں کرنی بھی چھوڑ دی۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ اگر منہ کھولوں تو بس خدا اور انسانوں کے سامنے اپنے گناہ کا اعتراف کرنے کے لئے۔

تنہائی کا موقع ملتے ہی ژولیاں نے اس سے کہا۔ "میں تمہارے ہاتھ جوڑتا ہوں، کسی سے کوئی بات نہ کہنا۔ اگر تمہیں اپنا دکھ درد ہی سنانا ہے تو بس مجھے سناؤ۔ اگر تمہیں مجھ سے ذرا بھی محبت ہے تو زبان مت کھولو۔ آخر تمہارے بولنے سے بچے کا بخار تو نہیں بھاگ جائے گا۔"

لیکن اُسے تسلی دینے کی کوششوں کا ذرا بھی فائدہ نہ ہوا۔ ژولیاں کو پتہ ہی نہ تھا کہ مادام دریناآل کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ خدا مجھ سے خفا ہو گیا ہے اور اسے منانے کی یہی صورت ہے کہ یا تو ژولیاں سے نفرت کرنے لگوں یا اپنے بیٹے کو مر جانے دوں۔ اسے تکلیف تھی تو یہ کہ اپنے عاشق کی طرف سے دل میں نفرت ہی نہ پیدا ہوتی تھی۔

ایک دن وہ ژولیاں سے کہنے لگی — "تم میرے سامنے مت آیا کرو۔ خدا کے لئے اس گھر سے چلے جاؤ۔ تمہارے یہاں ہونے کی وجہ سے ہی میرے بچے کی جان جا رہی ہے۔"

"خدا مجھے سزا دے رہا ہے۔" پھر وہ ایسے بولی جیسے اپنے آپ سے

کہہ رہی ہو۔" وہ بڑے انصاف والا ہے۔ اس کے عدل کے سامنے میں اپنا سر تسلیم خم کرتی ہوں۔ مجھ سے بڑا ہولناک گناہ سرزد ہوا ہے اور میرے دل میں آج تک ندامت بھی نہیں پیدا ہوئی! یہ خدا سے منحرف ہونے کی پہلی نشانی تھی۔ مجھے تو ڈگنی سزا ملنی چاہیئے۔"

ڈولیباں کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ ان باتوں میں اُسے نہ تو ریاکاری نظر آئی نہ مبالغہ آمیزی۔ "وہ سمجھتی ہے کہ مجھ سے محبت کر کے اپنے بیٹے کی جان لے رہی ہے پھر بھی بچاری کو بیٹے کی بہ نسبت مجھ سے زیادہ پیار ہے۔ اس میں ذرا بھی شبہے کی گنجائش نہیں کہ وہ ندامت کے ہاتھوں ہلاک ہو رہی ہے۔ یہ عورت کتنے بلند اور عظیم جذبات کی مالک ہے! لیکن میں تو بالکل مفلس قلاش، جاہل، کندۂ ناتراش ہوں، مجھ سے تو اکثر بڑی بڑی بدتمیزیاں ہو جاتی ہیں۔ اسے مجھ سے اتنی محبت کیسے ہو گئی؟"

ایک رات بچے کی حالت بڑی نازک ہو گئی۔ رات کے دو بجے موسیو دریناال اسے دیکھنے آیا۔ بچہ بخار میں پھنک رہا تھا۔ اس کا چہرہ بالکل سرخ ہو گیا تھا۔ وہ اپنے باپ کو پہچان بھی نہ سکا۔ مادام دریناال ایک دم سے شوہر کے قدموں پہ گر پڑی ڈولیباں نے دیکھا کہ اب یہ سب کچھ بتا ڈالے گی اور اپنا بالکل ستیاناس کر لے گی۔

خوش قسمتی یہ ہوئی کہ موسیو دریناال اس عجیب و غریب مظاہرے سے چڑ گیا۔

"اچھا، اب آرام کرو۔" وہ بولا اور چلنے لگا۔

"نہیں، سنیے تو۔" اس کی بیوی اُس کے سامنے گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر اسے روکتے ہوئے بولی۔ "اب ساری حقیقت سن لیجیے۔ اپنے بچے کی جان میں

سے رہی ہوں۔ میں نے اسے زندگی دی تھی اور میں ہی اس سے زندگی لے رہی ہوں۔ یہ خدا کا عذاب ہے۔ خدا کی نظروں میں بچے کا خون میری گردن پر ہے۔ اب یہ میرے اوپر واجب ہے کہ میں اپنے آپ کو تہس نہس کر ڈالوں، اپنے آپ کو مٹی میں ملاؤں۔ شاید اس قربانی سے خدا خوش ہو جائے۔"

اگر موسیو درینال میں تھوڑا سا تخیل ہوتا تو وہ سب کچھ سمجھ جاتا۔

"سب خیالی باتیں ہیں۔" اس نے بیوی کو پیچھے دھکیلتے ہوئے کہا جو اس کے گھٹنے پکڑنا چاہ رہی تھی۔ "سب وہم ہے اژولیاں، نوکروں سے کہہ دو کہ صبح ہوتے ڈاکٹر کو بلا لائیں۔"

اور وہ سونے چلا گیا۔ ژولیاں، مادام درینال کو سہارا دینے کے لیئے آگے بڑھا تو اس نے جھٹک کر اُسے پیچھے ہٹا دیا، اور نیم بے ہوشی کے عالم میں گھٹنوں کے بل گر پڑی۔

ژولیاں ہکا بکا رہ گیا۔

"تو یہ ہے زناکاری! وہ دل میں کہنے لگا۔ "کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ آخر ان بدمعاش پادریوں ہی کی بات ٹھیک ہے، جو لوگ خود اتنے گناہ کرتے ہیں کیا انہیں کو گناہ کا صحیح علم حاصل ہے؟ کتنی عجیب بات ہے!"

موسیو درینال کے جانے کے بعد بیس منٹ سے ژولیاں اپنی محبوبہ کو اس حالت میں دیکھ رہا تھا ــــ بچے کی پلنگڑی پر سر ڈھلکا ہوا، بے حس و حرکت، ہوش و حواس اڑائے ــــ وہ دل میں بولا ــــ "یہ کتنی ذہین اور ہوشمند عورت ہے، مگر محض مجھے جاننے کی وجہ سے اس کی کیا گت بنی ہے۔"

"وقت تیزی سے گزرتا چلا جا رہا ہے۔ میں اس کے لئے کیا کر سکتا ہوں؟ مجھے فوراً کوئی فیصلہ کرنا چاہیے۔ اب میرا تو کوئی سوال نہیں۔ مجھے لوگوں اور اُن کی احمقانہ ظاہر داریوں کی کیا پروا؟ لیکن میں اس کے لئے کیا کر سکتا ہوں؟... اس کے پاس سے چلا جاؤں؟ لیکن وہ غم و اندوہ کے پنجوں میں گرفتار اکیلی رہ جائے گی۔ وہ کاٹھ کا اُلو اس کا شوہر اس کے ساتھ بھلائی سے زیادہ بُرائی کر سکتا ہے۔ اور ناشائستہ تو وہ ہے ہی، کوئی نہ کوئی بات ایسی ضرور کہہ دے گا جس سے بچاری کو دُکھ پہنچے گا۔ ممکن ہے وہ پاگل ہو جائے یا کھڑکی میں سے کود پڑے۔

"اگر میں اسے چھوڑ کے چلا جاؤں۔ اگر میں اس کی نگرانی نہ کروں تو وہ اسے سب کچھ بتا دے گی۔ اپنی بیوی کی طرف سے اسے روپیہ تو بہت ملنے والا ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ خدا جانے کتنا غل غپاڑا مچائے۔ ممکن ہے وہ ساری بات اس حرام زادے پادری اس توں سے کہہ دے جو ایک چھ سال کے بچے کی بیماری کا بہانہ بنا کر اس گھر سے نکلنے کا نام ہی نہیں لیتا اور یقیناً اس میں کوئی چال ہے۔ اپنے رنج اور خدا کے خوف کے مارے وہ بالکل بھول گئی ہے کہ یہ کیسا آدمی ہے۔ اسے تو بس اتنا یاد ہے کہ یہ پادری ہے۔"

"میرے پاس سے جاؤ۔" مادام دریتال نے آنکھیں کھولیں تو ایک دم سے چیخ کے کہا۔

ژولیاں نے جواب دیا — "میں یہ جاننے کے لئے اپنی جان ہزار دفعہ قربان کرنے کو تیار ہوں کہ میں تمہارے کس کام آ سکتا ہوں، میری جان، مجھے آج تک تم سے اتنا پیار کبھی نہیں ہوا۔ بلکہ مجھے یوں کہنا چاہیے کہ اس وقت سے میں تمہیں ایسا چاہنے

لگا ہوں جس کی تم واقعی مستحق ہو۔ تم سے الگ ہو کے میرا کیا بنے گا، اور خصوصاً جب مجھے یہ معلوم ہو کہ تم پر مصیبت میری وجہ سے پڑی! لیکن مجھے اپنی تکلیف کا ذکر نہیں کرنا چاہیئے۔ ہاں، پیاری، میں چلا جاؤں گا۔ لیکن اگر میں تمہیں چھوڑ کے چلا گیا، اگر تمہارے اوپر میری نگرانی نہ رہی، اگر میں ہر وقت تمہارے اور تمہارے شوہر کے درمیان حائل نہ رہا تو پھر تم سب کچھ کہہ ڈالو گی اور کہیں کی بھی نہ رہو گی۔ ذرا سوچو تو کہ وہ تمہیں کس ذلت کے ساتھ گھر سے نکالے گا۔ سارے ویرٹیر، سارے بساں سوئں میں چرچا ہو جائے گا۔ سارا الزام تمہارے ہی سر آئے گا۔ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہو گی۔"

"یہی تو میں چاہتی ہوں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور چلّا کے بولی۔ "میرے اوپر جتنی بھی مصیبتیں پڑیں اتنا ہی اچھا ہے۔"

"لیکن اگر رسوائی ہوئی تو تمہاری بدولت تمہارے شوہر کو بھی تو نقصان اٹھانا پڑے گا۔"

"لیکن میں تو اپنے آپ کو ذلیل کرنا چاہتی ہوں، کیچڑ میں لوٹنا چاہتی ہوں۔ شاید اس طرح میرے بیٹے کی جان بچ جائے۔ اگر سب کے سامنے میری تذلیل ہوئی تو اس قسم کی توبہ کو سب دیکھ سکیں گے۔ میں ایک کمزور عورت ہوں جہاں تک میں سمجھ سکتی ہوں۔ خدا کے سامنے اس سے بڑی اور کیا قربانی پیش کر سکتی ہوں؟ شاید اس کی رحمت میری اس تذلیل کو قبول کرے، اور میرے بیٹے کی جان بخشی ہو جائے۔ اگر اس سے بھی سخت کوئی قربانی ہو تو بتاؤ، میں اسے فوراً بجا لاؤں گی۔"

"اس سے تو بہتر یہ ہے کہ میں اپنے آپ کو کوئی سخت سزا دوں۔ آخر

میں بھی تو مجرم ہوں۔ تم کہو تو میں راہب بن جاؤں؟ شاید تمہارا خدا میری ریاضت سے خوش ہو جائے۔ . . . خدایا، استانس لاس کی بیماری مجھے کیوں نہیں لگ جاتی؟"

"آہ! تمہیں بھی اس سے محبت ہے۔" مادام ورینال بولی، اور اٹھ کر اس کے بازوؤں میں آگری۔

پھر اس نے خوفزدہ ہو کر ایک دم سے ژولیاں کو پیچھے دھکیل دیا۔

"مجھے تمہاری بات کا اعتبار ہے! پورا اعتبار ہے!" وہ دوبارہ گھٹنوں کے بل جھک کر کہنے لگی۔ "بس ایک تمہیں اکیلے میرے دوست ہو۔ تم استانس لاس کے باپ کیوں نہ ہوئے؟ پھر تمہیں بیٹے سے زیادہ چاہنا گناہ کی بات نہ ہوتی۔"

"تم اجازت دو تو میں یہیں رک جاؤں اور آئندہ تم سے بھائی کی طرح محبت کیا کروں؟ کفارہ ادا کرنے کا بس یہی معقول طریقہ ہے۔ شاید اس سے خدائے بلند و برتر کا غصہ ٹھنڈا پڑ جائے۔"

"اور میں!" وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور ژولیاں کا سر اپنے ہاتھوں میں لے کے گز بھر کے فاصلے پر آنکھوں کے سامنے لاتی ہوئی بولی۔ "کیا میں بھی تم سے بھائی کی طرح پیار کر سکتی ہوں؟ کیا یہ میرے بس میں ہے کہ تم سے بھائی کی طرح پیار کروں؟"

ژولیاں پھوٹ پھوٹ کے رونے لگا۔

"میں تمہارے حکم کی تعمیل کروں گا۔" وہ اس کے قدموں پہ گر کے بولا۔ "تم جو حکم دو۔ میں اس کی تعمیل کروں گا۔ اب میں اس کے سوا اور کر بھی کیا سکتا ہوں؟ میرا

دماغ تو بالکل معطل ہو کے رہ گیا ہے۔ مجھے کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ اگر میں تمہیں چھوڑ کے چلا جاؤں تو تم اپنے شوہر کو سب کچھ بتا دو گی۔ تم خود بھی برباد ہو جاؤ گی اور ساتھ ہی اسے بھی برباد کرو گی۔ ایسی ذلت کے بعد وہ پارلیمنٹ کا ممبر بن ہی نہیں سکے گا۔ لیکن اگر میں یہیں رہوں تو پھر تم مجھے اپنے بیٹے کی موت کا باعث سمجھو گی اور خود بھی رنج کے مارے جان دے دو گی۔ اگر تم چاہو تو ذرا آزما کے دیکھ لو، کہ میرے جانے کا کیا اثر ہوتا ہے۔ تم کہو تو اس گناہ کی سزا میں بھگتوں، اور ہفتے بھر کے لیے تمہارے پاس سے چلا جاؤں۔ تم جہاں بتاؤ میں وہیں جا کے گوشہ نشین ہو جاؤں گا، مثلاً بریے لاوو کے گرجا میں۔ لیکن قسم کھاؤ کہ میرے پیچھے تم اپنے شوہر سے کوئی بات نہیں کہو گی۔ یاد رکھنا، اگر تمہاری زبان سے کچھ نکل گیا تو پھر میں کبھی واپس نہیں آسکوں گا۔"

مادام درینال نے وعدہ کر لیا۔ وہ روانہ ہو گیا۔ مگر دو دن بعد اسے واپس بُلا لیا گیا۔

"تمہارے بغیر میں اپنے وعدے پر قائم نہیں رہ سکتی۔ اگر تم ہر وقت میرے سامنے موجود نہ ہو اور آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھے خاموش رہنے کا حکم نہ دو۔ تو میں اپنے شوہر کو بات بتائے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اس منحوس زندگی کا ایک ایک گھنٹہ مجھے ایک دن کے برابر معلوم ہوتا ہے۔"

آخر خدا کو اس بد نصیب ماں پہ رحم آیا۔ آہستہ آہستہ استانس لاص ٹھیک ہوتا گیا اور اس کی جان کا خطرہ نہ رہا لیکن اب ندامت کا آغاز ہو چکا تھا۔ اسے پتہ چل گیا تھا کہ مجھ سے کیسا گناہِ عظیم سرزد ہوا ہے۔ اس کا ذہنی توازن درست

نہ ہو سکا۔ ندامت ابھی تک باقی تھی بلکہ وہ شکل اختیار کر گئی تھی۔ جو اس جیسی پُر خلوص ہستی کے لیے ناگزیر ہے۔ اس کی زندگی جنت بھی تھی اور جہنم بھی۔ جہنم تو اس وقت جب ژدلیاں نظروں کے سامنے نہ ہو، اور جنت اس وقت جب وہ اس کے قدموں میں بیٹھی ہو۔

"اب مجھے کوئی خوش فہمی نہیں رہی"۔ جب وہ اپنی محبت کو کھلی چھٹی دینے کی ہمت کر بیٹھتی۔ اس وقت بھی ژدلیاں سے کہتی "اب تو میں سیدھی جہنم میں جاؤں گی اس سے کوئی مفر نہیں۔ میں جہنم میں ڈالی جاؤں گی۔ تم ابھی جوان ہو۔ تم میری ترغیب کا شکار ہو گئے۔ شاید خدا تمہیں معاف کر دے۔ لیکن میں تو سیدھی جہنم میں جاؤں گی میں نے اس کی صاف و صریح نشانی دیکھ لی ہے۔ مجھے بڑا ڈر لگ رہا ہے۔ دوزخ سامنے نظر آئے تو کیسے ڈر نہ لگے گا؟ لیکن دل میں اپنے کئے پہ ذرا بھی پشیمان نہیں ہوں۔ اگر پھر ایسا موقع آئے تو میں یہی گناہ دوبارہ کرنے کو تیار رہوں۔ بس خدا سے اتنی دعا ہے کہ مجھے اس کا بدلہ اس دنیا میں نہ ملے، اور میرے بچوں کو سزا نہ بھگتنی پڑے۔ پھر مجھے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں چاہیئے، اور نہ میں اس سے زیادہ کی مستحق ہوں لیکن تم، میرے ژدلیاں، کم سے کم تم"۔ وہ بعض اوقات کہتی "تم تو خوش ہو نا؟ میں تم سے پوری طرح محبت کرتی ہوں نا؟"

ژدلیاں بڑا بدگمان تھا، اور اس کا پندار اسے ہر وقت ستاتا رہتا تھا۔ وہ ایسی محبت چاہتا تھا جو اس کی خاطر سب کچھ قربان کر دے۔ لیکن ہر بار جب ایسی عظیم اور ایسی صاف و صریح قربانیاں دیکھ کر وہ بھی تاب نہ لا سکا اور مادام دریناکی پہ جان چھڑکنے لگا۔ وہ امیر کبیر سہی، میں مزدور کا بیٹا سہی. . . لیکن وہ مجھے ایسا

نوکر نہیں سمجھتی جسے معاشقے کی خدمت سپرد کر رکھی ہو۔" جب یہ ڈر باقی نہ رہا تو ژولیاں نے اپنے آپ کو محبت کی ساری حماقتوں، اس کی ساری ہلاکت انگیز بے یقینیوں کے سپرد کر دیا۔

جب وہ دیکھتی کہ ژولیاں کو میری محبت کا پورا یقین نہیں تو کہتی — "اب تو ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ تھوڑے ہی سے دن تو اور گزارنے ہیں۔ لاؤ اتنے دن تو میں تمہیں کچھ نہ کچھ خوشی بہم پہنچا ہی دوں! آؤ جلدی کریں۔ کون جانے کل تک میں تمہاری رہوں یا نہ رہوں۔ اگر خدا میرا بدلہ میرے بچوں سے لینا چاہے گا۔ تو پھر یہ ممکن نہ ہو گا کہ میں صرف تمہاری محبت کی خاطر زندہ رہنے کی کوشش کروں اور یہ نہ دیکھوں کہ میرے بچے میرے گناہ کی وجہ سے ہلاک ہو رہے ہیں۔ میں اس صدمے سے جانبر نہ ہو سکوں گی۔ اگر میں چاہوں بھی تو ایسا نہ کر سکوں گی۔ میں تو پاگل ہو جاؤں گی۔"

"آہ! کاش میں تمہارے گناہ کا بار اپنے اوپر لے سکتی جیسے تم نے اتنی دریا دلی دکھائی تھی اور کہا تھا کہ اسٹانسلاس کا بخار تمہیں لگ جائے!"

اس اخلاقی بحران نے اس جذبے کی نوعیت ہی بدل کے رکھ دی۔ جس کی وجہ سے ژولیاں کو اپنی محبوبہ سے لگاؤ پیدا ہوا تھا۔ اب یہ بات نہیں رہی کہ اس کی محبت بس مادام ورینال کے تعریف یا اسے اپنے بس میں لے آنے کے فخر پر مبنی ہو۔

ان دونوں کی مسرت اب کہیں زیادہ بلند نوعیت کی ہو گئی جس آگ میں یہ دونوں تپ رہے تھے۔ پہلے سے زیادہ تیز ہو گئی۔ اُن کا دور دیوانگی کی حد تک

جا پہنچا۔ دوسرے لوگ انہیں دیکھتے تو سمجھتے کہ یہ بے انتہا خوش ہیں لیکن اُن کی محبت کے ابتدائی زمانے کی شیرینی، سکون، بے داغ مسرت، اور معصوم خوشی واپس نہ آسکی — اُس زمانے کی خوشی جب مادام دریناال کو اگر کوئی دھڑکا تھا تو بس یہ کہ ژولیاں مجھ سے پوری طرح محبت بھی کرتا ہے یا نہیں۔ اب تو بعض دفعہ ان کی خوشی میں جرم کا سا رنگ آجاتا تھا۔

اپنی انتہائی مسرت اور ظاہراطور پہ انتہائی سکون کے لمحوں میں مادام دریناال کے اوپر دورہ سا پڑتا۔ اور وہ ایک دم سے ژولیاں کا ہاتھ بھینچ کر کہتی — "خدایا میری آنکھوں کے سامنے دوزخ ناچ رہا ہے۔ کیسے کیسے ہولناک عذاب ہیں! اور میں واقعی اسی لائق ہوں" وہ اس سے اس طرح چپٹ جاتی جیسے دیوار سے بیل۔

ژولیاں نے اس کے روحانی اضطراب کو ٹھنڈا کرنے کی بہتیری کوشش کی، مگر لاحاصل۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کے بے شمار بوسے ڈالتی۔ پھر اسی گہری سوچ میں ڈوب جاتی، اور کہتی — "دوزخ تو میرے لئے نعمت سے کم نہ ہوگا۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ میں اس دنیا میں چند دن اور گزار سکوں گی۔ لیکن اگر دُنیا ہی میرے لئے دوزخ بن جائے۔ اگر میرے بچے مرنے لگیں . . . مگر شاید یہ قیمت ادا کرنے سے میرا گناہ معاف ہو جائے . . . خدایا، میں اس قیمت پر معاف ہونا نہیں چاہتی۔ ان بچارے بچوں نے تیرا کیا گناہ کیا ہے۔ گناہ تو میرا ہے، جرم تو میں نے کیا ہے! مجھے ایک ایسے آدمی سے محبت ہے جو میرا شوہر نہیں ہے۔"

پھر ژولیاں نے مادام دریناآل کو ایک نئی حالت میں دیکھا جو بظاہر پُرسکون تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ سارا بوجھ میں خود برداشت کروں اور جس سے محبت کرتی ہوں اس کی زندگی میں کسی نہ گھولوں۔

اب اُن کی محبت کی یہی دو صورتیں بن گئیں پشیمانی اور لذت۔ اور ان دونوں شکلوں کے درمیان اُن کے شب و روز برق رفتاری سے گزرنے لگے۔ ژولیاں کی وہ سوچتے رہنے کی عادت بالکل چھوٹ گئی۔

ایلیزا کسی مقدمے کے سلسلے میں وریئیر گئی۔ اس نے دیکھا کہ موسیو دا آل نو، ژولیاں سے بہت ناراض ہے۔ ایلیزا کو اتالیق سے بڑی نفرت تھی، چنانچہ وہ اکثر موسیو دا آل نو سے اس کی باتیں کرنے لگی۔

ایک دن وہ اس سے بولی "حضور، میں اگر آپ کو سچی بات بتا دوں تو میں کہیں کی نہ رہوں گی۔ خاص خاص باتوں میں بڑے لوگ سب ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں۔ اگر ہم غریب ملازموں کے منہ سے کوئی بات نکل جائے تو ہماری کبھی بخشش نہیں ہوتی۔"

موسیو دا آل نو کو ایسا تجسس اور اضطراب ہوا کہ اس نے کسی نہ کسی طرح ان رسمی فقروں کو وہیں ختم کرا دیا۔ اب اسے ایسی باتیں معلوم ہوئیں جن سے اس کے پندار کو بڑا صدمہ پہنچا اور وہ کٹ کٹ گیا۔

یہ عورت جو شہر میں سب سے ممتاز تھی جس کے پیچھے وہ چھ سال تک پھرا تھا اور بدقسمتی سے یہ بات ساری دنیا کو معلوم تھی، یہ مغرور ترین عورت جس کے حقارت آمیز رویے نے اسے اتنی دفعہ شرمندہ کیا تھا، اس نے عاشق بھی بنایا تو کس کو، ایک

معمولی کمیرے کو جس نے اتالیق کا روپ دھار رکھا تھا۔ مطبخ خانے کے منتظم کی ہزیمت خوردگی میں ویسے ہی کیا کسر رہ گئی تھی۔ اوپر سے پتہ چلا کہ مادام درینال بھی اپنے عاشق پر جان چھڑکتی ہے۔

پھر خادمہ نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ "اور موسیو ژولیاں نے انہیں لبھانے کی ذرا بھی تو کوشش نہیں کی۔ بیگم صاحب کے ساتھ ان کا روکھا پن ہمیشہ سے ویسا ہی ہے۔"

دیہات میں پہنچ کر ایلیزا کو اس بات کا پورا یقین ہوا تھا، لیکن اس کا خیال تھا کہ یہ معاشقہ بہت پہلے سے چل رہا ہے۔

وہ بڑی تلخی کے ساتھ کہنے لگی ـــ "یہی وجہ ہے کہ اُن دنوں انہوں نے مجھ سے شادی کرنے سے انکار کر دیا اور میں بھی کتنی بیوقوف ہوں کہ بیگم صاحب سے رائے لینے جاتی تھی اور ان کے پیروں پڑتی تھی کہ میری سفارش کر دیجیے۔"

اسی دن شام کو اخبار کے ساتھ ساتھ موسیو درینال کو شہر سے ایک گمنام خط ملا جس میں پوری تفصیلات کے ساتھ بتایا گیا تھا کہ اس کے گھر میں کیا آنکھ مچولی کھیلی جا رہی ہے۔ جب وہ نیلے کاغذ پر لکھا ہوا خط پڑھ رہا تھا تو ژولیاں نے دیکھا کہ وہ ایک دم سے زرد پڑ گیا اور بار بار اس کی طرف غصے کی نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ اس دن ساری شام میئر کا مزاج بگڑا ہی رہا۔ ژولیاں نے ذرا چاپلوسی کی نیت سے برگنڈی کے بہترین خاندانوں کے سلسلۂ نسب کے متعلق ایک دو سوال کیے، مگر لاحاصل۔

بیسواں باب

گمنام خط

جی کی مزے داریوں کو بے لگام مت چھوڑو۔ خون کی حدت سے بڑی بڑی قسمیں اس طرح جل کے راکھ ہو جاتی ہیں جیسے آگ میں تنکا۔

شیکسپیر

جب وہ آدھی رات کو دیوان خانے سے اٹھے تو ژولیاں نے موقع پا کر اپنی محبوبہ سے کہا:

"آج رات کو نہیں ملنا چاہیئے۔ تمہارے شوہر کو شبہ ہو گیا ہے۔ وہ جو ایک لمبا چوڑا خط ٹھنڈے سانس بھر کے پڑھ رہے تھے۔ مجھے پورا یقین ہے کہیں سے گم نام آیا ہے۔"

خوش قسمتی سے ژولیاں نے اپنے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ مادام دریناں کو ایک عجیب پاگل پن کی بات سوجھی۔ اسے خیال ہوا کہ یہ تنبیہہ دراصل میرے پاس نہ آنے کا بہانہ ہے۔ اس کا دماغ بالکل خراب ہو گیا اور وہ حسب معمول اس کے دروازے پر جا پہنچی۔ ژولیاں نے باہر کھٹکا سن کے فوراً چراغ گل کر دیا۔ کوئی اس کا

دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ مادام ورینال تھی یا اس کا غضب ناک شوہر؟

اگلے دن صبح سویرے باورچن جوژولیاں کا خاص خیال رکھتی تھی۔ ایک کتاب لے کے آئی جس کے سرورق پر اطالوی زبان میں لکھا تھا — "صفحہ ۱۳۰ دیکھو۔"

ژولیاں یہ ناعاقبت اندیشی دیکھ کر کانپ اٹھا۔ اس نے صفحہ ۱۳۰ کھولا۔ تو مندرجہ ذیل خط ایک پن سے لگا ہوا پایا۔ خط جلدی میں لکھا گیا تھا۔ ہجے تک درست نہ تھے، اور کاغذ پر جگہ جگہ آنسوؤں کے نشان تھے۔ عام طور سے مادام ورینال کا املا خاصا ٹھیک ہوتا تھا۔ اس تبدیلی کا ژولیاں کے دل پر بہت برا اثر پڑا، اور وہ ہولناک ناعاقبت اندیشی اس کی یاد سے محو ہونے لگی۔

"تو آج رات تم نے مجھے اندر نہیں آنے دیا؟ بعض اوقات تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مجھے تمہارے دل کی گہرائیوں کا کبھی پتہ نہیں چلا۔ تمہاری نظروں سے مجھے ڈر لگنے لگتا ہے۔ مجھے واقعی تم سے خوف معلوم ہوتا ہے۔ خدایا! کہیں ایسا تو نہیں کہ تمہیں مجھ سے کبھی پیار رہا ہی نہ ہو؟ اگر یہ بات ہے تو خدا کرے میرے شوہر کو ہمارے معاشقے کا پتہ چل جائے اور وہ مجھے عمر بھر کے لیے اپنے بچوں سے دور کہیں دیہات میں قید کر دیں۔ شاید خدا کی یہی مرضی ہے۔ خیر میرا تو جلدی ہی کام تمام ہو جائے گا۔ مگر تمہاری حیوانیت مسلم ہو جائے گی۔

"کیا تمہیں مجھ سے محبت نہیں رہی؟ کیوں، بے ایمان، کیا میری حماقتیں میری پشیمانی تمہیں بری لگی؟ کیا تم چاہتے ہو کہ میں کہیں کی نہ رہوں؟ لو میں تمہیں آسان سا طریقہ بتائے دیتی ہوں، جاؤ، اس خط کو لے جا کے سارے شہر کو دکھا دو۔ بلکہ صرف موسیو والنو کو دکھا دو۔ اسے بتا دو کہ مجھے تم سے پیار ہے، نہیں، ایسی

کفر کی بات منہ سے نہ نکالنا۔ اس سے کہنا کہ میں تو تمہیں پوجتی ہوں، میری زندگی، ہی اس دن شروع ہوئی ہے جب میں نے تمہیں پہلی بار دیکھا، لڑکپن کے ارمان بھرے لمحوں میں بھی وہ خوشی میرے خواب وخیال تک میں نہ آئی تھی جو تم نے مجھے عطا کی ہے۔ اسے بتا دینا کہ میں اپنی جان تو تم پر قربان کر ہی چکی ہوں، اب اپنی روح بھی تم پر نچھاور کرتی ہوں، تمہیں معلوم ہے کہ میں اس سے کہیں بڑی قربانی دے رہی ہوں۔

"لیکن اس آدمی کو قربانیوں کی کیا خبر؟ ذرا اس کا جی جلانے کے لئے کہنا کہ مجھے مفسدہ پرداز لوگوں کی بالکل پرواہ نہیں، اور میری نظروں میں اگر کوئی مصیبت ہے تو بس ایک، اور وہ یہ کہ میں جس واحد شخص کے لئے زندہ ہوں اس کا دل مجھ سے پھر جائے۔ اگر میں اپنی جان دے دوں، اپنی زندگی کی قربانی چڑھا دوں، اور بچوں کی طرف سے مجھے کوئی ڈر نہ رہے تو یہ بات میرے لئے جنت کے برابر ہے!

"پیارے دوست! اگر کوئی گمنام خط آیا ہے تو اس میں ذرا بھی شک نہیں، کہ یہ اسی منحوس نے بھیجا ہے جس کی حماقتوں نے پچھلے چھ سال سے مجھے تنگ کر رکھا ہے، اور جو آ آ کر مجھے اپنی موٹی اور بھدی آواز میں سناتا ہے کہ اس کا گھوڑا کیسے کودتا ہے اور اسے کیا کیا امتیاز حاصل ہیں۔

"اچھا تو کوئی گمنام خط آیا ہے؟ شریر! اسی کے متعلق تو میں تم سے باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ لیکن، نہیں۔ تم نے ٹھیک ہی کیا۔ اکیلے بیٹھ کے تو میں ٹھنڈے دل سے سوچ سکتی ہوں۔ مگر تم سے شاید آخری دفعہ بغل گیر ہونے کے بعد سوچنا سمجھنا میرے لئے ناممکن ہو جاتا۔ آج سے ہمارے لئے مسرت کا حصول اتنا آسان نہیں رہے گا۔ کیا اس سے تمہیں کچھ تکلیف ہو گی؟ ہاں ایسے دن جب تمہارے لئے

موسیو فوت کے پاس سے کوئی مزے دار کتاب نہ آئی ہوگی۔ اب یہ قربانی تو سمجھ کہ ہو گئی۔ چاہے کوئی گمنام خط آیا ہو یا نہ آیا ہو، مگر کل میں اپنے شوہر سے کہہ دوں گی کہ مجھے ایک گمنام خط ملا ہے اور اب تمہیں کچھ روپیہ دے دلا کر کسی معقول بہانے سے فوراً اپنے باپ کے پاس بھیج دینا چاہئے۔

"ہائے، پیارے دوست، ہم پندرہ دن یا شاید مہینہ بھر کے لئے جدا ہو رہے ہیں! لیکن میں تم سے بے انصافی نہیں کروں گی۔ تمہیں بھی اتنی ہی تکلیف ہوگی جتنی مجھے۔ بہر حال گم نام خط کا اثر زائل کرنے کا یہی ایک طریقہ ہے میرے شوہر کو ایسا خط کوئی پہلی دفعہ نہیں ملا۔ میرے متعلق پہلے بھی ایسے خط آتے رہے ہیں۔ افسوس، پہلے میں ان پر کتنا ہنسا کرتی تھی!

"میری اس ترکیب کا مقصد یہ ہے کہ میرے شوہر سمجھیں خط موسیو وال نو نے بھیجا ہے اور اس میں شک بھی نہیں کہ یہ حرکت اسی کی ہے۔ اگر تمہیں یہاں سے جانا پڑے تو دیکھو، ویری ئیر میں جا کے رہنا۔ میں کچھ ایسا کروں گی کہ میرے شوہر پندرہ دن کیلئے شہر جانے کو راضی ہو جائیں تاکہ وہ احمق لوگ دیکھ لیں۔ میرے اور ان کے درمیان کوئی نا چاقی نہیں ہے۔ شہر پہنچ کے تم ہر ایک سے دوستی گانٹھنا، یہاں تک کہ آزاد خیال جماعت والوں سے بھی۔ مجھے معلوم ہے، شہر بھر کی عورتیں تمہاری فکر میں پڑ جائیں گی۔

"موسیو وال نو سے جھگڑا مول نہ لینا اور نہ اس کے کان کاٹ کے گدھی کے پیچھے لگانا، جیسا تم ایک دن کہہ رہے تھے۔ بلکہ اس سے بڑے اخلاق کے ساتھ پیش آنا۔ لازمی چیز یہ ہے کہ شہر بھر میں مشہور ہو جائے۔ تم بچوں کی تعلیم کے لئے

وال تو یا کسی اور کے یہاں جا رہے ہو۔

"یہ بات میرے شوہر کو کبھی گوارا نہیں ہوگی۔ لیکن اگر وہ اسے پی گئے تو بھی کم سے کم تم دیر تیرہیں تو رہو گے، اور میں کبھی کبھی تم سے مل لیا کروں گی۔ میرے بچوں کو تم سے بڑا لگاؤ ہے، وہ تم سے ملنے جایا ہی کریں گے۔ خدا کی قسم، جب میں دیکھتی ہوں کہ بچوں کو تم سے محبت ہے تو مجھے اُن سے اور پیار ہو جاتا ہے۔ مگر مجھے ندامت بھی کتنی ہے! آخر اس کا انجام کیا ہونا ہے؟ میں تو بہکنے لگی۔ . . . اچھا تم سمجھ گئے نا کہ تمہیں کیا کرنا ہے؟ ان بدتمیز لوگوں سے حقارت کے ساتھ پیش نہ آنا۔ جہاں تک ہو سکے ملائمت اور اخلاق برتنا۔ میں تمہارے پیروں پڑتی ہوں۔ ہماری قسمت کا فیصلہ انہیں لوگوں کے ہاتھ ہے۔ اس بات کا خیال رہے کہ تمہارے سلسلے میں میرے شوہر بالکل وہی کریں گے جو رائے عامہ کہے گی۔

"یہ گمنام خط تمہیں فراہم کرنا ہوگا۔ بس تھوڑے سے صبر اور ایک قینچی کی ضرورت ہے۔ نیچے جو الفاظ لکھے ہیں انہیں کسی کتاب میں سے کاٹ کے نکال لو۔ میں ایک نیلا کاغذ بھیج رہی ہوں۔ جو موسیو وال نو کے یہاں سے آیا تھا۔ ان الفاظ کو گوند سے کاغذ پر چپکا دو۔ اپنے کمرے کی تلاشی کے لئے تیار رہنا۔ جس کتاب میں سے لفظ کاٹو اسے جلا دینا۔ اگر پورے پورے لفظ نہ ملیں، تو ذرا تکلیف تو ہوگی، مگر حرف حرف کر کے لفظ بنا لینا۔ میں نے یہ گمنام خط مختصر سا ہی لکھا ہے۔ تاکہ تمہیں زحمت نہ ہو۔ ہائے، اگر کہیں تمہیں مجھ سے محبت نہیں رہی۔ (جیسا مجھے ڈر ہے) تو میرا خط تمہیں کتنا طول طویل معلوم ہوگا۔

گم نام خط

"بیگم صاحبہ!

آپ کی ساری کارروائیوں کا حال معلوم ہو چکا ہے۔ لیکن جو لوگ آپ کو ان حرکتوں سے روکنا اپنا فرض سمجھیں گے انہیں آگاہ کر دیا گیا ہے۔ میرے دل میں ابھی آپ کی تھوڑی سی جگہ باقی ہے۔ اس لئے میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس مزدور بچے کو بالکل چھوڑ دیجئے۔ اگر آپ سمجھداری سے کام لے کر اس ہدایت پر عمل کریں گی تو آپ کے شوہر کو خیال ہو گا کہ یہ جو کسی نے مجھے خبر دی ہے تو اصل میں مجھے بہکایا ہے۔ اور انہیں اس غلطی سے آگاہ نہیں کیا جائے گا۔ یہ بات یاد رکھئے کہ مجھے آپ کا راز معلوم ہے۔ بدنصیب عورت، تمہیں اس خیال سے کانپتے رہنا چاہیئے۔ آئندہ سے تمہیں میرے بتلائے ہوئے راستے پر چلنا ہے۔

"اس خط میں دال تو کا اندازہ ہے یا نہیں؟ جب یہ سارے لفظ کاٹ کاٹ کر چپکا لو تو اپنے کمرے سے باہر نکل آنا۔ میں مکان میں کہیں نہ کہیں تم سے آملوں گی۔

"میں گاؤں چلی جاؤں گی۔ اور وہاں سے گھبراتی ہوئی واپس آؤں گی اور واقعی مجھے پریشانی ہو گی بھی بہت۔ خدایا! میں کیسا خطرہ مول لے رہی ہوں، اور محض اتنی بات پر کہ تمہیں خیال ہے کوئی گم نام خط آیا ہے۔ پھر آخر بڑا غم زدہ سا چہرہ بنا کر یہ خط اپنے شوہر کو دوں گی اور کہوں گی کہ ایک انجان آدمی نے مجھے لا کر دیا ہے اور تم بچوں کو ساتھ لے کر جنگل کی طرف ٹہلنے نکل جانا، اور کھانے کے وقت سے پہلے واپس نہ آنا۔

"چٹانوں کے اوپر سے کبوتر خانے کا مینار دکھائی دیتا ہے۔ اگر سب ٹھیک ٹھاک رہا تو میں وہاں ایک سفید رومال لگا دوں گی۔ اگر معاملہ بگڑ گیا تو پھر وہاں تمہیں کچھ نظر نہیں آئے گا۔

"ناشکرے آدمی، کیا تمہارے دل میں میرے لئے اتنی جگہ ہے کہ بسبر کو جانے سے پہلے کسی نہ کسی طرح مجھے بس یہ بتا جاؤ کہ تمہیں مجھ سے پیار ہے؟ میرا چاہے جو حشر ہو، لیکن ایک بات کا یقین رکھو۔ اگر مجھے تم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہونا پڑا تو میں ایک دن بھی زندہ نہ رہوں گی۔ ہائے، میں کتنی بدنصیب ماں ہوں! پیارے ژولیاں، یہ لفظ یونہی میرے قلم سے نکل گئے۔ مجھے یہ بات محسوس ہی نہیں ہو رہی۔ اس وقت تو مجھے تمہارے سوا اور کسی چیز کا خیال ہی نہیں آ رہا۔ یہ لفظ تو میں نے صرف اس لئے لکھ دیئے کہ کہیں تم مجھے بُرا نہ سمجھنے لگو۔ اب بچھڑنے کا وقت ہی آ گیا تو پھر بننے سے کیا فائدہ؟ ہاں، چاہے تم مجھے کتنا ہی سیہ کار کیوں نہ سمجھو، لیکن میں اس آدمی سے جھوٹ نہیں بولوں گی جس کی میں پرستش کرتی ہوں! اپنی زندگی میں میں نے پہلے ہی کون سے کم فریب کھائے ہیں۔ جاؤ، اگر تمہیں مجھ سے محبت نہیں رہی تو میں تمہیں معاف کرتی ہوں۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ اپنا خط دوبارہ پڑھ کے دیکھ لوں میں نے تمہارے بازوؤں میں ایسے خوشی کے دن گزارے ہیں کہ اگر ان کے بدلے مجھے اپنی جان بھی دینی پڑے تو سمجھوں گی کہ کوئی بات نہیں۔ تمہیں معلوم ہے کہ مجھے اس سے بھی بڑی قیمت ادا کرنی پڑے گی"۔

اکیسواں باب

آقا سے بات چیت

افسوس! اس کی وجہ ہم نہیں ہیں بلکہ ہماری کمزوری۔
کیونکہ جیسا ہمارا خمیر ہوگا ویسے ہی ہم ہوں گے۔
شیکسپیئر

ژولیاں نے گھنٹہ بھر بیٹھ کے لفظ چپکائے، اور اس کام میں اسے بچوں کی طرح مزا آیا۔ وہ کمرے سے باہر نکلا تو اپنے شاگرد اور ان کی ماں نظر آئی۔ مادام دریناں نے خط بڑے حوصلے کے ساتھ سیدھے سبھاؤ لے لیا۔ اسے اتنا پُرسکون دیکھ کر ژولیاں ڈر سا گیا۔

"گوند خشک ہو گیا؟" وہ بولی۔

"کیا یہ وہی عورت ہے جو ندامت کے مارے پاگل ہوئی جا رہی تھی؟" ژولیاں نے دل میں کہا۔ "اب اس کے کیا ارادے ہیں؟" اس کے پندار نے یہ بات پوچھنے نہ دی۔ مگر مادام دریناں شاید اسے کبھی اتنی اچھی نہیں لگی تھی جتنی اس وقت۔

وہ اسی اطمینان کے ساتھ کہنے لگی۔ "اگر بات بگڑ گئی تو میرا سب کچھ چھن جائے گا

لو، یہ صندوقچہ کہیں پہاڑوں میں گاڑ دینا۔ ممکن ہے ایک دن ایسا آئے جب اس کے سوا میرا کوئی اور سہارا نہ رہے۔"

اس نے ژولیاں کو سرخ چمڑے کا ایک صندوقچہ دیا جس کے اوپر شیشہ لگا تھا اور اندر دو چار ہیرے اور سونے کے زیور بھرے تھے۔

"اچھا اب جاؤ۔" وہ بولی۔

اس نے بچوں کو گلے لگایا اور سب سے چھوٹے بچے کو دو دفعہ پیار کیا۔ ژولیاں ہکا بکا رہ گیا۔ وہ اس کی طرف دوبارہ دیکھے بغیر تیز تیز قدم اٹھاتی چل دی۔

وہ گمنام خط کھولنے کے بعد سے موسیو رینال کے لئے زندگی ایک بارِ گراں بن کے رہ گئی تھی۔ ۱۸۱۶ء میں ایک دفعہ وہ ڈوئیل لڑنے سے بال بال بچا تھا۔ اس دن سے لے کر آج تک اسے اتنی پریشانی کبھی نہیں ہوئی تھی اور انصاف کی بات تو یہ ہے کہ اگر اس وقت گولی لگنے کا اندیشہ ہوتا تو بھی اسے اتنی گھبراہٹ نہ ہوتی۔ اس نے ہر ہر طریقے سے خط پر غور کیا۔ پہلے تو دل میں کہنے لگا۔ "یہ تو کسی عورت کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے نا؟ اس صورت میں یہ کون عورت ہو سکتی ہے؟" وہ شہر کی جتنی عورتوں سے واقف تھا سب پر باری باری سے غور کیا، مگر کوئی ایسی نظر نہ آئی جس پر شبہ کیا جا سکے۔ ممکن ہے کوئی مرد بولتا گیا ہو اور عورت لکھتی گئی ہو؟ یہ آدمی کون ہے؟ یہاں بھی تذبذب کا عالم رہا۔ وہ جتنے لوگوں سے واقف تھا ان میں سے زیادہ تر اس سے جلتے تھے بلکہ نفرت کرتے تھے۔ وہ جس آرام کرسی پر گر پڑا تھا اس سے اٹھا اور حسبِ عادت دل میں بولا:

"بیوی سے مشورہ لینا چاہئے۔"

وہ اٹھا ہی تھا کہ اپنے سر پہ دو ہتڑ مار کر کہنے لگا — "خدایا! وہی تو ایک آدمی ہے جس کا مجھے اعتبار نہیں کرنا چاہئے۔ آج سے وہ میری دشمن ہے۔" اور غصے کے مارے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

تعصبات میں اکل کھرے پن ہی کو عقلمندی کا سرچشمہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کا اچھا پھل ملا کہ اس وقت موسیو درینال کو سب سے زیادہ جن دو آدمیوں سے ڈر لگ رہا تھا۔ وہ اس کے سب سے گہرے دوست تھے۔

"ان دو کے علاوہ شاید میرے دس دوست اور ہیں۔" اور اس نے ایک ایک کر کے اپنے دل میں سب کا جائزہ لیا اور اس بات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ کس آدمی سے مجھے کتنی تسلّی ملے گی۔ پھر وہ غصے کے مارے چلّا اٹھا — "ان سب کو۔ ان سب میں سے ایک ایک کو میری مصیبت پر انتہائی خوشی ہوگی۔" اتنی بات اچھی ہوئی کہ اس کے خیال میں لوگ اس سے جلتے تھے، اور یہ ٹھیک بھی تھا۔ ایک تو شہر میں اس کے پاس بڑا نفیس مکان تھا۔ جس میں ایک رات گزار کر بادشاہ سلامت نے اسے ابدی سعادت بخش دی تھی۔ پھر اس نے ورژی کے بنگلے کو بھی درست کر کے دلہن بنا دیا تھا۔ سامنے کے حصے پر سفید رنگ تھا، کھڑکیوں میں پیارے پیارے سبز رنگ کے کواڑ لگے تھے۔ اپنی اس شان و شوکت کا خیال آیا تو اسے دم بھر کے لئے تسلّی ہوئی۔ بات یہ تھی کہ اس کا بنگلہ سات آٹھ میل کے فاصلے سے نظر آتا تھا۔ اس کے مقابلے میں آس پاس کے مکان (جنہیں لوگ بنگلہ کہتے تھے) بڑے بُرے معلوم ہوتے کیونکہ وقت کے ہاتھوں اُن کا رنگ سیاہ پڑ گیا تھا اور ان کے مالکوں نے بھی اس طرف کوئی توجہ

نہ کی تھی۔

موسیو درینال کو بس اپنے ایک دوست یعنی گرجا کے مہتمم کی ہمدردی اور آنسوؤں کا بھروسہ تھا، مگر وہ تو بالکل فاترالعقل آدمی تھا، اور ہر بات پہ رونے لگتا تھا۔ بہرحال یہ آدمی اس کا آخری سہارا تھا۔

"مجھ پر جو مصیبت پڑی ہے اس کی مثال کہیں مل سکتی ہے؟" وہ آگ بگولا ہو کر بولا۔ "بھلا میری طرح بھی کوئی بے یار و مددگار ہوگا؟"

اس کی حالت واقعی رحم کے قابل ہو چکی تھی۔ وہ اپنے آپ سے پوچھنے لگا۔ "کیا یہ حقیقت ہے کہ میرا ایک بھی ایسا دوست نہیں جس سے مصیبت کے وقت مشورہ لے سکوں؟ میرا تو دماغ خراب ہوا جا رہا ہے، مجھے صاف نظر آ رہا ہے! ہائے، فال کوز! ہائے، دیوکرو!" وہ غم کے مارے چیخ اٹھا۔ یہ دونوں اس کے بچپن کے دوست تھے، جن سے اپنی اکڑ بازی کے سبب اس نے ۱۸۱۴ء میں بگاڑ کر لیا تھا۔ اس وقت تک ساری عمر ان میں برابری کا سلوک رہا تھا، لیکن چونکہ وہ شریف خاندان کے نہیں تھے، اس لیے درینال کا رویہ بدل گیا تھا۔

ان میں سے ایک یعنی فال کوز بڑے دل گردے کا آدمی تھا اور ساتھ ہی ذہین اور طباع بھی۔ وریئیر میں وہ کاغذ کی تجارت کرتا تھا۔ اس نے صوبے کے سب سے بڑے شہر میں ایک چھاپہ خانہ خرید لیا، اور ایک اخبار بھی نکال ڈالا۔ کلیسا کو اس سے ایسی مخاصمت ہوئی کہ اس کی بربادی کے منصوبے گانٹھے جانے لگے۔ اس کا اخبار مردود قرار پایا، اور چھاپے خانے کا لائسنس چھین لیا گیا۔ ان افسوسناک حالات میں اس نے دس سال میں پہلی مرتبہ موسیو درینال کو ایک خط لکھا۔ وریئیر

کے مدبر نے قدیم رومیوں کے انداز میں جواب دینا اپنا فرض سمجھا" اگر بادشاہ سلامت کے وزیر نے مجھ سے رائے طلب فرمائی تو میں کہوں گا کہ صوبے کے سارے چھاپے خانے والوں کو تہس نہس کر دیجئے، اور تمباکو کی تجارت کی طرح اس کام کو بھی حکومت کی تحویل میں لے آئیے"۔ اس وقت سارا شہر اس خطبہ پر عش عش کر اٹھا تھا۔ لیکن اب موسیو ورینال اس کا ایک ایک لفظ یاد کر کے خجل ہو رہا تھا۔ بھلا کون کہہ سکتا تھا کہ اپنی دولت، اپنی عزت اور اپنے خطابات کے باوجود ایک دن مجھے اس پہ ندامت ہوگی؟ کبھی تو وہ غصے کے مارے خود اپنے اوپر لال پیلا ہونے لگتا کبھی دوسروں پر۔ غرض یہ رات اس نے اسی اذیت میں بسر کی۔ لیکن خوش قسمتی سے اسے اپنی بیوی کی نگرانی کرنے کا خیال نہیں آیا۔

وہ دل میں کہنے لگا "میں اس سے مانوس ہو گیا ہوں۔ وہ میرے سارے معاملات اچھی طرح جانتی ہے۔ اگر مجھے دوبارہ شادی کرنے کا اختیار مل بھی جائے تو بھی کوئی ایسی عورت نہیں مل سکے گی۔ جو اس کی جگہ لے سکے" پھر وہ اپنی تسلی کی خاطر یہ سوچنے لگا کہ میری بیوی بے گناہ ہے۔ اس نقطۂ نظر میں ایک تو سہولت کہیں زیادہ تھی۔ دوسرے موسیو ورینال کو اپنے کردار کی مضبوطی دکھانے کی ضرورت باقی نہ رہتی تھی۔ ایسے بیسیوں واقعات سبھی نے دیکھے ہیں کہ بچاری بیوی پر جھوٹ موٹ الزام لگا یا گیا ہو!

پھر وہ ایک دم سے اضطرار کے عالم میں فرش پر ادھر سے اُدھر ٹہلنے لگا۔ اور بولا "کیا میں کوئی کاٹھ کا الو یا کوئی بھک منگا ہوں کہ وہ تو اپنے یار کے ساتھ گلچھرے اڑائے اور میں ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کا مصداق بنا رہوں؟

کیا میں ایسا ہونے دوں گا کہ شہر بھر میری بے فکری کا مذاق اڑائے؟ نثار میٹے کے متعلق لوگوں نے کیا کیا نہیں کہا؟ (یہ شخص علاقے بھر میں اپنی بیوی کی بے وفائی کے سبب مشہور تھا) اس کا نام آتے ہی ہر آدمی مسکرا پڑتا ہے یا نہیں؟ وہ بڑا اچھا وکیل ہے۔ تقریر کے فن میں ماہر ہے، لیکن آج ان باتوں کا ذکر کون کرتا ہے؟ لوگ تو کہتے ہیں ــــ آہا، نثار میٹے! برنار والا نثار میٹے! یعنی لوگ بچارے کو اس آدمی کے نام سے یاد کرتے ہیں جس نے اس کی تذلیل کی ہے۔"

کچھ دیر ٹھہر کے موسیو دربتال نے کہا ــــ "خدا کا شکر ہے میرے کوئی بیٹی نہیں ہے اور میں ان کی ماں کو جس طرح کی سزا دینے والا ہوں۔ اس سے میرے بچوں کی زندگی پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑے گا۔ ممکن ہے کسی دن یہ مزدور بچہ اور میری بیوی ساتھ ساتھ ہوں، اور میں ایکا ایکی انہیں جا پکڑوں اور دونوں کو موت کے گھاٹ اتار دوں۔ اس المناک انجام کے بعد یہ سارا واقعہ شاید اتنا مضحکہ خیز نہ رہے۔" یہ خیال اُسے پسند آیا، اور اس نے بیٹھ کے پوری تفصیلات طے کیں "قانونِ تعزیرات میری طرف ہے، اور چاہے کچھ بھی ہو۔ مجھے کلیسا کی حمایت حاصل ہوگی، پھر جیوری کے لوگ میرے دوست ہوں گے ہی، وہ مجھے بچالیں گے"۔ اس نے اپنا شکاری چاقو نکال کے دیکھا جس کا پھل بڑا تیز تھا، لیکن خون بہانے کا خیال آتے ہی وہ ڈر گیا۔

"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں اس بدتمیز اتالیق کو مارتے مارتے اس کا بھرکس نکال دوں اور گھر سے چلتا کروں۔ لیکن ویریئیر میں، بلکہ پورے صوبے میں کتنا ہنگامہ ہوگا! فال کوز کا اخبار بند ہونے کے بعد جب اس کا ایڈیٹر جیل سے نکلا تو اُسے

چھ سو فرانک کی ملازمت سے برطرف کرانے میں میرا ہی ہاتھ تھا۔ سنا ہے کہ یہ ٹٹ پونجیا پھر بساں تسوں میں آپہنچا ہے۔ ممکن ہے وہ میری پگڑی اچھالے اور اپنی چالاکی سے کام لے کہ میں عدالت سے چارہ جوئی بھی نہ کرسکوں! وہ بدتمیز بزار طریقے سے یہ جتانے کی کوشش کرے گا کہ جو کچھ اس نے لکھا ہے وہ سب سچ ہے۔ نیچے درجے کے لوگ عالی نسب خاندان سے ہمیشہ نفرت کرتے ہیں اور خصوصاً ایسے شخص سے جسے اپنے مرتبے پر ناز ہو۔ میرا نام پیرس کے اُن منحوس اخباروں میں نکلے گا۔ خدایا! کتنی ذلت کی بات ہے! لوگ میرے قدیم خاندانی نام پر ہنسیں۔ میں اُسے کیچڑ میں لتھڑا ہوا دیکھوں! . . . اگر میں نے کبھی سفر کیا تو مجھے نام بدلنا پڑے گا۔ ہیں! یہ نام چھوڑنا پڑے گا۔ جو میرا سرمایۂ افتخار ہے، جو میری قوت ہے۔ اس سے بڑھ کے کیا ذلت ہوگی!

”اگر میں بیوی کو جان سے نہ ماروں بلکہ ذلیل کر کے نکال دوں تو بساں تسوں میں اُس کی خالہ موجود ہے جو اپنی ساری دولت چُپ چاپ اُسے تھما دے گی۔ میری بیوی اطمینان سے ژولیاں کے ساتھ جا کے پیرس میں رہنے لگے گی۔ وریئیر والوں کو اس کا پتہ چل ہی جائے گا اور لوگ پھر مجھے اُلّو سمجھیں گے۔“ لیمپ کی روشنی مدھم پڑ چکی تھی۔ اس بدنصیب انسان نے اس سے اندازہ لگایا کہ اب دن نکلنے والا ہے۔ وہ کھلی ہوا میں سانس لینے کی غرض سے باہر باغ میں نکل گیا۔ اب اس نے تقریباً فیصلہ کر لیا کہ میں غل شور نہیں مچاؤں گا۔ کیونکہ اس بات سے میرے دوستوں کو بڑی خوشی ہوگی۔

باغ میں ٹہلنے سے دل میں ذرا ٹھنڈک پڑی، اور وہ کہنے لگا: ”نہیں، میں اپنی

بیوی کو الگ نہیں کروں گا۔ اس کے ہونے سے بڑا فائدہ ہے۔" اس نے سوچا کہ بیوی کے بغیر گھر کی کیا حالت ہو گی تو اسے گھبراہٹ ہونے لگی۔ عورتوں میں اس کی بس ایک ہی رشتے دار تھی۔ مارکوتش ر۔۔۔ کی بیوی۔ مگر وہ بڑھیا بڑی احمق اور بدمزاج تھی۔

اُسے ایک بڑی معقول بات سوجھی، لیکن اس پر عمل کرنے کے لئے کردار کی اتنی پختگی چاہیئے تھی جتنی قدرت نے بچارے کو عطا نہیں کی تھی۔ وہ دل میں کہنے لگا: "میں بیوی کو اپنے پاس رہنے بھی دوں، مگر اپنی طبیعت سے خوب واقف ہوں۔ اگر کسی دن مجھے اس کی کسی بات پر غصّہ آ گیا تو میں اسے طعنے دینے لگوں گا۔ کہ تمہاری یہ حرکتیں ہیں۔ وہ ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتی۔ ہماری ضرور جھپٹ ہو جائے گی اور یہ ساری باتیں اُسے خالہ کی جائداد ملنے سے پہلے ہوں گی۔ پھر لوگ میرا کیسا مذاق اڑائیں گے! میری بیوی کو اپنے بچوں سے بڑی محبت ہے۔ جائداد تو آخر میں انہیں مل جائے گی۔ لیکن میں؟ میرا نام شہر بھر میں نکل جائے گا۔ لوگ کہیں گے کہ اس سے اپنی بیوی کو سزا تک نہ دی جا سکی! کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ میں اپنے شبہات کو یونہی رہنے دوں اور اصلی بات کا پتہ چلانے کی کوشش ہی نہ کروں؟ پھر میرے ہاتھ اپنے آپ سے اپنے آپ بندھ جائیں گے۔ مجھے کچھ معلوم ہی نہ ہو گا تو طعنہ کس بات کا دوں گا؟"

ایک لمحے بعد اس کے زخم خوردہ پندار نے اسے پھر تنگ کرنا شروع کر دیا اور وہ بڑی محنت سے وہ سارے قصے یاد کرنے لگا جو شہر کے بلیرڈ روم یا کلب میں سنے تھے۔ وہاں اکثر ایسا ہوتا تھا کہ کوئی لسان آدمی کھیلتے کھیلتے رک جاتا اور کسی

فریب خوردہ شوہر کی داستان محض تفنن طبع کی خاطر سنانے لگتا۔ اس وقت موسیو ریبال کو وہ لطیفے بازی بڑی سنگدلی کی بات معلوم ہوئی۔

"خدایا، میری بیوی مر کیوں نہ گئی! پھر لوگ میرا مذاق نہ اڑا سکتے! میں رنڈوا کیوں نہ ہو گیا! میں چھ مہینے کے لئے پیرس چلا جاتا اور وہاں اچھے سے اچھے لوگوں کی صحبت مجھے نصیب ہوتی۔" رنڈوا ہو جانے کے تصور سے دو چار منٹ تو اس کے اچھے گزرے، مگر وہ پھر اسی ادھیڑ بن میں پڑ گیا کہ حقیقت کیسے معلوم کی جائے۔ یہ ترکیب کیسی رہے گی کہ جب سارا گھر سو جائے تو آدھی رات کو ڑولیاں کے کمرے کے باہر تھوڑی سی بھوسی بچھا دی جائے؟ اگلے دن صبح سویرے قدموں کے نشان دکھائی دے جائیں گے۔

"لیکن یہ ٹھیک نہیں ہے۔" وہ ایک دم سے غصے میں بھر کے بولا۔ "وہ کم بخت ایلیزا دیکھ لے گی اور فوراً گھر بھر میں یہ بات اُڑ جائے گی کہ مجھے اپنی بیوی پر شک ہے۔"

بلیرڈ روم میں ایک اور قصہ مشہور تھا جس میں ایک شوہر نے اپنی مصیبت کا پتہ بالکل نئے طریقے سے چلایا تھا۔ اُس نے اپنی بیوی اور اس کے عاشق کے دروازوں پر موم سے ایک بال چپکا کر گویا مہر لگا دی تھی۔

کئی گھنٹے کی دُبدھا کے بعد اصلیت معلوم کرنے کا یہ طریقہ اسے سب سے اچھا لگا اور وہ سوچ ہی رہا تھا کہ اب یہی کر کے دیکھا جائے کہ اتنے میں پگڈنڈی کے موڑ پر اُسی بیوی سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ جس کی موت کی دعائیں وہ اتنی دیر سے مانگ رہا تھا وہ گاؤں سے واپس آ رہی تھی۔ وہ ورژی کے گرجا میں نماز کے لئے گئی تھی

یہاں ایک روایت مشہور تھی جو کسی خشک مزاج فلسفی کی نظروں میں تو نامعتبر ٹھہرے گی۔ مگر مادام ورینال کو اس پر پورا یقین تھا۔ اس روایت کے مطابق یہ چھوٹا سا گرجا جو آج کل سب کے لئے کھلا ہوا تھا، ایک زمانے میں ورژی کے نواب کا ذاتی معبد تھا اور قلعے کے اندر تھا۔ مادام ورینال گرجا کے اندر اپنا وقت دعا میں گزارنا چاہتی تھی مگر اس کے بجائے یہ خیال اس کے دماغ پر مسلط ہو گیا۔ وہ اپنے تصور میں یہی دیکھتی رہی کہ میرا شوہر ژولیاں کو کہیں شکار میں جان سے مار ڈالے گا جیسے یہ حادثہ اتفاقاً ہو گیا ہو، اور پھر اسی شام کو مجھے ژولیاں کا دل کھلائے گا۔

وہ دل میں کہنے لگی ــــ "اب میری قسمت کا فیصلہ اس پر ہے کہ وہ میری بات سن کر کیا سوچتا ہے۔ یہ پندرہ منٹ، تو ایسے گزریں گے جیسے میں موت کے منہ میں کھڑی ہوں۔ اس کے بعد شاید مجھے اس سے بات کرنے کا موقع پھر کبھی نہیں ملے گا۔ اس میں سمجھ بوجھ تو ہے نہیں۔ نہ وہ عقل سے کام لیتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو شاید میں اپنی کمزور عقل کی مدد سے کچھ پیشین گوئی کر سکتی کہ وہ کیا کرے گا اور کیا کہے گا۔ مگر یہ شخص تو من موجی ہے۔ جب اسے غصہ آتا ہے تو وہ بالکل اندھا ہو جاتا ہے اور اسے کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ ہماری قسمت کا فیصلہ اس آدمی کے ہاتھ ہے لیکن پھر بھی اگر میں ہوشیاری دکھاؤں اور اس کے خیالات کو اپنے حسبِ منشا ایک ڈھرے پر لگا سکوں تو میں اپنا بچاؤ کر سکتی ہوں۔ خدایا، اس وقت مجھے ہوشیاری چاہیے۔ ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی صلاحیت چاہیے۔ یہ چیزیں مجھے کہاں ملیں گی؟"

باغ میں داخل ہوتے ہی اور اپنے شوہر کو دور سے دیکھتے ہی اسے کھویا

ہوا سکون واپس مل گیا جیسے کسی نے جادو کر دیا ہو۔ موسیو درینال کے بکھرے ہوئے بالوں اور مسلے وسلے کپڑوں سے پتہ چلتا تھا کہ رات وہ سو نہیں سکا۔

مادام درینال نے اسے ایک خط دیا۔ جس کی مہر تو ٹوٹی ہوئی تھی مگر کاغذ تہہ کیا ہوا تھا۔ موسیو درینال نے خط کھولے بغیر بیوی کی طرف ایسے دیکھا جیسے کچا چبا جائے گا۔

وہ بولی —— "لو یہ بلا مجھے ایک انجان آدمی نے دی ہے۔ میں وکیل کے باغ کے پیچھے سے گزر رہی تھی تو وہ مجھے ملا تھا اور کہتا تھا کہ میں موسیو درینال کو اچھی طرح جانتا ہوں اور ان پر میرا بڑا احسان ہے۔ اب میری آپ سے ایک التجا ہے اور وہ یہ کہ ان ژولیاں صاحب کو فوراً اپنے گھر چلتا کیجئے"۔ مادام درینال کو یہ نام زبان سے نکالنے کے خیال سے ایسی گھبراہٹ ہو رہی تھی کہ اس پریشانی سے چھٹکارا پانے کے لئے جلدی سے، بلکہ شاید وقت سے پہلے ہی بات کہہ ڈالی۔

یہ دیکھ کر اسے بڑی مسرت ہوئی کہ اس کی بات سنتے ہی اُس کے شوہر کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ موسیو درینال نے اسے کچھ اس طرح ٹکٹکی باندھ کے دیکھا کہ وہ سمجھ گئی ژولیاں نے بالکل صحیح اندازہ لگایا تھا۔ اس وقت جو مصیبت درپیش تھی اس پر پریشان ہونے کی بجائے وہ دل میں کہنے لگی —— "کیا ذہانت ہے کیا سمجھ بوجھ ہے! اور پھر اس عمر میں، اور اس حالت میں کہ ابھی اسے دنیا کا کوئی تجربہ ہی نہیں ہے! آئندہ چل کے وہ نہ معلوم کتنی ترقی کرے گا! مگر افسوس! اپنی کامیابیوں کے آگے وہ مجھے بالکل بھول جائے گا"۔

جس آدمی پر وہ جان چھڑکتی تھی۔ یہ جو تحسین کا جذبہ پیدا ہوا تو اپنی ساری

پریشانی اس کے دل سے محو ہو گئی۔

وہ خود اپنے آپ کو داد دینے لگی کہ میں نے بھی کیا بات پیدا کی ہے۔ "میں نے ثابت کر دکھایا ہے کہ میں ژولیاں کے لائق ہوں"۔۔۔ یہ سوچتے ہوئے اسے ایک شیرینی سی، ایک پوشیدہ لذّت سی محسوس ہوتی۔

موسیو درینال ابھی کسی خاص رائے کا اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا، چنانچہ اس نے ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالا، اور اس دوسرے گمنام خط کو غور سے دیکھنے لگا جو آپ کو یاد ہوگا کہ چھپے ہوئے الفاظ نیلے کاغذ پر چپکا چپکا کر تیار کیا گیا تھا۔ موسیو درینال تھک کے چور ہو چکا تھا۔ وہ دل میں بولا۔۔۔ "یہ لوگ طرح طرح سے مجھے اُلّو بنا رہے ہیں"۔

"مجھے ذلیل کرنے کی یہ اور کوششیں ہو رہی ہیں، اب مجھے ان کی تفتیش کرنی پڑے گی اور یہ سب میری بیوی کی وجہ سے ہو رہا ہے"۔ قریب تھا کہ وہ بیوی پر گندی گالیوں کی بوچھاڑ شروع کر دے، مگر بساں سوں میں جو دولت مادام درینال کی منتظر تھی اس کا خیال آتے ہی وہ رُک گیا۔ مگر وہ مجبور ہو رہا تھا کہ کسی نہ کسی چیز پر غصہ اتارے، چنانچہ اس نے خط کا کاغذ پھاڑ دیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ادھر سے ادھر ٹہلنے لگا۔ اسے اپنی بیوی کی قربت برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ دو چار منٹ بعد وہ پھر اس کے پاس لوٹ آیا۔ اب اسے کچھ سکون سا آ گیا تھا۔

وہ فوراً کہنے لگی ۔۔۔ "اب ہمیں جلدی کوئی فیصلہ کرنا چاہئے اور ژولیاں کو واپس بھیج دینا چاہئے۔ آخر وہ مزدوری کا تو بیٹا ہے۔ کچھ پیسے دے دلا کے اس کی

اشک شوئی کی جا سکتی ہے۔ پھر وہ ہوشیار آدمی ہے۔ اُسے موسیو دال نویا نائب ناظم موٹری رون کے یہاں آسانی سے ملازمت مل سکتی ہے۔ دونوں کے نیچے ہیں غرض یہاں نوکری چھٹنے سے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

"تم تو بالکل بیوقوفی کی باتیں کرتی ہو" موسیو دریناال نے گرج کر کہا۔ "عورتوں سے سمجھ بوجھ کی توقع ہو بھی کیسے سکتی ہے؟ تم لوگ عقل کی بات تو کبھی غور سے سنتی ہی نہیں۔ پھر تمہیں دین و دنیا کا کیا ہوش ہو سکتا ہے؟ تم لوگ کاہل وجود اور بے فکری ہوتی ہو۔ تمہیں کوئی کام ہے تو بس یہ کہ چلتی ہوا سے لڑا کرو۔ عورتیں ہوتی ہی کمزور ہیں۔ یہ ہم مردوں کی بدقسمتی ہے کہ انہیں گھر میں رکھنا پڑتا ہے ۔۔۔"

مادام دریناال نے اسے بولنے دیا، اور وہ جی بھر کے بولا۔ وہ تو اپنا غصہ اتار رہا تھا۔

آخر وہ کہنے لگی ۔۔ "دیکھئے میں نے تو اس وجہ سے یہ بات کہی ہے کہ میں عورت ہوں اور میری عزت یعنی سب سے قیمتی چیز پر حملہ ہوا ہے۔"

یہ گفتگو بڑی صبر آزما تھی لیکن مادام دریناال نے اپنے سکون میں فرق نہ آنے دیا۔ کیونکہ اگر ژولیاں کے ساتھ ایک ہی مکان میں رہنے کا کوئی امکان نہ تھا تو اس کا دارومدار اسی گفتگو پر تھا۔ وہ سوچ سوچ کر ایسی باتیں کہہ رہی تھی۔ جن سے اس کے شوہر کا اندھا غصہ اس کے بتائے ہوئے ڈھرے پر چل سکے۔ شوہر نے جتنی توہین آمیز باتیں کہیں اس نے ان کا ذرا اثر نہ لیا۔ بلکہ وہ تو سُن ہی نہ رہی تھی۔ اسے توژولیاں کا خیال لگا ہوا تھا "وہ مجھ سے خوش ہو گا یا نہیں؟"

"یہ لڑکا جس پر ہم نے اتنی مہربانیاں کی ہیں اور جسے ہم نے اتنے تحفے دیئے

ہیں، ممکن ہے معصوم ہو۔" آخر وہ بولی۔" مگر بہر حال عمر میں پہلی مرتبہ میری توہین ہوئی ہے اور اس کی وجہ سے ہوئی ہے . . . . جب میں نے وہ منحوس خط پڑھا تھا۔ تو قسم کھائی تھی کہ اس گھر میں یا تو وہ رہے گا یا میں رہوں گی۔"

"کیا تم پورا ہنگامہ برپا کرنا چاہتی ہو جس میں میری بھی بے عزتی ہو اور تمہاری بھی؟ تم تو شہر کے بہت سے لوگوں کی ضیافتِ طبع کا سامان فراہم کر رہی ہو۔"

"یہ تو ٹھیک ہے۔ آپ کے حسنِ انتظام سے خود آپ کو، آپ کے خاندان کو، بلکہ سارے شہر کو ایسی خوش حالی میسر آئی ہے کہ سب آپ سے جلتے ہیں . . . خیر میں جلسے کے ٹرولیاں سے کہتی ہوں کہ آپ سے مہینے بھر کی چھٹی مانگ لے، اور پہاڑ پر اس لکڑی کے تاجر کے پاس چلا جائے جو اس کیرے کے لئے بہت مناسب ساتھی ہے۔"

"ذرا سوچ سمجھ کے کام کرو۔" موسیو دریناآل نے خاصے سکون کے ساتھ جواب دیا۔" پہلی بات جو میں چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ تم اس سے بات نہ کرو۔ تم سے اپنا غصہ ضبط نہیں ہوگا، اور وہ مجھ سے بگڑ بیٹھے گا۔ تم جانتی ہی ہو کہ یہ حضرت کیسے نازک مزاج ہیں۔"

"اس لڑکے میں ذرا سمجھ نہیں۔" مادام دریناآل کہنے لگی" پڑھنے لکھنے میں تیز ہو تو ہو، یہ بات تو آپ جانتے ہوں گے۔ لیکن ہے وہ اصل میں گنوار ہی۔ رہی میں۔ تو جب سے اس نے ایلیزا سے شادی کرنے سے انکار کیا ہے۔ میں تو اسے کوئی معقول آدمی سمجھتی نہیں۔ بھلا بیٹھے بٹھائے پیسہ مل رہا تھا! اور محض اتنی سی بات پر کہ وہ کبھی کبھار چھپ کے موسیو والنو سے مل آتی ہے۔"

"اچھا! موسیو دریناآل نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ "کیا خود ژدویاں نے تم سے کہا ہے"
"نہیں، صاف تو نہیں کہا۔ مجھ سے تو وہ یہی کہتا رہتا ہے کہ مجھے تو خدا نے پادری بننے کے لئے ہی پیدا کیا ہے اور میرا تو یہی فریضہ ہے۔ لیکن اصل بات تو یہ ہے کہ ان نیچ لوگوں کا سب سے پہلا فریضہ روز کی روٹی حاصل کرنا ہے۔ اس نے اشاروں ہی اشاروں میں یہ بات مجھے سمجھادی ہے کہ وہ ان خفیہ ملاقاتوں سے ناواقف نہیں ہے۔"
"اور مجھے! مجھے اس کی اب تک خبر ہی نہیں!" موسیو دریناآل ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے پھر گرجا۔ اسے پھر تاؤ آگیا تھا۔ "میرے گھر میں ایسی باتیں ہوں، اور مجھے ہوا تک نہ لگے!۔۔۔ اچھا! ایلیزا اور وال نو کے درمیان کچھ معاملہ چل رہا ہے؟"
"ارے، یہ تو پرانا قصہ ہے۔" مادام دریناآل نے ہنستے ہوئے کہا "مگر شاید کوئی بری بات نہیں ہوئی۔ یہ اس زمانے کا ذکر ہے جب آپ کے دوست وال نو شہر کے لوگوں کو یہ جتانے کی فکر میں تھے کہ میرے اور ان کے درمیان پاک محبت چل رہی ہے۔"
"ایک زمانے میں مجھے یہ بات کھٹکی تھی۔" ایک کے بعد یہ جو دوسرا انکشاف ہوا تو موسیو دریناآل نے غصے کے مارے اپنا سر پیٹ کر کہا "اور تم نے مجھ سے اس کا ذکر تک نہیں کیا؟"
"ہمارے مہتمم صاحب بچاروں کو تھوڑا سا خمارِ گندم ہی تو تھا۔ اب اتنی سی بات پر کیا میں دو دوستوں میں لڑائی کرا دیتی اعلےٰ طبقے کی کون سی

ایسی عورت ہے جسے انہوں نے دو ایک پھڑکتے ہوئے عاشقانہ خط نہ لکھے ہوں"؟

"تمہیں بھی کوئی خط لکھا ہے؟"

"اکثر لکھتے رہتے ہیں"

"اس کے خط مجھے ابھی دکھاؤ۔ میں حکم دیتا ہوں" اور موسیو دریناال کا قد چھ فٹ بڑھ گیا۔

"یہ تو نہیں ہو سکتا" جواب ایسے نرم لہجے میں ملا جس سے بے نیازی ٹپکتی تھی۔ "کسی اور دن دکھاؤں گی۔ جب آپ کا غصہ اتر چکا ہو گا"

"اجی لعنت! اسی وقت دکھاؤ"۔ موسیو دریناال نے چیخ کر کہا۔ وہ غصے کے مارے آپے سے باہر ہو گیا تھا۔ مگر ساتھ ہی ساتھ اس کی حالت پچھلے بارہ گھنٹے کی بہ نسبت کہیں بہتر تھی۔

مادام دریناال نے بڑی سنجیدہ بن کے کہا— "اچھا، لیکن آپ قسم کھائیے کہ ان خطوں کے بارے میں محتاج خانے کے مہتمم سے کبھی نہیں لڑیں گے۔"

"لڑائی جھگڑا ہو یا نہ ہو۔ مگر میں اسے لاوارث بچوں کی نگرانی سے ہٹا سکتا ہوں"۔ اس نے غصے کے مارے کھولتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں وہ خط فوراً دیکھنا چاہتا ہوں۔ کہاں ہیں وہ؟"

"میری میز کی دراز میں ہیں۔ لیکن یقین رکھئے۔ میں آپ کو تالی نہیں دوں گی۔"

"میں تالا توڑ لوں گا" وہ اپنی بیوی کے کمرے کی طرف دوڑتے ہوئے چیخا۔

اس نے واقعی لوہے کی سلاخ لے کر مہاگنی کی وہ قیمتی میز توڑ ڈالی جو پیرس سے منگوائی تھی اور جس کا اسے خیال اتنا رہتا تھا کہ اگر کبھی اس پہ دھبے کا شبہ ہوتا تو فوراً اپنے کوٹ کے دامن سے رگڑ رگڑ کے صاف کرتا تھا۔

اس دوران میں مادام دریناآل دوڑتی ہوئی کبوتر خانے کی ایک سو بیس سیڑھیاں چڑھ گئی، اور کھڑکی کی سلاخ میں ایک سفید رومال باندھ دیا۔ اس وقت کوئی عورت اس کے برابر خوش نہ ہو گی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ پہاڑ کے اوپر جنگلوں کی طرف ٹکٹکی باندھ کے دیکھنے لگی اور دل میں بولی۔ "اُن گھنے درختوں میں سے کسی ایک کے نیچے ژدلیاں کھڑا اس مسرت انگیز اشارے کا انتظار کر رہا ہوگا" وہ بہت دیر تک کان لگائے رہی، پھر جھینگروں کے بیزار کن شور اور چڑیوں کی چوں چوں چوں چوں کو بے نقط سنانے لگی۔ اگر یہ منحوس آوازیں نہ ہوتیں تو شاید ایک خوشی کی چیخ پہاڑیوں سے نکل کر اس تک آ پہنچتی۔ درختوں کی چوٹیوں سے مل کر یہاں سے وہاں تک سبزے کا ایک سیاہی مائل ڈھلان سا بن گیا تھا۔ جو مرغزار کی طرح ہموار تھا۔ اس کی بھوکی نظریں اس کا جائزہ لینے لگیں۔ اس کا دل بھر آیا اور وہ بولی ـــــ" اس میں اتنی بھی سمجھ نہیں کہ کسی نہ کسی اشارے سے مجھے یہی بتا دیتا کہ اسے بھی اتنی ہی خوشی ہو رہی ہے جتنی مجھے!" وہ کبوتر خانے سے اس وقت اتری جب اسے یہ ڈر لگنے لگا کہ کہیں میرا شوہر میری تلاش میں ادھر نہ آ نکلے۔

اس نے دیکھا کہ موسیو دریناآل غصے کے مارے لال پیلا ہو رہا ہے۔ موسیو دالنو کے رسیلے جملے اس کی نظروں سے گزر رہے تھے۔ جنہیں کسی نے اتنے جذبے

ساتھ کبھی کتاب کو پڑھا ہو گا۔

اس کے شوہر کی چیخ پکار نے اتنی مہلت دی کہ اس کی بات سنی جا سکے۔ تو وہ کہنے لگی ــــ "رہ رہ کے مجھے وہی خیال آتا ہے۔ ژدلیاں کو تھوڑے دن کے لئے چلے جانا چاہئے۔ اسے لاطینی کی کتنی بھی لیاقت سہی، مگر آخر وہ گنوار ہے جس میں نہ تو تمیز ہے نہ سلیقہ اور نہ سمجھ بوجھ۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں بڑی شائستگی کی باتیں کر رہا ہوں اور روز میری تعریف میں ایسے ایسے مبالغہ آمیز جملے کہتا ہے جو انتہائی بدمذاقی کا ثبوت دیتے ہیں اور اس نے کسی ناول میں سے یاد کئے ہیں . . . "

"مگر وہ تو ناول پڑھتا ہی نہیں۔" موسیو دریںال چیخ کے بولا۔ "مجھے اس بات کا پورا یقین ہے۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ میں یونہی گھر کا مالک بن گیا ہوں؟ کیا میں اندھا ہوں اور مجھے خبر نہیں کہ میرے گھر میں کیا ہو رہا ہے؟"

"چلئے یوں ہی سہی۔ اگر اس نے وہ احمقانہ باتیں کسی کتاب میں سے یاد نہیں کیں تو خود گھڑی ہوں گی۔ یہ اور بُری بات ہے۔ اس نے شہر میں بھی اسی انداز سے میرا ذکر کیا ہو گا اور اتنی دور جانے کی بھی ضرورت نہیں۔" مادام دریںال نے اس طرح کہا جیسے کوئی نئی بات دریافت کی ہو۔ "اس نے ایلیزا کے سامنے میرا ذکر اسی طریقے سے کیا ہو گا اور یہ ایسا ہی ہے جیسے موسیو والنو کے سامنے ذکر کیا ہو۔"

"ہاں!" موسیو دریںال نے میز پر اس زور سے مکا مارا کہ میز تو میز، سارا کمرہ ہل گیا۔ "وہ چھپا ہوا گمنام خط اور والنو کے خط سب کے سب ایک ہی جیسے کاغذ پر ہیں۔"

"آخر پھنس ہی گیا!" مادام دریںال نے دل میں کہا۔ اس نے ایسی شکل بنائی

جیسے یہ بات کھل جانے سے اس پر بجلی سی گر پڑی ہو۔ اسے آگے بولنے کی ہمت نہ پڑی اور چپ چاپ جا کے کمرے کے آخر میں ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔

یہ معرکہ تو اس نے مار لیا تھا۔ اب کوئی ایسی چال چلنی تھی کہ موسیو دربنال اس گمنام خط کے مفروضہ مصنف کے پاس جا کے اس سے بات نہ کرنے پائے۔

"کیا آپ کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ کسی خاص ثبوت کے بغیر موسیو والی نو کو جا کے ڈانٹنا ڈپٹنا بڑی غلط چیز ہے؟ اگر لوگ آپ سے جلتے ہیں تو اس میں قصور کس کا ہے؟ آپ کے کمالات کا۔ آپ کا حسنِ انتظام، آپ کی بنائی ہوئی عمارتیں جو آپ کی خوش مذاقی کا ثبوت ہیں، یہ جو جہیز لائی ہوں، اور سب سے زیادہ وہ دولت جو ہمیں خالہ کی طرف سے ملنے والی ہے۔ مگر جیسے لوگ بہت بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں ـــــ انہیں سب چیزوں کی وجہ سے تو آپ شہر کی سب سے ممتاز شخصیت بنے ہیں۔"

"تم میرے خاندان کا ذکر کرنا بھول ہی گئیں۔" موسیو دربنال نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"آپ صوبے کے سربرآوردہ لوگوں میں سے ہیں۔" مادام دربنال نے جلدی سے لقمہ دیا۔ "اگر بادشاہ سلامت خود مختار ہوتے اور عالی نسب لوگوں کے ساتھ انصاف سے کام لے سکتے تو آج آپ ضرور دارالامرا میں ہوتے۔" وغیرہ وغیرہ۔ "ایسے بلند مرتبے پر ہونے کے بعد آخر آپ ایسی بات کیوں کرتے ہیں جس سے حاسدوں کو نکتہ چینی کا موقع ملے۔"

"موسیو والی نو سے گمنام خط کا تذکرہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ وہ پیر تو

کیا بساں سوں ہی میں بھی، بلکہ سارے صوبے میں ڈھنڈورا پٹ جائے گا کہ رینال خاندان کے ایک فرد نے ذرا بھی نہ سوچا اور ایک معمولی درجے کے آدمی سے دوستی کرلی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخر اس نے رینال کی بے عزتی کی۔ جو خط آپ کو ابھی ملے ہیں اگر ان سے یہ ثابت ہو گیا کہ میں نے بھی موسیو والنو کی محبت کا جواب دیا ہے تو آپ کا فرض ہو گا کہ مجھے جان سے مار ڈالیں۔ میں اس کی سو دفعہ مستحق ٹھیروں گی۔ لیکن والنو پر بگڑنے کا آپ کو حق نہیں ہو گا۔ یہ تو سوچئے کہ آپ کے سارے ہمسائے کسی بہانے کی تلاش میں ہیں کہ آپ سے آپ کی برتری کا انتقام لیں۔ خیال تو کیجیے کہ ۱۸۱۶ء میں کئی گرفتاریوں میں آپ کا ہاتھ تھا۔ وہ آدمی جو آکے آپ کی چھت پر چھپا تھا . . . "

"میرا خیال تو یہ ہے کہ تمہارے دل میں نہ تو میری عزت ہے نہ محبت۔" اس یاد نے موسیو ڈرینال کے اندر کچھ ایسی تلخی پیدا کی کہ وہ ایک دم سے چیخ کے بولا۔ "اور مجھے دارالامرا میں جگہ تک نہیں ملی!"

مادام ڈرینال نے مسکرا کر لقمہ دیا۔ "دیکھئے ایک دن میں آپ سے زیادہ مال دار ہو جاؤں گی۔ پچھلے بارہ سال سے میں آپ کی جیون ساتھی رہی ہوں۔ چنانچہ مجھے حق پہنچتا ہے کہ آپ کے معاملات میں بھی رائے لی جائے۔ خصوصاً آج اس معاملے میں۔" پھر وہ اس انداز سے بولی جیسے اپنی حقارت چھپا نہ سکتی ہو۔ "اگر آپ ژولیاں صاحب کو مجھ پر ترجیح دیتے ہیں تو لیجیے میں اپنی خالہ کے پاس چلی جاتی ہوں اور جاڑوں وہیں رہوں گی۔"

اس نے یہ بات اس طریقے سے کہی جیسے بڑی خوش ہو رہی ہو۔ اس کے

لہجے میں وہ سختی تھی جو خوش اخلاقی کے پردے میں چھپنا چاہ رہی ہو۔ اب موسیو درینال نے اپنے دل میں ایک فیصلہ کر لیا۔ مگر قصبات کے دستور کے مطابق وہ بڑی دیر تک آئیں بائیں شائیں بکتا رہا، اور جتنی دلیلیں پیش کر چکا تھا۔ انہیں ایک ایک کرکے دہراتا رہا۔ حالانکہ اس کے لہجے سے اب بھی خفگی ٹپک رہی تھی مگر اس کی بیوی نے اسے ٹوکا نہیں، بولنے دیا۔ ایک تو وہ یونہی رات بھر غصے کے مارے پاگل بنا رہا تھا اب دو گھنٹے کی فضول بک بک جھک جھک سے وہ تھک کے چور ہو گیا۔ اس نے طے کر لیا کہ والنو، اڈولیاں اور ایلیزا کے سلسلے میں مجھے کیا رویہ اختیار کیا کرنا ہے۔

اس تماشے کے دوران میں وہ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ مادام درینال کے دل میں اس آدمی کی حقیقی تکلیف پر ہمدردی پیدا ہوتے ہوتے رہ گئی جو دس سال سے اس کا ساتھی اور دوست رہا تھا۔ لیکن حقیقی اور گہرے جذبات میں ہمیشہ خود غرضی شامل ہوتی ہے۔ پھر وہ ہر لمحے اس انتظار میں تھی کہ اب وہ اس گمنام خط کا ذکر کرے گا جو اُسے ایک رات پہلے ملا تھا۔ مگر اس نے اس خط کا نام تک نہ لیا۔ اپنے پورے اطمینان کی خاطر مادام درینال جاننا چاہتی تھی کہ یہ خط پڑھ کر اس آدمی کے دل میں کیا خیالات پیدا ہوئے جس پر اس کی قسمت کا دار و مدار تھا۔ کیونکہ قصبات میں رائے عامہ شوہروں کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اگر کوئی شوہر اپنی بیوی پر بدچلنی کا الزام لگائے تو وہ مفت میں تماشہ بن کے رہ جاتا ہے۔ یہ ایسی بات ہے جو فرانس میں روز بروز کم خطرناک بنتی جا رہی ہے۔ لیکن اگر وہ آدمی اپنی بیوی کا نان نفقہ بند کر دے تو اُس بچاری کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا۔ اور دو چار آنے روز پر محنت مزدوری کرنی پڑتی ہے، اس پر بھی نیک اور پرہیزگار لوگ اُسے

ملازم رکھتے ہوئے ہچکچاتے ہیں۔

سلطان کے حرم کی کوئی لونڈی اس پر دل و جان سے فدا ہو سکتی ہے۔ سلطان کو ہر قسم کی طاقت حاصل ہوتی ہے۔ لونڈی کبھی یہ امید رکھ ہی نہیں سکتی کہ میں چھوٹی موٹی چالبازیوں کے ذریعے اس کے غلبے سے بچ نکلوں گی۔ آقا کا انتقام ہولناک اور خونریز تو ہوتا ہے، مگر ساتھ ہی سپاہیانہ اور فیاضانہ بھی۔ خنجر کے ایک وار میں کام تمام ہو جاتا ہے۔ مگر انیسویں صدی میں شوہر بیوی کو لوگوں کی حقارت کے ہاتھوں قتل کراتا ہے۔ اسے موت کے گھاٹ اتارنے کے لئے وہ سب اچھے گھرانوں کے دروازے اس پر بند کر دیتا ہے۔

مادام ورینال اپنے کمرے میں واپس آئی تو اسے خطرے کا شدید احساس ہوا۔ ہر چیز بے ترتیبی سے بکھرے دیکھ کر اسے بڑا ڈر لگا۔ اس کے سارے چھوٹے چھوٹے خوبصورت صندوقوں کے تالے ٹوٹے پڑے تھے۔ فرش کے کئی تختے اکھڑے ہوئے تھے۔ وہ دل میں کہنے لگی۔ ”اگر میں سامنے ہوتی تو اسے مجھ پر بھی ذرا رحم نہ آتا! بھلا اس رنگین فرش ، کو ادھیڑ کے رکھ دیا جس پر اسے اتنا ناز تھا! کوئی بچّہ کیچڑ لگے جوتے سے کے اندر آجاتا ہے تو وہ غصّے کے مارے لال انگارہ بن جاتا ہے۔ اور اب اسے ہمیشہ کے لئے برباد کر کے رکھ دیا!“ اسے شوہر پر اتنی جلدی فتح حاصل ہوئی تھی کہ اس کا دل اسے لعنت ملامت کر رہا تھا۔ لیکن تشدد کا یہ منظر دیکھتے ہی اس کے ضمیر کی آواز خاموش ہو گئی۔

کھانے کی گھنٹی بجنے سے ذرا ہی دیر پہلے ژولیاں بچّوں سمیت واپس آگیا کھانے کے بعد جب نوکر کمرے سے باہر چلے گئے تو مادام ورینال نے بڑے

خشک لہجے میں اس سے کہا —

"آپ مجھ سے کہہ رہے تھے کہ میں دو ہفتے کے لئے شہر جانا چاہتا ہوں۔ موسیو دریناال نے مہربانی فرما کر آپ کو چھٹی دے دی ہے۔ آپ جب چاہیں جا سکتے ہیں۔ لیکن بچوں کا وقت برباد نہیں ہونا چاہیئے۔ اس لئے ان کا لکھنے کا کام روز روز آپ کو اصلاح کے لئے بھیج دیا جائے گا۔"

موسیو دریناال بڑے تلخ لہجے میں بولا — "لیکن میں آپ کو ایک ہفتے سے زیادہ کی چھٹی نہیں دوں گا۔"

ژدلیاں نے اس کے چہرے پر کچھ ایسے آثار دیکھے جیسے وہ سخت اذیت میں مبتلا ہو۔

"ابھی انہوں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا" دیوان خانے میں لمحے بھر کے لئے تخلیئے کا موقع ملا تو وہ اپنی محبوبہ سے بولا۔

مادام دریناال نے جلدی جلدی اسے سارا حال سنایا کہ میں نے صبح سے اب تک کیا کیا ہے۔

"تفصیلات رات کو" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"عورتیں بھی کیسی بدخصلت ہوتی ہیں" ژدلیاں سوچنے لگا "نہ جانے کون سی رگ انہیں مردوں کو دھوکا دینے پر مجبور کرتی ہے! ورنہ معلوم انہیں اس میں کیا مزا ملتا ہے؟"

"تمہاری محبت نے تمہاری آنکھیں بھی کھول دی ہیں اور تمہیں اندھا بھی کر دیا ہے" وہ ذرا سرد مہری کے ساتھ مادام دریناال سے کہنے لگا "آج تم نے جو انداز اختیار

کیا ہے۔ وہ واقعی قابلِ تعریف ہے۔ لیکن آج رات ملنا کوئی عقلمندی کی بات ہے؟ اس گھر میں چاروں طرف ہمارے دشمن بھرے ہوئے ہیں۔ ذرا سوچو تو کہ ایلیزا کو مجھ سے کتنی سخت نفرت ہے۔"

"اس نفرت اور مجھ سے تمہاری سخت بے نیازی میں فرق ہی کیا ہے؟"

"میں چاہے بے نیاز ہوں یا نہ ہوں۔ مگر میں نے تمہیں جس خطرے میں ڈالا ہے اس سے تمہیں بچانا بھی تو میرا فرض ہے۔ اگر کہیں اتفاق سے ایسا ہُوا کہ موسیو درینال نے ایلیزا سے اس کا ذکر کر دیا تو وہ ایک لفظ میں بھانڈا پھوڑ دے گی۔ پھر ممکن ہے وہ مسلح ہو کر میرے کمرے میں آ چھُپیں...."

"ہیں! تم میں اتنی بھی ہمت نہیں!" مادام درینال نے عالی خاندان عورت کے سے غرور کے ساتھ کہا۔

"اب میں اتنا بھی گرا ہُوا نہیں کہ اپنی بہادری کی تعریف کرتا پھروں۔" ژولیاں نے بڑی سرد مہری سے جواب دیا۔ "یہ تو کمینے پن کی بات ہے۔ اس کا پتہ تو میرے عمل سے چل جائے گا۔" پھر وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔ "مگر تم اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتیں کہ مجھے تم سے کتنا لگاؤ ہے اور اس المناک جدائی سے پہلے تم سے رخصت ہونے کا موقع پا کر مجھے کتنی خوشی ہو رہی ہے۔"

بائیسواں باب

سنہ ۱۸۳۰ء کے رسم و رواج

آدمی کو قوتِ گویائی اس لئے دی گئی ہے۔ کہ وہ اپنے خیالات پوشیدہ رکھ سکے۔

مالا گریدا

شہر پہنچتے ہی ژرولیاں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ مادام دربناں سے بے انصافی برتنے پر اپنے آپ کو خوب جھاڑا۔ اگر وہ اپنی کمزوری کی وجہ سے موسیو دربناں کے ساتھ اس گفتگو میں ناکام رہتی تو میں اسے بے وقوف عورت سمجھ کر اسے حقارت کی نظروں سے دیکھنے میں حق بجانب ہوتا لیکن اس نے تو ماہر سیاست داں کی طرح سارا کام سرانجام دیا ہے، اور میں ہوں کہ ایک پٹے ہوئے مہرے سے ہمدردی جتا رہا ہوں جو میرا دشمن ہے۔ میری فطرت میں کچھ متوسط طبقے والوں کا سا چھوٹا پن ہے۔ میرے پندار کو ٹھیس لگی ہے۔ کیونکہ موسیو دربناں مرد ہے! یعنی اس عظیم اور ممتاز گروہ کے وقار کو دھکا لگا ہے۔ جس سے متعلق ہونے کی مجھے عزت حاصل ہے میں بھی بالکل بچھیا کا تاؤ ہوں۔"

موسیو شیلاں برطرف ہوا تو آزاد خیال جماعت کے سربرآوردہ لوگوں نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کے اس کی مہانداری کرنی چاہی، مگر اُس نے کسی کی پیش کش قبول نہ کی تھی۔ اس نے جو دو کمرے کرائے پر لیے تھے، وہ کتابوں سے پٹے پڑے تھے۔ ژولیاں شہر والوں کو یہ دکھانے کی خاطر کہ پادری ہونے کے کیا معنی ہیں، اپنے باپ کے کارخانے سے لکڑی کے ایک درجن تختے اپنی کمر پہ لاد کے لایا، اور بڑی سڑک پر سے ہو کے گزرا۔ پھر اس نے ایک پرانے دوست سے اوزار مانگ کے جلدی سے کتابوں کی الماری بنائی اور اس میں موسیو شیلاں کا کتب خانہ سجا دیا۔

"میں تو یہ سمجھا تھا کہ تم دنیا کی آلائشوں میں پڑ کے بگڑ گئے۔" بڈھے نے خوشی کے آنسو بہاتے ہوئے کہا۔ "تم نے سلامی کے دستے کی بھڑک دار وردی پہن کر جو بچپنا دکھایا تھا۔ اس کی وجہ سے تمہارے کتنے دشمن پیدا ہو گئے۔ مگر خیر اب تم نے کفارہ ادا کر دیا ہے۔"

موسیو رینال نے ژولیاں سے کہا تھا کہ میرے گھر جا کے ٹھیرنا۔ شہر میں کسی کو ہوا تک نہیں لگی کہ بات کیا ہوتی ہے۔ اپنی آمد کے تیسرے دن ژولیاں نے دیکھا کہ اور بھی کوئی نہیں، خود نائب ناظم موسیو دموژی روں میرے کمرے میں چلا آ رہا ہے۔ پہلے تو پورے دو گھنٹے فضول اور لایعنی باتیں ہوا کیں اور نائب ناظم انسانوں کی بدکاری، جن لوگوں کے ذمے عوام کے روپیہ کا انتظام تھا ان کی بے ایمانی، بیچارے فرانس کو جو خطرے لاحق تھے اور ایسی ہی دوسری چیزوں کا رونا روتا رہا۔ پھر کہیں جا کے ژولیاں کو پتہ چلا کہ اس کے

آنے کا منشا کیا ہے۔ وہ دونوں زینے کے نیچے پہنچ چکے تھے اور بچارا اتالیق جس کے ذلیل ہو کر نکالے جانے میں تھوڑی ہی کسر رہ گئی تھی۔ کسی خوش نصیب ضلع کے آئندہ ناظم کو بنکریم رخصت کر رہا تھا کہ ان حضرت کو بکمالِ عنایت ژولیاں کے مستقبل کا خیال آیا اور اس کی بڑی تعریف فرمانے لگے کہ جہاں تمہارے مفاد کا سوال ہوتا ہے۔ وہاں تم بڑی میانہ روی سے کام لیتے ہو، وغیرہ وغیرہ۔ آخر موسیو دموژی ردں نے بڑی شفقت سے اُسے گلے لگایا، اور یہ تجویز پیش کی کہ تم موسیو دربناآل کی ملازمت چھوڑ دو، اور ایک سرکاری افسر کے یہاں آجاؤ جو اپنے بچوں کی تعلیم کا انتظام کرنا چاہتے ہیں اور جو تمہیں پا کر شاہِ فلپ کی طرح خدا کا بڑا شکر ادا کریں گے، اس وجہ سے نہیں کہ خدا نے تمہیں بچوں کے واسطے بھیج دیا، بلکہ اس لئے کہ بچوں کو موسیو ژولیاں کے پڑوس میں پیدا کیا۔ بچوں کے اتالیق کی تنخواہ آٹھ سو فرانک ہوگی جو ماہ بماہ نہیں (موسیو دموژی ردں نے کہا۔ یہ شریفوں کا دستور نہیں ہے) بلکہ ہر تین مہینے بعد ملا کرے گی اور ہمیشہ پیشگی

اب ژولیاں کی باری آئی جو ڈیڑھ گھنٹے سے بڑی بے صبری کے ساتھ بولنے کا موقع ڈھونڈ رہا تھا۔ اس کا جواب ہر اعتبار سے مکمل تھا اور ایسا طویل جیسے پادری کا وعظ۔ اس نے ہر بات سمجھا دی، اور قطعی طور سے کوئی بات کہی بھی نہیں۔ سننے والے کو اس کے جواب میں موسیو دربناآل کا احترام، شہر والوں کی عزت اور نائب ناظم جیسی ممتاز ہستی کی احسان مندی کا جذبہ، یہ سب چیزیں بیک وقت ملتیں۔ نائب ناظم کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ یہ تو مجھ سے بھی زیادہ گھاگ نکلا۔ اس نے حتمی وعدہ لینے کی کوشش کی، مگر بے سود۔ ژولیاں کو اپنی کامیابی پر بڑی خوشی ہوئی اور اپنی مہارت آزمانے کی خاطر اس نے موقع پاتے ہی اپنا جواب دوسرے لفظوں میں دہرانا شروع

کر دیا۔ لساں سے لساں وزیر نے بھی اجلاس کے آخری گھنٹوں میں جب پارلیمنٹ کے ممبر جاگ پڑنے پر مائل ہوتے ہیں۔ سارا وقت اپنے تصرف میں لانے کی کوشش کرتے ہوئے اس سے زیادہ لفظوں میں اس سے تھوڑی بات نہیں کہی ہوگی۔ موسیو دموژی روں کے جاتے ہی ژرولیاں سے ضبط نہ ہو سکا اور وہ قہقہہ لگا کے ہنس پڑا۔

اپنے مزاج کی اس عیاری سے پورا فائدہ اٹھانے کے لئے اس نے موسیو دریال کو نو صفحے کا خط لکھا جس میں یہ سارا حال سُنایا اور بڑے انکسار کے ساتھ اس سے مشورہ طلب کیا۔" ارے، اس بدمعاش نے تو مجھے یہ تک نہیں بتایا کہ وہ آدمی کون ہے جو مجھے اپنے یہاں رکھنا چاہتا ہے! ضرور موسیو دال نو ہوگا جو یہ سمجھ رہا ہے کہ اس کے گمنام خط کی وجہ سے مجھے شہر بھیج دیا گیا ہے"۔

اپنا خط بھیج کر ژرولیاں موسیو شیلاں سے مشورہ کرنے کے لئے ایسے خوش خوش باہر نکلا جیسے کوئی شکاری خزاں کے موسم میں صبح چھ بجے ایک ایسے میدان میں پہنچ گیا ہو۔ جہاں ہر طرف شکار ہی شکار ہو۔ لیکن خدا کی رحمتوں کا اس پہ ایسا نزول ہو رہا تھا کہ نیک دل پادری کے گھر پہنچنے سے پہلے ہی موسیو دال نو سے اس کی مڈبھیڑ ہو گئی اس نے دال نو سے یہ بات ذرا بھی نہیں چھپائی کہ وہ شکستہ خاطر ہو رہا تھا۔ خدا نے ایک مقدس فریضہ اس کے سپرد کیا تھا اور اس جیسے مفلس قلاش نوجوان کے لئے لازمی تھا کہ اس میں اپنی جان لڑا دے، لیکن اس گندی دنیا میں فریضہ ہی تو سب کچھ نہیں ہوتا۔ اپنے مالکِ حقیقی کی خدمت کا سزاوار بننے کے لئے، اور اپنے عالم ساتھیوں کی صحبت کا حق حاصل کرنے کے لئے تعلیم کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس کے لئے بساں سوں کے دارالعلوم میں دو سال گذارنے ضروری ہیں جس میں کافی

خرچ آتا ہے۔ چنانچہ یہ ناگزیر ہو جاتا ہے، بلکہ اسے تو ایک قسم کا فرض سمجھنا چاہیے کہ روپیہ بچا بچا کے رکھا جائے۔ اگر آٹھ سو فرانک ماہوار کے حساب سے تین مہینے کی تنخواہ اکٹھی ملتی ہو تو یہ کام آسان ہو جاتا ہے۔ چھ سو فرانک ماہ بماہ ملیں تو یوں ہی گھل جاتے ہیں۔ مگر دوسری طرف خدا نے اسے وربنال کے بچوں کے پاس بھیج دیا ہے، اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ اس کے دل میں اُن بچوں سے خاص لگاؤ پیدا کر دیا ہے۔ یہ بھی تو ایک قسم کی تعلیم ہے۔ کیا یہ اس بات کا غیبی اشارہ نہیں کہ اس تعلیم کو چھوڑ کر دوسری تعلیم کی طرف راغب ہونا غلط ہو گا؟ . . .

نپولین کے زمانے میں تو یہ بات اچھی سمجھی جاتی تھی کہ جھٹ پٹ عمل کیا جائے آج کل اس قسم کی چرب زبانی کا رواج ہے۔ ژولیاں نے اس میں اتنا کمال پیدا کر لیا تھا کہ اب تو خود اسے اپنی آواز سن کر اکتاہٹ ہو رہی تھی۔

وہ گھر واپس آیا تو موسیو وال نو کا ایک نوکر وردی میں کسا کسایا ملا جو اسے سارے شہر میں ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔ وہ اسی دن کے لئے کھانے کی دعوت لے کر آیا تھا۔

ژولیاں نے پہلے کبھی اس آدمی کے گھر میں قدم تک نہ رکھا تھا۔ ابھی دو چار دن کی بات ہے۔ اسے یہ دھن سوار تھی کہ وال نو کی کچھ اس طرح مرمت کروں۔ کہ پولیس میں پکڑا بھی نہ جاؤں۔ حالانکہ کھانے کا وقت ایک بجے تھا، مگر ژولیاں احتراماً ساڑھے بارہ بجے ہی محتاج خانے کے مہتمم کے کمرے میں حاضر ہو گیا۔ وال نو کاغذوں کا ایک اونچا ڈھیر لئے بیٹھا تھا جس سے اس کی اہمیت ظاہر ہو رہی تھی اس کے زبردست سیاہ گل مچھے، بالوں کا پولا کا پولا، چندیا پر جمی ہوئی ٹیڑھی ٹوپی،

ہاتھ بھر لمبا پائپ، مخمل کی کڑھی ہوئی سلیپریں، سینے پر ادھر سے اُدھر تک لٹکتی ہوئی بھاری بھاری سونے کی زنجیریں، اور ایک ایسے قصباتی ساہوکار کا پورا ساز و سامان جو اپنے آپ کو بالکل کرشن کنہیا سمجھتا ہو ـــــ یہ سب چیزیں دیکھ کر بھی ژرولیاں ذرا مرعوب نہ ہوا۔ بلکہ اسے تو اُلٹا وہی خیال آیا کہ مجھے اس کی کھال اُدھیڑنی ہے۔

اس نے خواہش ظاہر کی کہ مجھے مادام وال نو کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف بخشا جائے۔ وہ سنگار کر رہی تھی۔ اس لیے ژرولیاں کو اپنے کمرے میں نہ بلا سکی۔ اس کے عوض ژرولیاں کو محتاج خانے کے مہتمم کا سنگار دیکھنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ پھر دونوں مادام وال نو کے پاس پہنچے جس نے آنکھوں میں آنسو لاکر اپنے بچوں کو ژرولیاں کے سامنے پیش کیا۔ یہ عورت شہر کی اہم ترین شخصیتوں میں سے تھی۔ اس کا چہرہ بہت بڑا اور مردوں کا سا تھا۔ اس عظیم موقع کے اعزاز میں اس نے بہت سی سُرخی تھوپ رکھی تھی۔ اس کی تمام حرکات سے مادرانہ جذبات کی شدت ظاہر ہو رہی تھی۔

ژرولیاں کو مادام درینال کا خیال آنے لگا۔ اس کی طبیعت میں اتنی بدگمانی تھی کہ اُسے یادیں تنگ ہی نہ کرتی تھیں۔ البتہ اگر تضاد اور تقابل کی وجہ سے کوئی چیز یاد آنے لگے تو اور بات ہے۔ لیکن پھر ان یادوں سے اس کی آنکھ بھر آتی تھی۔ مہتمم کا مکان دیکھ کر تو اس میلان میں اور اضافہ ہو گیا۔ اسے مکان کی سیر کرائی گئی۔ ہر چیز بھڑک دار اور نئی تھی۔ اسے ایک ایک چیز کی قیمت بتائی گئی۔ لیکن ژرولیاں کو ایسا محسوس ہوا کہ ان چیزوں میں سے کچھ کمینگی اور چوری کے پیسے کی بُو آتی ہے۔ ہر آدمی یہاں تک کہ ملازموں کے چہرے پر بھی ایک طرح کی ڈھٹائی تھی۔

جو غارت سے بچنے کے لئے ڈھال کا کام دے رہی تھی۔

ٹیکس کلکٹر، ناظم محصولات، شہر کوتوال، اور دو تین دوسرے سرکاری افسر اپنی بیویوں سمیت آ پہنچے۔ اُن کے بعد آزاد خیال جماعت سے تعلق رکھنے والے کئی مالدار آدمی آئے۔ اتنے میں کھانا لگ گیا۔ تزولیاں کا مزاج اس وقت بگڑا ہوا تھا۔ اسے یکایک خیال آیا کہ کھانے کے کمرے کی دیوار کے اُس طرف بچارے قیدی بیٹھے ہیں اور شاید انہیں بھوکا مار مار کے یہ سارا ٹھاٹ باٹ کیا گیا ہے۔ جس سے بدمذاقی ٹپکتی ہے، مگر یہ لوگ مجھے اسی سے مرعوب کرنا چاہتے ہیں۔

وہ دل میں کہنے لگا ــــ "شاید وہ لوگ اس وقت بھی بھوکے ہوں گے"۔ اس کا دم گھٹنے لگا۔ اس سے نہ تو کھایا جا رہا تھا نہ بولا جا رہا تھا۔ پندرہ منٹ بعد تو اس کی حالت اور بگڑ گئی۔ دور سے کسی قیدی کے کوئی مقبول گیت گانے کی آواز آ رہی تھی۔ یہ ماننا پڑے گا کہ یہ گیت ذرا عامیانہ قسم کا تھا۔ موسیو والنو نے اپنے ایک باوردی ملازم کی طرف دیکھا۔ وہ کمرے سے چلا گیا اور تھوڑی دیر میں گانے کی آواز بند ہو گئی۔ اسی وقت ایک خادم نے سبز رنگ کے گلاس میں تزولیاں کو رائن کی شراب دی، اور مادام والنو نے خصوصیت کے ساتھ بتایا کہ اس شراب کی بوتل نو فرانک کی ملتی ہے، اور سیدھی کارخانے سے آئی ہے۔ تزولیاں سبز گلاس ہاتھ میں لئے ہوئے موسیو والنو سے کہا ــــ "اب اس گندے گانے کی آواز نہیں آ رہی"۔

"ہاں، ٹھیک ہے" مہتمم نے فاتحانہ انداز سے کہا: "میں نے اس

بدمعاش کو چپ کرا دیا ہے۔"

اب ژو لیاں سے ضبط نہ ہو سکا۔ اس نے وہ طور طریقے تو سیکھ لئے تھے۔ جو اس کے مناسب حال تھے۔ مگر ابھی اس کا دل نہیں بدلا تھا۔ ریاکاری کی مشق تو وہ بہت کرتا رہتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود اُسے اپنے چہرے پر ایک بڑا سا آنسو بہتا محسوس ہوا۔

اس نے سبز گلاس سے آنسو کو چھپانے کی کوشش تو کی، مگر رائن کی شراب کی تعریف اس سے نہ ہو سکی۔ وہ دل میں بولا۔ "اس آدمی کو چپ کرا دیا! خدایا! تجھ سے یہ باتیں دیکھی جاتی ہیں!"

خوش قسمتی سے کسی نے اس کے اس ناشائستہ جذبے پر غور ہی نہیں کیا ٹیکس کلکٹر نے ایک شاہ پرستوں والا گیت شروع کر دیا تھا۔ دوسرے لوگ بھی آواز ملا کے گانے لگے۔ اس غل غپاڑے میں ژو لیاں کے ضمیر نے اس سے کہا۔ "یہ ہے وہ ذلیل کامیابی جو تم ایک دن حاصل کرو گے اور وہ بھی اس شرط پر کہ انہیں حالات میں اور ایسے ہی لوگوں کے ساتھ رہنا پڑے گا۔ تمہیں تنخواہ تو شاید بیس ہزار فرانک ملے گی۔ مگر جب تم ناک تک ڈٹ کے کھانا کھاؤ گے تو ساتھ ہی ساتھ بچارے قیدی کا گانا بھی بند کرانا لازمی ہو گا۔ اس بچارے کے منہ سے نوالہ چھین کر تم بڑی بڑی دعوتیں دیا کرو گے، اور تمہاری دعوت کے وقت اس پر اور بھی مصیبت ٹوٹا کرے گی! ہائے نپولین! تیرے زمانے کے تو اور ہی مزے تھے! ان دنوں کامیابی حاصل کرنے کے لئے آدمی کو جان خطرے میں ڈالنی پڑتی تھی! لیکن اب تو کمینے پن کا زمانہ ہے۔ آج کل دکھیوں کو

اور دکھ دے کر بڑا آدمی بنتا ہے!

مجھے اعتراف ہے کہ اس خود کلامی میں ژولیاں نے جس کمزوری کا مظاہرہ کیا ہے اسے دیکھ کر میں اس کے بارے میں کوئی اچھی رائے قائم نہیں کر سکتا۔ وہ نوآن زرودستان نے پہننے والے انقلابیوں کا ساتھی بننے کے لائق ہے جو بڑے سے بڑے ملک میں زندگی کو یکسر بدل کے رکھ دینے کا دم بھرتے ہیں۔ لیکن اپنے آپ ذرا سی تکلیف برداشت کرنے کے خیال ہی سے کانپ اُٹھتے ہیں۔

اتنے میں ژولیاں کو ایک دم سے یاد دلایا گیا کہ اس کا فریضہ کیا ہے۔ اُسے اتنے اچھے لوگوں کے ساتھ کھانے پر اس لئے تھوڑا ہی بلایا گیا تھا کہ وہ بیٹھ کے اونگھے اور منہ سے ایک لفظ نہ نکلے۔

ایک کپڑا بنانے والا جواب کاروبار چھوڑ چکا تھا، اور بساں سوں اور یونزے کی اکاڈمی کا رکن تھا۔ میز کے دوسرے سرے پر بیٹھا ژولیاں سے کچھ کہہ رہا تھا۔ وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ عہد نامۂ جدید سے ژولیاں کی حیرت انگیز واقفیت کے بارے میں جو باتیں مشہور ہیں وہ درست بھی ہیں یا نہیں۔

کمرے میں ایک دم سے گہری خاموشی طاری ہو گئی۔ عہد نامۂ جدید کا ایک لاطینی نسخہ دو اکاڈمیوں کے فاضل رکن کے ہاتھ میں ایسے آگیا جیسے جادو کے زور سے منگایا ہو۔ ژولیاں نے ہاں کر لی تھی۔ چنانچہ اسے لاطینی کا ایک فقرہ کہیں سے پڑھ کر سنایا گیا۔ اس نے عبارت فر فر سنانی شروع کر دی۔ اس کے حافظے نے ذرا بھی دھوکا نہیں دیا۔ دعوت کے بعد لوگوں میں ایک طرح کا نہ ور آہی جاتا ہے، چنانچہ اس حیرت انگیز مظاہرے پر واہ واہ کا شور مچ گیا۔ ژولیاں عورتوں کے چمکتے ہوئے

چہروں کو غور سے دیکھنے لگا۔ اُن میں سے کئی کچھ ایسی بُری نہ تھیں۔ اس نے خوش گلو ٹیکس کلکٹر کی بیوی کو الگ چھانٹ لیا۔

"میں اتنی دیر سے خواتین کے سامنے لاطینی بولے چلا جا رہا ہوں۔ میں واقعی شرمندہ ہوں" ژولیاں نے اس عورت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اگر موسیو روبی نیو (یہ اکاڈمی کے رکن کا نام تھا) مہربانی فرما کر لاطینی کا کوئی جملہ پڑھیں۔ تو میں لاطینی میں ساری عبارت سنانے کے بجائے اس کا زبانی ترجمہ کرنے کی کوشش کروں گا۔"

اس دوسرے امتحان کے بعد تو اس کی شان دوبالا ہو گئی۔

کمرے میں آزاد خیال جماعت کے بھی کئی لوگ تھے جو یوں تو خاصے مالدار تھے، مگر انہیں امید تھی کہ ہمارے بچوں کو اچھے اچھے وظیفے مل سکتے ہیں۔ چنانچہ کچھ دنوں سے وہ یکایک دین دار بن گئے تھے۔ ان لوگوں کی اس قابل تحسین مصلحت پسندی کے باوجود موسیو دریناں نے انہیں اپنے یہاں بلانا گوارا نہ کیا تھا۔ ان نیک نہاد ہستیوں نے ژولیاں کی صرف تعریف ہی تعریف سُنی تھی اور اسے بس ایک دفعہ یعنی بادشاہ کی تشریف آوری کے دن گھوڑے پر سوار دیکھا تھا۔ انہیں لوگوں نے واہ واہ کا شور سب سے زیادہ مچایا۔ ژولیاں دل میں کہنے لگا۔ "انجیل کی زبان ان احمقوں کی سمجھ میں تو آتی نہیں۔ یہ سنتے سنتے آخر کب تھکیں گے؟" مگر اس کے برخلاف انہیں زبان کی اجنبیت میں مزا آ رہا تھا اور وہ اس پر ہنس رہے تھے۔ لیکن ژولیاں اب تھک چکا تھا۔

جب چھ بجے تو وہ سنجیدہ چہرہ بنا کر اٹھ کھڑا ہوا، اور کہنے لگا کہ مجھے لیگوارڈی

کی نئی دینیات کا ایک باب زبانی یاد کر کے کل موسیو شیلاں کو سنانا ہے۔ کیونکہ میرا تو پیشہ ہی یہ ہے کہ دوسروں سے سبق سنوں اور خود سناؤں" وہ مسکرا کر بولا۔

اس کے سامعین دل کھول کے ہنسے، اور اس فقرے کی خوب تعریف کی۔ ویرنیئر میں اسی کا نام ظرافت ہے۔ ژولیاں اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ دوسرے لوگ بھی حفظِ مراتب کا خیال چھوڑ کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ کمال میں ایسی ہی طاقت ہوتی ہے۔ مادام دال نو نے اسے پندرہ منٹ اور بٹھایا اور بچوں سے ارکانِ دین سنوائے۔ انہوں نے بڑی بڑی غلطیاں کیں جنہیں ژولیاں کے علاوہ اور کوئی سمجھا ہی نہیں۔ مگر اس نے غلطیاں درست کرنے کی ذرا کوشش نہیں کی بلکہ دل میں کہنے لگا ——" یہ لوگ مذہب کے ابتدائی اصولوں سے بھی ناواقف ہیں" آخر اس نے رخصت چاہی اور سوچا کہ گلو خلاصی ہوئی۔ لیکن اب یہ فرمائش ہوئی کہ بچوں سے لافون تین کا ایک اور منظوم قصہ سنتے جائیے۔"

"اس شاعر کا کلام پڑھنے سے اخلاق خراب ہوتا ہے" ژولیاں نے مادام وال نو سے کہا" اس نے اپنے ایک قصے میں ہر مقدس چیز کا مذاق اڑایا ہے۔ بہترین عالموں نے اس کی سخت برائی کی ہے"

چلنے سے پہلے ژولیاں کو چار پانچ آدمیوں نے مدعو کیا" یہ نوجوان ہمارے ضلع کے لئے باعثِ فخر ہے" سارے مہمان بڑے خوش ہو ہو کر ایک ساتھ چلا رہے تھے۔ بلکہ انہوں نے تو یہاں تک کہا کہ پیرس جا کر پڑھنے کے لئے اسے میونسپلٹی کی طرف سے وظیفہ ملنا چاہیئے۔

کھانے کے کمرے میں تو اس جسارت آمیز خیال کا غلغلہ برپا تھا۔ ادھر ژولیاں

چپ چاپ ڈیوڑھی میں جا پہنچا "یہ جانور ہیں! بالکل جانور ہیں!" اس نے تین چار دفعہ آہستہ آہستہ کہا، اور تازہ ہوا کا لطف لینے لگا۔

موسیو وربنال کے یہاں اس کی جتنی تعریفیں ہوتی تھیں۔ ان سب کے پردے میں اُسے ایک حقارت آمیز مسکراہٹ اور برتری کا غرورآمیز احساس چھپا نظر آتا تھا اور یہ خیال اسے مدتوں تکلیف دیتا رہا تھا۔ لیکن اس وقت تو وہ اپنے آپ کو پورا رئیس سمجھ رہا تھا۔ ژولیاں یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ ان دونوں آدمیوں میں کتنا زبردست فرق ہے۔ وہ چلتے چلتے سوچنے لگا۔ "اگر ہم یہ بھول بھی جائیں کہ بچارے قیدیوں کا روپیہ چرایا جاتا ہے اور انہیں گانے تک کی اجازت نہیں تو بھی کیا موسیو وربنال کبھی ایسی حرکت کریں گے کہ اپنے مہمانوں کو شراب پیش کرتے ہوئے بوتل کی قیمت بتائیں؟ اور یہ حضرت موسیو وال تو بار بار اپنی پوری ملکیت کی فہرست سناتے ہیں۔ اگر بیوی سامنے ہو تو اپنے مکان اور اپنی زمین وغیرہ کا ذکر "تمہارا مکان"، "تمہاری زمین" کہے بغیر کر ہی نہیں سکتے!

ان بیگم صاحب کو ملکیت کی مسرتوں کا بڑا احساس تھا۔ کھانے کے دوران میں وہ ایک نوکر پر خوب چیخی چلائی تھیں جس نے شراب کا ایک پیالہ توڑ کر بیگم صاحب کا سیٹ خراب کر دیا تھا اور نوکر نے بھی بڑی بدتمیزی اور گستاخی سے دُوبدُو جواب دیا تھا۔

"کیسا عجیب گھرانا ہے"۔ ژولیاں نے سوچا "یہ لوگ جتنا روپیہ چراتے ہیں اگر اس میں سے آدھا بھی مجھے پیش کریں تو بھی میں ان کے یہاں رہنا قبول نہ کروں۔ کسی نہ کسی دن میرے منہ سے بات نکل ہی جائے! انہیں دیکھ کر میرے

دل میں جو حقارت پیدا ہوتی ہے۔ وہ مجھ سے ضبط ہو ہی نہیں سکتی۔"

بہر حال مادام دریناال کے احکام کے بموجب ایسی کئی دعوتوں میں شریک ہونا پڑا۔ وہ تو ایک اچھا خاصا فیشن بن گیا۔ لوگوں نے وہ وردی اور سلامی کے دستے والی بات معاف کر دی، بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ وہ ناعاقبت اندیشانہ مظاہرہ ہی اس کی کامیابی کا اصلی سبب ہوا۔ اب شہر میں لوگوں کو بس ایک ہی سوال پریشان کر رہا تھا۔ وہ یہ کہ اس عالم و فاضل نوجوان کی خدمات حاصل کرنے میں کون کامیاب ہو گا۔ موسیو دریناال یا محتاج خانے کا مہتمم؟ ان دو آدمیوں اور موسیو ماس تول نے مل کر کئی سال سے ایک تگڈم بنا رکھی تھی جس کی شہر پر مطلق العنان حکمرانی تھی۔ لوگ کہ مشیر سے جلتے تھے۔ آزاد خیال جماعت والوں کو اس سے جائز شکایتیں تھیں لیکن بہرصورت وہ عالی خاندان آدمی تھا اور بنا ہی تھا سربرآوردہ ہونے کے لئے۔ اس کے برخلاف موسیو والی نو کے باپ نے تو اپنے پیچھے چھ سو لیور کی آمدنی بھی نہیں چھوڑی تھی اس نے دو طرح کا زمانہ دیکھا تھا۔ ایک تو وہ کہ جب والی نو لڑکا تھا اور اسے ہرے رنگ کا پھٹا پرانا کوٹ پہنے دیکھ کر لوگوں کو رحم آیا کرتا تھا۔ یہ بات سب کو ابھی تک یاد تھی۔ پھر وہ زمانہ آیا کہ لوگوں کو اس کے نارمن گھوڑے، سونے کی زنجیریں پیرس سے منگوائے ہوئے کپڑے، غرض اس کی موجودہ خوش حالی دیکھ دیکھ کر جلن ہونے لگی۔

اس دنیا کے ہنگاموں میں جو ژولیاں کے لئے بالکل نئی تھی اسے خیال ہوا کہ مجھے ایک ایماندار آدمی مل گیا ہے۔ یہ گرو نامی ایک اقلیدس داں تھا۔ جسے انقلاب پسند سمجھا جاتا تھا۔ ژولیاں نے عہد کر لیا تھا کہ جس چیز کو میں خود جھوٹ

سمجھتا ہوں۔ اس کے سوا کبھی کوئی بات نہیں کہوں گا۔ چنانچہ اسے یہ ظاہر کرنا پڑا۔ جیسے وہ موسیو گرو سے بدگمان ہو۔ درزی سے اس کے پاس بچوں کے کام کے بڑے بڑے پلندے آتے تھے۔ اسے مشورہ دیا گیا تھا کہ اپنے باپ سے ملا کرو۔ اور وہ یہ تکلیف دہ فرض انجام دیتا رہا تھا۔ مختصر یہ کہ وہ بدنامی کا داغ دھونے کی پوری کوشش کر رہا تھا کہ ایک دن صبح کو وہ سوتے سوتے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ کسی نے دونوں ہاتھوں سے اس کی آنکھیں بند کر لی تھیں۔

یہ مادام دریناآل تھی جو ابھی شہر آئی تھی۔ بچے اپنے ساتھ ایک خرگوش لائے تھے۔ اس نے انہیں تو خرگوش سے کھیلنے دیا اور خود چار چار سیڑھیاں ایک ساتھ طے کرتی ہوئی بچوں سے ایک منٹ پہلے ژولیاں کے کمرے میں آ پہنچی۔ یہ لمحہ بڑا پر لطف مگر بہت مختصر ثابت ہوا۔ بچے خرگوش لیے ہوئے اپنے دوست کو دکھانے آئے تو مادام دریناآل کھسک گئی۔ ژولیاں نے سب کی یہاں تک کہ خرگوش کی بھی بڑی آؤ بھگت کی۔ اسے ایسا معلوم ہوا جیسے پھر اپنے خاندان میں پہنچ گیا ہو۔ اسے محسوس ہوا کہ مجھے ان بچوں سے بڑی محبت ہے اور ان کی بھولی بھولی باتوں میں شامل ہو کر بڑا مزا آتا ہے۔ اسے ان کی پیاری پیاری آوازیں سن کر اور ان کے آداب و اطوار کی سادگی اور شائستگی دیکھ کر تعجب سا ہوتا۔ ویریئر میں اسے بڑے ناپسندیدہ خیالات اور عامیانہ طور طریقوں کی فضا میں سانس لینا پڑا تھا۔ اس کا جی چاہا کہ اپنے تخیل کو دھو دھلا کر ان سارے داغ دھبوں سے پاک کر دے۔ شہر والوں کو ہر وقت دیوالہ نکل جانے کا خطرہ لاحق رہتا تھا۔ ان کی زندگی میں دولت مندی اور افلاس ہر وقت ایک دوسرے سے دست و گریباں رہتے تھے۔

جن لوگوں کے یہاں اس کی دعوت ہوتی تو وہ اپنے دسترخوان پر چنے ہوئے کھانوں کا اس طرح ذکر کرتے جس سے ان کا چھوٹا پن ٹپکتا اور سننے والوں کو گھن آنے لگتی۔

"تم لوگ واقعی رئیس ہو۔ تمہیں اپنے اوپر فخر کرنے کا حق حاصل ہے۔" وہ مادام ورینال سے بولا اور پھر اس نے سارا حال سنایا کہ مجھے ان دعوتوں میں کیا کچھ برداشت کرنا پڑا ہے۔

"اچھا، تو گویا تم بڑے ہر دلعزیز ہو رہے ہو!" اور مادام ورینال کو یہ سوچ کر بہت ہنسی آئی کہ جب ژرولیاں آنے والا ہو تو بچاری مادام والنو کو سرخی لگانی پڑتی ہے۔ "میرے خیال میں وہ تمہارا دل لینے کی فکر میں ہے۔" اس نے لقمہ دیا۔

دوپہر کے کھانے کے وقت بڑا مزا آیا۔ بچوں کی موجودگی بظاہر تو ایک رکاوٹ تھی، مگر دراصل اس سے سب کی خوشی دوبالا ہو گئی۔ بچارے بچوں کو ژرولیاں سے دوبارہ مل کر ایسی خوشی ہوئی تھی کہ ان سے اس کا اظہار بھی نہ ہو رہا تھا۔ نوکروں نے انہیں یہ بات بتا دی تھی کہ والنو اپنے بچوں کی تربیت کے لئے ژرولیاں کو دو سو فرانک زیادہ دے رہا تھا۔

استانس لاس زاویے جو اپنی علالت کے بعد سے ابھی تک زرد پڑا ہوا تھا۔ کھانا کھاتے کھاتے ایک دم ماں سے پوچھنے لگا کہ یہ چاندی کا چمچہ اور پیالہ کتنے کا ہے۔ جس سے میں پانی پی رہا ہوں۔

"یہ کیوں پوچھتے ہو؟"

"میں انہیں بیچ کے سارے پیسے موسیو ژرولیاں کو دوں گا۔ تاکہ ہمارے پاس رہ کے وہ بے وقوف نہ بنیں۔"

ژولیاں کی آنکھوں میں آنسو آگئے، اور اس نے بچے کو گلے لگا لیا۔ ماں بھی ایک دم سے رونے لگی۔ ژولیاں نے استانس لاس کو گود میں بٹھا لیا اور سمجھانے لگا کہ تمہیں یہ لفظ "بے وقوف" نہیں کہنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ ان معنوں میں تو یہ لفظ نوکر لوگ استعمال کرتے ہیں۔ اس نے دیکھا کہ مادام وریناال کو خوشی ہو رہی ہے تو وہ بڑی دلچسپ مثالیں دے کر بتانے لگا کہ بے وقوف بننے کے کیا معنی ہیں۔ ان باتوں میں بچوں کو بڑا مزا آیا۔

"میں سمجھ گیا" استانس لاس بولا "کوا بے وقوف بن گیا اور پنیر کا ٹکڑا چونچ سے گرا دیا۔ لومڑی اس کی خوشامد کر رہی تھی۔ اس نے وہ ٹکڑا اٹھا لیا۔"

مادام وریناال خوشی کے مارے پاگل ہو گئی اور بچوں کو ٹوٹ ٹوٹ کر پیار کرنے لگی جس کے لئے اسے ہر مرتبہ تھوڑا سا ژولیاں پر جھکنا پڑتا۔

دروازہ ایک دم سے کھلا۔ یہ موسیو وریناال تھا۔ اس کا سخت اور غضب ناک چہرہ اس معصومانہ خوش دلی کا تضاد پیش کر رہا تھا جو اس کے اندر آتے ہی غائب ہو گئی۔ مادام وریناال کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ اسے کچھ ایسا محسوس ہوا کہ اب مجھ سے کوئی بات چھپائی نہیں جا سکے گی۔ ژولیاں نے ہوشیاری سے کام لیا اور بلند آواز میں میئر کو چاندی کے پیالے کا قصہ سنانے لگا جسے استانس لاس بیچنا چاہتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ یہ بات سن کر موسیو وریناال ناک بھوں چڑھائے گا۔ چاندی کا نام سنتے ہی حسبِ عادت اس کی پیشانی پر شکن آگئی۔ وہ کہا کرتا تھا "اس دھات کا نام آتے ہی میں سمجھ جاتا ہوں کہ اب میری جیب پر حملہ ہونے والا ہے۔"

لیکن اس وقت معاملہ صرف روپیہ کا نہیں تھا۔ اس کے شبہات کچھ اور تقویت

پکڑ گئے تھے۔ اس شخص پہ پندار کا غلبہ تھا۔ وہ بالکل چھوٹی موٹی بن کے رہ گیا تھا چنانچہ اس کی غیر موجودگی میں خاندان کا اس طرح خوش و خرّم ہونا ایسی بات نہیں تھی جس سے معاملہ سلجھے۔ اس کی بیوی تعریف کرنے لگی کہ ژولیاں بچوں کو نئی نئی باتیں بڑی خوبصورتی سے اور بڑے دلچسپ انداز میں سمجھاتا ہے تو وہ بولا۔

"ہاں، ہاں، مجھے معلوم ہے۔ اس کی وجہ سے میرے بچے مجھ سے گھبرانے لگے ہیں۔ میری بہ نسبت اس کے لئے اُن کا دل موہ لینا سو گنا آسان ہے، کیونکہ میں تو بہر حال آقا ہوں۔ آج کل یہ فیشن ہی چل پڑا ہے کہ ہر قسم کے جائز اقتدار کو حقارت کی نظروں سے دیکھا جائے۔ بچارے فرانس کا کیا حشر ہونے والا ہے"۔

مادام ورینال نے اس بات پر غور ہی نہیں کیا کہ شوہر کے اس انداز کا مطلب کیا ہے۔ اسے تو بس یہ نظر آ گیا تھا کہ اب میں ژولیاں کے ساتھ بارہ گھنٹے گزار سکتی ہوں۔ شہر میں اسے بہت سی چیزیں خریدنی تھیں اور اس نے صاف اعلان کر دیا کہ میں ریسٹورنٹ میں کھانا ضرور کھاؤں گی۔ شوہر نے بہت کچھ روکا، مگر اس نے ایک نہ سنی اور اپنی بات پہ اڑی رہی۔ ریسٹورنٹ کا نام سنتے ہی بچے خوشی کے مارے اچھل پڑے۔ آج کل دکھلاوے کی پارسائی کا زمانہ ہے، یہ لفظ کہنے ہی میں لوگوں کو مزا آتا ہے۔

موسیو ورینال بیوی کو کپڑے کی دکان میں چھوڑ کر خود ملنے ملانے چلا گیا۔ وہ صبح سے بھی زیادہ افسردہ خاطر ہو کے واپس آیا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ شہر بھر بس اس کے اور ژولیاں کے بارے میں سوچ رہا ہے۔ دراصل ابھی تک کسی نے اس کے دل میں یہ شبہ پیدا ہونے کا موقع ہی نہیں دیا تھا کہ ان چہ میگوئیوں میں چند ناخوشگوار

عناصر بھی ہیں۔ مئیر کو جو باتیں سنائی گئی تھیں۔ وہ صرف اس سوال سے متعلق تھیں۔ کہ ژولیاں چھ سو فرانک کی تنخواہ پر اُسی کے یہاں رہے گا یا محتاج خانے کے مہتمم نے جو آٹھ سو کی پیش کش کی ہے اسے قبول کرے گا۔

مہتمم شرفا کے مجمع میں موسیو دریناال سے ملا تو ذرا بے رخی سے پیش آیا۔ اس نے یہ انداز تو ضرور اختیار کیا مگر یہاں بھی ہوشیاری برتی۔ قصبات میں، لوگ سمجھے بوجھے بغیر کوئی کام ذرا کم ہی کرتے ہیں۔ وہاں سنسنی خیز باتیں ایسے شاذ و نادر ہوتی ہیں کہ لوگ انہیں گول کر جاتے ہیں۔

موسیو وال نو بڑا چلتا پرزہ تھا۔ اس کی طبیعت میں ڈھٹائی اور اجڈپن کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ ۱۸۱۵ء کے بعد سے جو کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ ان سے یہ عادتیں اور پکی ہو گئی تھیں۔ یوں کہنا چاہیے کہ شہر میں موسیو دریناال کے بعد اسی کی حکومت تھی۔ لیکن اس میں چلت پھرت کہیں زیادہ تھی۔ شرم تو اسے چھو تک نہ گئی تھی۔ ہر چیز میں دخل در معقولات کرتا، ہر وقت شہر کا چکر لگاتا رہتا، خط لکھتا۔ لوگوں سے باتیں کرتا، کہیں ذلت اٹھانی پڑے تو فوراً بھول جاتا اور اپنی ذات کے بارے میں تو اسے کوئی خوش فہمی تھی ہی نہیں۔ چنانچہ آخر اس نے کلیسا کے حکام کی نظروں میں اپنے افسر موسیو دریناال کے برابر اعتماد حاصل کر لیا تھا۔ موسیو وال نو نے گویا شہر کے پنساریوں کو ہدایت کی تھی کہ تم میں جو دو سب سے بے وقوف آدمی ہوں انہیں میرے پاس بھیج دو، وکیلوں سے دو جاہل مانگے تھے، اور محکمہ صحت کے افسروں سے دو بدمعاش۔ جب ہر پیشے کے انتہائی بے شرم لوگ اکٹھے ہو گئے تو ان سے کہا تھا۔ "آؤ ہم مل کے شہر پہ حکومت کریں۔"

موسیو ورینال کو ان لوگوں کے اطوار سے بڑی تکلیف پہنچتی تھی۔ وال نو کے مزاج میں ایسی ناشائستگی تھی کہ اسے کوئی بات بُری ہی نہ لگتی۔ یہاں تک کہ جب وہ نوعمر پادری ماس لوں سب کے سامنے اسے جھٹلاتا تب بھی وہ چپ رہتا۔

لیکن اس خوش حالی کے باوجود موسیو وال نو اس بات سے باخبر تھا کہ لوگوں کو بہت سی تلخ حقیقتیں معلوم ہیں اور وہ اس سے بجا طور پر مواخذہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اس سے بچنے کے لئے اسے لوگوں سے چھوٹی چھوٹی باتوں میں بدتمیزی سے پیش آنا پڑتا تھا۔ موسیو آپیئر کے آنے کے بعد اسے ایسا ڈر لگا کہ اب اس کی سرگرمیاں پہلے سے بہت بڑھ گئی تھیں۔ تین دفعہ تو وہ بساں سوں جا چکا تھا۔ ہر ڈاک سے وہ کئی کئی خط لکھتا تھا اور کچھ خط نامعلوم ہرکاروں کے ہاتھ بھیجتا تھا جو رات گئے اس کے یہاں آیا کرتے تھے۔ بڈھے پادری شیلاں کو برطرف کرانے میں شاید اس نے غلطی کی تھی، کیونکہ یہ انتقامی حرکت دیکھ کر اچھے خاندانوں کی کئی دیندار عورتیں اسے بڑا بدفطرت آدمی سمجھنے لگی تھیں۔ پھر چونکہ یہ کام بڑے پادری دفری لیئر کے ذریعے ہوا تھا۔ لہٰذا وہ اس کا غلام بن کے رہ گیا تھا اور اب اسے عجب عجب احکام ملا کرتے تھے۔ غرض وہ اپنی سیاست آرائیوں کی اس منزل میں تھا کہ اسے ایک گمنام خط لکھنے کی سوجھی۔ اوپر سے ایک الجھن یہ پیدا ہوئی کہ اس کی بیوی نے کہا کہ میں تو ژولیاں کو اپنے یہاں رکھنا چاہتی ہوں۔ بچاری عورت کا پندار اسی بات کا مقتضی تھا۔

ان حالات میں موسیو وال نو سمجھ گیا کہ اب اپنے پرانے ساتھی موسیو درینال سے بگاڑ ہونا لازمی ہے۔ شاید میئر اسے کچھ سخت سست کہے، مگر یہ اس کے لئے کوئی ایسی بات نہ تھی۔ لیکن ممکن ہے وہ بساں سوں یا پیرس تک بات پہنچا دے۔ پھر کسی

نہ کسی وزیر کا کوئی بھائی بند اچانک ڈیریکٹر آ پہنچے گا، اور محتاج خانے کا انتظام اس سے چھین لے گا۔ موسیو والی تو نے سوچا کہ آزاد خیال جماعت والوں سے دوستی گانٹھنی چاہیئے۔ ڈرولیاں نے جس دعوت میں اپنا کمال دکھایا تھا۔ اس میں کئی آزاد خیال آدمی اسی وجہ سے بلائے گئے تھے۔ اُسے امید تھی کہ میئر کے خلاف ان لوگوں سے بہت مدد ملے گی۔ لیکن یہ بھی تو ممکن تھا کہ انتخابات ہونے لگیں، اور یہ تو مانی ہوئی بات تھی کہ حکومت کی مخالف جماعت کو رائے دینے کے بعد محتاج خانے کا مہتمم بنے رہنا محال تھا۔ ان چالبازیوں کو مادام درینال خوب سمجھتی تھی اور جب وہ ڈرولیاں کے بازو کا سہارا لئے دکان دکان پھر رہی تھی تو اس نے یہ تاریخ سنا ڈالی۔ یہی باتیں کرتے کرتے وہ بڑی سڑک پر جا پہنچے جہاں انہوں نے کئی گھنٹے اسی سکون کے ساتھ گزارے جیسے ورژی میں گزرتے تھے۔

اس وقت موسیو والی نو اس کوشش میں تھا کہ اپنے پرانے حاکم سے بگاڑ نہ ہونے پائے۔ چنانچہ اس نے خود بڑا جسارت آمیز رویّہ اختیار کر لیا تھا۔ آج تو یہ ترکیب کام دے گئی، مگر میئر کی ناراضی بھی ساتھ ساتھ بڑھ گئی۔

پیسے کی ذلیل محبت کے سب سے گھناؤنے اور کراہت انگیز عناصر سے دست و گریباں ہونے کے بعد پندار نے کبھی کسی کی ایسی بُری گت نہ بنائی ہو گی جیسی اپیٹو ہنٹ میں داخل ہوتے وقت موسیو درینال کی تھی۔ اس کے برخلاف اس کے بچے کبھی اس سے زیادہ مسرور اور دل شاد نہ ہوئے ہوں گے۔ یہ تضاد دیکھ کر موسیو درینال بھڑک اٹھا۔

"جہاں تک میں سمجھ سکتا ہوں، خود اپنے خاندان میں میری حالت تو مدّ فاضل کی سی ہے" اس نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا، اور اپنے لہجے کو بارعب بنانے کی کوشش کی۔

جواب دینے کی نیت سے اس کی بیوی اُسے الگ لے گئی اور کہا کہ ژولیاں کو الگ کرنا بہت ضروری ہے۔ اسے جو خوشی کے چند گھنٹے مل گئے تھے تو اب اس میں اتنی قوتِ ارادی اور ایسی موزونی طبع آ گئی تھی کہ جس تجویز پر پندرہ دن سے غور کر رہی تھی اُسے عمل میں لا سکے جس چیز نے بچارے متیّر کا ذہنی سکون بالکل تباہ کر کے رکھ دیا تھا وہ یہ تھی کہ اُسے پتہ چلا شہر میں لوگ برسرِ عام اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ تو مبلغ علیہ السلام پر جان دیتا ہے۔ موسیو وال نو تو ڈاکوؤں کی طرح فیاضی سے کام لیتا تھا۔ اس کے برخلاف پچھلی پانچ چھ دفعہ جب کبھی کلیسا کی طرف سے چندہ جمع ہوا۔ موسیو دریناال نے دوراندیشی کا مظاہرہ تو ضرور کیا لیکن اپنے آپ کو اس طرح پیش نہیں کیا کہ لوگوں میں واہ واہ ہو۔

چندہ جمع کرنے والے صاحب جو فہرستیں بناتے تھے ان میں لوگوں کے نام بڑی ہوشیاری سے نذرانے کی رقم کے اعتبار سے لکھتے تھے۔ وریّیرا اور اس پاس کے زمینداروں کے زمرے میں موسیو دریناال کا نام کئی دفعہ سب سے نیچے نظر آیا تھا۔ اس نے بہتیرا کہا کہ میرے پاس دستِ غیب نہیں، مگر بے سود۔ اس معاملے میں پادری لوگ مذاق کی اجازت نہیں دیتے۔

تیئسواں باب

ایک سرکاری افسر کے مصائب

اپنی من مانی کرنے میں مزا تو بہت آتا ہے۔ لیکن اس کے بدلے چند لمحے
دکھ بھی سہنا پڑتا ہے۔

کاسنی

لیکن اب تھوڑی دیر کے لئے اس احمق اور اس کے چھوٹے چھوٹے خدشوں کو چھوڑ دیجئے۔ اُسے تو ایک پست فطرت ملازم چاہیئے تھا۔ آخر اس نے ایک دل والے کو اپنے گھر رکھا ہی کیوں؟ اس نے یہ بات کیوں نہیں سیکھی کہ اپنے ملازموں کا انتخاب کیسے کیا جاتا ہے؟ (انیسویں صدی کا عام دستور یہ ہے کہ جب کوئی عالی نسب اور طاقت ور آدمی کسی دل والے کو دیکھتا ہے تو اسے موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے، ملک سے نکال دیتا ہے، قید کرا دیتا ہے، اور کچھ بس نہ چلے تو اتنا ذلیل کرتا ہے کہ وہ بے وقوف رنج کے مارے خود ہی مر جاتا ہے)
اس مرتبہ کچھ ایسا اتفاق ہوا ہے کہ دل والے کو ابھی تک کوئی مصیبت نہیں اٹھانی پڑی۔ فرانس کے چھوٹے شہروں اور نیو یارک کی سی منتخبہ حکومتوں کی بڑی بدقسمتی یہ ہے

کہ انہیں یہ بات نہیں بھولتی کہ دنیا میں موسیو دریناں جیسے لوگ بھی بستے ہیں۔ بیس ہزار باشندوں کے شہر میں ایسے ہی لوگ رائے عامہ کی تشکیل کرتے ہیں، اور جس ملک میں جمہوری حقوق مل چکے ہوں، وہاں رائے عامہ ایک بڑی خوفناک طاقت ہوتی ہے۔ ایک اچھا خاصا نیک دل اور فیاض طبیعت آدمی جس کا گھر سو کوس کے فاصلے پر نہ ہوتا تو اس سے آپ کی دوستی ہوتی، آپ کے شہر کی رائے عامہ کے مطابق آپ کے بارے میں رائے قائم کرتا ہے اور یہ رائے عامہ ان احمقوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے جو اتفاق سے عالی خاندان، دولت مند اور معتدل مزاج واقع ہوئے ہیں۔ چنانچہ جو آدمی کسی اعتبار سے بھی امتیاز رکھتا ہو اس کی خیر نہیں!

کھانا کھاتے ہی وہ لوگ ورژی روانہ ہو گئے لیکن دو دن بعد ژولیاں نے دیکھا کہ پورا خاندان پھر شہر میں موجود ہے۔

ابھی ایک گھنٹہ بھی نہیں گزرا تھا کہ ژولیاں کو یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا کہ مادام دریناں کسی چیز کے بارے میں بڑی رازداری برت رہی ہے۔ وہ اپنے شوہر سے باتیں کر رہی تھی۔ مگر جیسے ہی ژولیاں سامنے آتا۔ فوراً چپ ہو جاتی۔ اس کے انداز سے کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ چاہتی ہے۔ ژولیاں وہاں سے چلا جائے ژولیاں کو دو دفعہ تنبیہہ کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ اس نے فوراً بے اعتنائی اور سرد مہری کا انداز اختیار کر لیا۔ مادام دریناں نے بھی یہ بات دیکھی مگر اس سے وجہ نہیں پوچھی۔ وہ دل میں سوچنے لگا۔ "کیا اب یہ میرا کوئی اور جانشین لانے والی ہے؟ ابھی پرسوں ہی تو مجھ سے ایسے گھل مل کے باتیں کر رہی تھی! لیکن کہتے ہیں کہ امیر عورتوں کے یہی انداز ہیں۔ وہ بالکل بادشاہوں کی طرح ہوتی ہیں۔ ابھی تو

الطاف واکرام کی بارش ہو رہی ہے اور وزیر گھر پہنچا تو برطرفی کا حکم رکھا ہے۔"

ژولیاں نے دیکھا کہ اس گفتگو میں جو میرے سامنے آتے ہی فوراً بند ہو جاتی ہے اکثر ایک بڑے مکان کا ذکر ہو رہا ہے۔ یہ گھر شہر کی میونسپلٹی کی ملکیت تھا۔ یوں تھا تو پرانا، مگر بہت لمبا چوڑا اور مرکانیت کے اعتبار سے بڑا نفیس، پھر گرجا کے سامنے شہر کے سب سے اچھے حصے میں واقع تھا ــــ ژولیاں نے سوچا: "اس مکان کا نئے عاشق سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟"

اپنی اس الجھن میں ژولیاں فرانسس اوّل کا وہ دلچسپ شعر دل ہی دل میں گنگنانے لگا جو اُسے نیا نیا معلوم ہوا۔ کیونکہ ابھی مہینہ بھر پہلے ہی تو مادام دریناآل نے اسے یاد کرایا تھا۔ اُن دنوں کیسے کیسے عہد و پیمان اور کیسی کیسی ہم آغوشیوں سے اس کی تردید ہوئی تھی۔

عورت کتنی جلدی بدل جاتی ہے
وہ آدمی احمق ہے جو اس کا اعتبار کرے۔

موسیو دریناآل ڈاک گاڑی سے بیاں سوں روانہ ہو گیا۔ اس سفر کا فیصلہ ابھی دو گھنٹے میں ہوا تھا۔ وہ بڑا پریشان معلوم ہو رہا تھا۔ سفر سے واپس آتے ہی اس نے بھورے کاغذ میں بندھا ہوا ایک بڑا سا بنڈل میز پہ پھینک دیا۔

"لو یہ رہی مصیبت۔" اس نے بیوی سے کہا۔

گھنٹے بھر بعد ژولیاں نے دیکھا کہ اشتہار چپکانے والا آیا اور بنڈل اٹھا کے لے گیا۔ وہ فوراً اس کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ "لو ابھی سڑک کے نکڑ پہ سارا بھید کھلا جاتا ہے۔"

وہ اشتہار چپکانے والے کے پیچھے کھڑا ہو کے بے چینی سے انتظار کرنے لگا جو ایک موٹے سے برش سے اشتہار کی پشت پر پھاپھٹ گوند لگا رہا تھا۔ اشتہار لگتے ہی ژولیاں نے بڑے تجسس کے ساتھ یہ مفصل اعلان پڑھنا شروع کر دیا۔ موسیو وریناآل اور اس کی بیوی کی گفتگو میں جس پرانے مکان کا بار بار ذکر ہو رہا تھا۔ اس کا برسرِ عام نیلام ہونے والا تھا۔ نیلام کا وقت ٹاؤن ہال میں کل دو بجے تیسری بتی گل ہونے کے بعد مقرر ہوا تھا۔ ژولیاں کو بڑی مایوسی ہوئی۔ اس کے خیال میں یہ وقفہ بہت کم تھا۔ سارے بولی بولنے والوں کو وقت پر نیلام کا پتہ کیسے چل سکتا تھا؟ پھر اشتہار میں پندرہ دن پہلے کی تاریخ لکھی تھی۔ اس نے اشتہار کو شروع سے آخر تک تین مختلف جگہ پڑھا، لیکن ان باتوں کے علاوہ اور کچھ معلوم نہ ہو سکا۔

وہ خالی مکان کا معائنہ کرنے کے لیے جا پہنچا۔ چوکیدار نے اُسے آتے ہوئے نہیں دیکھا۔ وہ بڑے پُراسرار لہجے میں اپنے ایک دوست سے کہہ رہا تھا۔

"اونہہ، خواہ مخواہ وقت خراب ہو رہا ہے! موسیو ماس لوں نے اس سے وعدہ کر لیا تھا کہ تمہیں یہ مکان تین سو فرانک میں مل جائے گا۔ میئر نے کچھ چیں چپڑ کی تو پادری فری لئیر نے اسے اسقف کے محل بھیج دیا۔"

ژولیاں کو دیکھ کر دونوں دوست بوکھلا گئے اور پھر انہوں نے ایک لفظ بھی نہ کہا۔

ژولیاں نیلام میں بھی آ موجود ہوا۔ کمرے میں دھیمی دھیمی روشنی ہو رہی تھی، اور پورا مجمع لگا ہوا تھا لیکن ہر شخص اپنے ساتھ والے کو عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا سب کی نگاہیں میز کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ ژولیاں نے دیکھا کہ وہاں ایک طشت

ہیں تین موم بتیوں کے ٹکڑے روشن ہیں۔ نیلام والا چلّا رہا تھا ــــ "حضرات! تین سو فرانک!"

"تین سو فرانک! یہ تو بہت بُری بات ہے!" ایک شخص نے دوسرے آدمی کے کان میں کہا۔ ژولیاں دونوں کے بیچ میں کھڑا تھا "یہ تو آٹھ سو سے بھی زیادہ کا ہے۔ میں بڑھ کے بولی لگاتا ہوں"۔

"یہ تو گھر پھونک کے تماشہ دیکھنے والی بات ہوگی۔ موسیو ماسلوں، موسیو وال نو، اسقف، وہ خوفناک پادری فری لیئر اور ان کے سارے جرگے کی دشمنی مول لینے سے تمہیں کیا فائدہ ہوگا؟"

"تین سو بیس"۔ دوسرے آدمی نے چلّا کے کہا

"گدھے"۔ اس کے برابر والا آدمی بولا۔ "میئر کا ایک جاسوس یہاں کھڑا ہے"۔ اس نے ژولیاں کی طرف اشارہ کیا۔

ژولیاں فوراً اسے ڈانٹنے کے لئے مڑا۔ لیکن اُن دونوں نے اس کی طرف مطلق توجہ نہ کی۔ اُن کا پُرسکون انداز دیکھ کر ژولیاں بھی ٹھنڈا پڑ گیا۔ اب تیسری بتی بھی بجھ گئی اور نیلام والے نے اپنی گھسٹتی ہوئی آواز میں مکان نو سال کے لئے محکمے کے معتمدِ اعلیٰ موسیو دسیں ژی رو کو دے دیا ــــ اور تین سو فرانک میں۔

میئر کے کمرے سے باہر نکلتے ہی چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔

"چلو، گروژو کی بے وقوفی سے میونسپلٹی کو تیس فرانک کا فائدہ تو ہوا"۔ ایک آدمی نے کہا۔

"لیکن موسیو دسیں ژی رو بھی گرونژ سے بدلہ لے لے گا چھوڑے گا تھوڑا ہی" جواب ملا۔

"کیا بدمعاشی ہے!" ژولیاں کے بائیں طرف سے ایک موٹا آدمی بولا۔ "اپنا کارخانہ بنانے کے لئے اس مکان کے آٹھ سو فرانک تو میں ہی دے دیتا اور پھر بھی سودا اچھا ہی رہتا"۔

"ہونہہ!" ایک نوجوان صنعت کار نے جواب دیا جو آزاد خیال جماعت کا رکن تھا۔ "آخر موسیو دسیں ژی رو کا تعلق کلیسا سے ہے یا نہیں؟ کیا اس کے چار دن بچوں کو وظیفے نہیں ملے؟ بچارا! اب یہ میونسپلٹی کا فرض ہے کہ پانچ سو فرانک الاؤنس دے کر اس کا نقصان پورا کرے۔ دیکھ لینا یہی ہوگا"۔

"اور سوچو تو، میئر ان لوگوں کو روک نہیں سکا!" تیسرے آدمی نے کہا "چاہے وہ شاہ پرست ہو، مگر چور نہیں ہے"۔

"چور نہیں ہے؟" ایک اور آدمی بولا۔ "اجی یہ تو ساجھے کا کام ہے پہلے تو سارا مال ایک جگہ جمع ہوتا رہتا ہے، پھر سال کے آخر میں سب کو اپنا اپنا حصہ مل جاتا ہے۔ مگر دیکھو، سوریل کا لڑکا کھڑا ہے۔ اب یہاں سے کھسک لو"۔

ژولیاں بہت ہی بدمزگی کے عالم میں گھر واپس ہوا۔ اس نے دیکھا کہ مادام دریناں بڑی افسردہ خاطر بیٹھی ہے۔

"کیا تم نیلام سے آرہے ہو؟" وہ پوچھنے لگی۔

"جی بیگم صاحب۔ وہاں مجھے یہ شرف حاصل ہوا۔ کہ لوگوں نے مجھے مخبر کا جاسوس سمجھا"

اتنے میں موسیو دریناّل بھی آگیا۔ وہ بڑا پژمردہ لگ رہا تھا۔ کھانے کے دوران میں سب بالکل خاموش رہے۔ موسیو دریناّل نے ژولیاں سے کہا کہ بچوں کے ساتھ ورژی چلو۔ سفر میں بھی وہی افسردگی طاری رہی۔ مادام دریناّل شوہر کو تسلی دینے کی کوشش کرنے لگی۔

"یہ تو روزمرّہ کی بات ہے، آپ کو تو عادت پڑ ہی چکی ہے۔"

شام کو سب لوگ آتش دان کے گرد بیٹھے تو بھی خاموشی دور نہ ہوئی۔ اگر کوئی آواز پیدا ہوتی بھی تو بس جلتی ہوئی لکڑیوں کے تڑخنے کی۔ افسردگی کے ایسے لمحے متحدّ سے متحدّ خاندان کی زندگی میں بھی آتے ہیں۔ اچانک ایک بچہّ خوش ہو کے پکار اُٹھا——

"گھنٹی بج رہی ہے! گھنٹی بج رہی ہے!"

"اوہو، کہیں دسیں تژی رو تو میرا شکریہ ادا کرنے کے بہانے مجھے پریشان کرنے نہیں آیا! اگر وہی ہوا تو میں اسے صاف صاف سنا دوں گا۔ واقعی یہ بہت بُری بات ہوتی ہے۔ اصل میں شکریہ تو اُسے موسیو وال نو کا ادا کرنا چاہیئے۔ میں تو مفت میں بدنام ہوا۔ اگر وہ منحوس آزاد خیال اخبار یہ واقعہ لے اڑے اور مجھے بے ایمان بتانے لگے تو پھر میں کیا کروں گا؟"

خادم کے پیچھے پیچھے ایک خوبصورت سا آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ جس کے گُل مچھے سیاہ اور بہت گھنے تھے۔

"جی، میرا نام زیروفی مو ہے۔ نو دن ہوتے ہیں نیپلز سے چلا تھا۔ وہاں سفارت خانے میں جو موسیو شوالیے دلبو وازی ہیں انہوں نے آپ کے نام ایک خط دیا تھا۔ لیجئے یہ حاضر ہے۔" پھر وہ مادام وریناال کی طرف دیکھتے ہوئے ذرا شوخی سے کہنے لگا۔ "آپ کے بھائی اور میرے مہربان دوست سی نیور لو وازی نے بتایا ہے کہ آپ اطالوی زبان جانتی ہیں۔"

اس نیپلز والے کی خوش طبعی نے اس بے کیف شام کو انتہائی پر لطف بنا دیا۔ مادام وریناال نے اسے بڑے اصرار سے کھانا کھلایا۔ اس نے سارے گھر میں ایک ہلچل مچا دی، کیونکہ وہ چاہتی تھی ژولیاں کسی نہ کسی طرح یہ بات بھول جائے کہ آج دن میں دو دفعہ اسے جاسوس کہا گیا ہے۔ سی نیور زیروفی مو ایک مشہور گانے والا تھا۔ اس نے اچھی صحبتیں دیکھی تھیں اور خود بھی علم مجلسی میں طاق تھا۔ یہ ایسی خوبیاں تھیں جو فرانس میں کہیں ایک ساتھ نہیں ملتیں۔ کھانے کے بعد اس نے مادام وریناال کے ساتھ مل کر ایک چھوٹا سا گانا گایا۔ پھر وہ بڑے دلچسپ قصے سنانے لگا۔ رات کے ایک بجے ژولیاں نے بچوں سے کہا کہ اب تم جا کے سوؤ۔ مگر بچے احتجاج کرنے لگے۔

"بس یہی قصہ اور سن لیں۔" سب سے بڑے بچے نے کہا۔

"یہ خود میری کہانی ہے۔" زیروفی مو نے جواب دیا۔ "بچو، آٹھ سال پہلے میں تمہاری طرح نیپلز میں پڑھتا تھا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اس وقت میری عمر تمہارے برابر تھی۔ ورنہ مجھے ویریئر جیسے خوبصورت شہر کے معزز میئر کا فرزند ہونے کا شرف حاصل نہیں ہوا۔"

یہ بات سُن کر موسیو دریناآل نے ٹھنڈا سانس لیا اور بیوی کی طرف دیکھا۔ نوجوان گانے والا اب ایک عجیب لہجے میں بولنے لگا جس سے بچوں کو ایسی ہنسی آئی کہ پیٹ میں بل پڑ پڑ گئے "میرے استاد سی نیور زنگاریلی بڑے سخت آدمی ہیں۔ اسکول میں انہیں کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ لیکن وہ چاہتے ہیں کہ لڑکوں کا ترنم ایسا ہو۔ جیسے انہیں اپنے استاد سے بڑی محبت ہے۔ مجھے جب بھی موقع ملتا میں بھاگ نکلتا۔ میں سان کارلی نو والے تھیٹر میں جایا کرتا تھا۔ وہاں ایسی اچھی موسیقی سننے کو ملتی کہ بس کچھ نہ پوچھو۔ مگر سب سے نچلے درجے میں بیٹھنے کے لئے میں آٹھ سولدی کہاں سے لاتا؟ یہ کافی رقم ہوتی ہے" اس نے بچوں کی طرف دیکھ کر کہا اور بچے ہنس پڑے۔

"ایک دفعہ تھیٹر کے منیجر سی نیور جیودانو نے کہیں مجھے گاتے ہوئے سُن لیا۔ میری عمر سولہ سال تھی۔ وہ کہنے لگے یہ لڑکا تو ہیرا ہے۔

"ایک دن وہ مجھ سے بولے "کہو میں تمہیں اپنے تھیٹر میں رکھ لوں؟"

میں نے کہا "اچھا آپ کیا دیں گے؟"

وہ بولے "چالیس ڈوکٹ ماہوار۔ بچو، اس کا مطلب ہے ایک سو ساٹھ فرانک۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوا کہ جنت کے دروازے کھل گئے"

میں نے ان سے کہا "لیکن میرے استاد تو بڑے سخت آدمی ہیں۔ وہ مجھے کب چھوڑیں گے؟"

وہ بولے "لاسیافارے آمے"

"یہ میں دیکھ لوں گا!" سب سے بڑے بچے نے فوراً اس اطالوی جملے کا ترجمہ

سُنایا۔

"بالکل ٹھیک۔ خیر سی نیور جیو دانو نے مجھ سے بولے کہ اچھا بھئی، پہلے تو معاہدہ ہو جانا چاہئے۔ میں نے کاغذ پر دستخط کر دیئے۔ انہوں نے مجھے تین ڈوکٹ دیئے۔ میں نے اتنا روپیہ آج تک دیکھا بھی نہ تھا۔ پھر انہوں نے مجھے بتایا کہ اب کیا کرنا ہے۔

" اگلے دن میں اس خوفناک بڈھے زنگاریلی سے ملنے پہنچا۔ اس کا نوکر مجھے کمرے میں لے گیا۔

زنگاریلی نے کہا۔ "بول نالائق، کیا کام ہے؟"

میں بولا۔" کہ جناب، میں اپنی شرارتوں پہ بڑا نادم ہوں۔ اب میں جنگلے پہ چڑھ کے اسکول سے کبھی نہیں بھاگوں گا اور اپنا کام خوب دل لگا کے محنت سے کروں گا۔"

وہ کہنے لگے۔" کہ بدمعاش، تیرے جیسا گلا میں نے آج تک نہیں دیکھا تیری آواز خراب ہو جانے کا ڈر ہے، ورنہ میں تو تجھے پندرہ دن کے لئے کوٹھڑی میں بند کر دوں اور خشک روٹی اور پانی کے سوا کچھ نہ دوں۔"

میں بولا۔" جناب، آپ میری بات کا یقین کیجئے، میں اسکول کا سب سے اچھا لڑکا بن کے دکھا دوں گا۔ لیکن میں آپ سے ایک التجا کرتا ہوں۔ اگر کوئی آدمی آپ سے آ کے کہے کہ اسے اسکول کے باہر گانا سنانے کی اجازت دے دیجئے تو آپ انکار کر دیجئے گا۔ اس سے کہہ دیجئے کہ اجازت نہیں مل سکتی۔"

وہ کہنے لگے کہ بھلا تجھ جیسے نالائق کو کون بلانے آئے گا۔ کیا تو سمجھتا

ہے کہ میں تجھے اسکول چھوڑنے کی اجازت دے دوں گا؟ کیا تو مجھے بے وقوف بنا رہا ہے؟ چل بھاگ یہاں سے، دُور ہو! انہوں نے میرے ایک لات جمائی اور بولے، دفع ہو، ورنہ تجھے کوٹھڑی میں بند کر دوں گا، اور خالی خشک روٹی اور پانی دوں گا۔"

گھنٹے بھر بعد سی نیور جیووانّو نے استاد سے ملنے آئے۔

وہ کہنے لگے" اگر آپ نے میری ایک درخواست قبول کر لی تو میرے دن پھر جائیں گے۔ زیروتی مو کو مجھے دے دیجئے۔ اگر وہ میرے تھیٹر میں گانے لگا تو اب کے جاڑوں میں میری بیٹی کی شادی ہو جائے گی۔"

زنگاریلی نے پوچھا" آپ اس بدمعاش کو لے کے کیا کریں گے؟ میں تو اس کی اجازت نہیں دوں گا۔ وہ آپ کو نہیں مل سکتا۔ پھر اگر میں نے آپ کی بات مان بھی لی تو وہ خود اسکول چھوڑنے کو راضی نہیں ہو گا۔ ابھی تو اس نے خود مجھ سے کہا ہے۔"

تھیٹر کے منیجر نے جیب سے میرا معاہدہ نکال کر بڑی سنجیدگی سے کہا "اگر اس کی رضامندی ہی کا سوال ہے تو ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔ یہ اس کے دستخط موجود ہیں۔"

زنگاریلی نے طیش میں آ کے فوراً گھنٹی بجائی اور غصے کے مارے کھولتے ہوئے چیخ کے کہا" زیروتی مو کو اسکول سے نکال دو۔ چنانچہ مجھے نکال دیا گیا۔ اور میرا ہنستے ہنستے بُرا حال ہوا جا رہا تھا۔ اسی دن شام کو میں نے تھیٹر میں ایک بڑا مزے دار گانا سنایا۔ اس گانے میں قصہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ پُل چی نیلا

شادی کرنے والا ہے اور انگلیوں پر حساب لگا رہا ہے کہ گھر کے لئے کن چیزوں کی ضرورت پڑے گی، مگر حساب ہر دفعہ گڑبڑ ہو جاتا ہے۔"

"تو آپ ہمیں یہ گانا نہیں سُنائیں گے، جناب؟" مادام درینال بولی ژیروٓنی مونے گانا سنایا، اور سب لوگ ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہو گئے۔

ژیروٓنی مو دو بجے رات تک بیٹھا رہا اور جب وہ اٹھا تو سارا خاندان اُس کی شائستگی، زندہ دلی اور خوش اخلاقی پر فریفتہ ہو چکا تھا۔

اگلے دن موسیو اور مادام درینال نے اُسے وہ سفارشی خط لکھ دیئے۔ جن کی فرانسیسی دربار میں رسائی حاصل کرنے کے لئے اسے ضرورت تھی۔

"یعنی ہر جگہ جھوٹ کا راج ہے۔" ژولیاں بولا۔ "اب یہ بیس نیور ژیروٓنی مو ساٹھ ہزار فرانک کی تنخواہ پر لنڈن جا رہا ہے۔ اگر تھیٹر کے مینجر نے ہوشیاری سے کام نہ لیا ہوتا تو شاید دس سال اور اسی طرح گذر جاتے، اس کی شیریں آواز سے کوئی بھی واقف نہ ہوتا، اور نہ اس کی کوئی تعریف کرتا۔ ۔ ۔ ۔ میں ایمان سے کہتا ہوں، مجھے تو رینال ہونے کی بہ نسبت ژیروٓنی مو ہونا زیادہ پسند ہے دنیا میں اس کی وہ عزت تو نہیں۔ مگر اسے یوں مکان نیلام کرنے کی ذلت بھی گوارا نہیں کرنی پڑتی جیسے آج ہوا۔ پھر اس کی زندگی کتنے مزے کی ہے۔"

ایک بات پر ژولیاں کو بڑا تعجب تھا۔ اس نے شہر میں موسیو درینال کے گھر جو تنہائی کا زمانہ گزارا وہ دن بڑی خوشی کے ساتھ کٹے۔ بیزاری اور غمناک خیالات نے اسے تنگ کیا تو صرف اُن دعوتوں میں جہاں اسے بلایا جاتا تھا۔ اس خالی

مکان میں، اسے پڑھنے لکھنے اور سوچنے کی پوری آزادی تھی اور کسی طرح کی کوئی خلل مداخلت نہ تھی۔ وہاں اس بات کی ضرورت نہ پڑتی تھی کہ بار بار اپنے سہانے خوابوں سے بیدار ہو کے ایک پست فطرت آدمی کی ذہنی تحریکات پر غور کرے اور وہ بھی ریاکارانہ الفاظ و اعمال سے اسے دھوکا دینے کے لئے۔

"کیا میں اس طرح خوشی حاصل کر سکتا ہوں؟ . . . ایسی زندگی کی ذرا بھی قیمت نہ دینی پڑے گی۔ اگر میں چاہوں تو ایلیزا سے شادی کر سکتا ہوں، یا فوکے کے کاروبار میں شریک ہو سکتا ہوں . . . جو مسافر دشوار گزار پہاڑ پہ چڑھ کے آیا ہو، چوٹی پر پہنچ کے بیٹھ جاتا ہے، اور اُسے آرام لینے میں بڑا مزا ملتا ہے۔ لیکن اگر اُسے ہمیشہ آرام کرنا پڑ جائے تو کیا وہ خوش رہ سکے گا؟"

مادام دریناآل کا دماغ بڑے مہلک خیالات کی آماجگاہ بن کے رہ گیا تھا اپنے پکے ارادے کے باوجود اس نے ژولیاں کو نیلام کا سارا قصہ سُنا دیا وہ سوچنے لگی — "میں نے اپنے دل میں جتنی قسمیں کھائی ہیں۔ وہ ان سب کو بھلا دے گا۔"

اگر وہ اپنے شوہر کی جان خطرے میں دیکھتی تو اسے بچانے کے لئے بے کھٹکے اپنی جان دے دیتی۔ وہ ان شریف دل اور رومانی مزاج لوگوں میں سے تھی کہ اگر انہیں اپنی دریا دلی دکھانے کا موقع نظر آئے اور پھر بھی اس سے باز رہیں تو اتنی ندامت ہوتی ہے جتنی حقیقی گناہ پہ۔ پھر بھی ایسے ہولناک دن آتے جب وہ اپنے دماغ سے یہ خیال دور نہ کر سکتی کہ اگر وہ اچانک بیوہ

ہو جائے اور ژولیاں سے شادی کرنے کی آزادی مل جائے تو اسے کتنی زبردست خوشی ہو۔

بچوں سے باپ کو بھی اتنی محبت نہ تھی جتنی ژولیاں کو۔ وہ انہیں قاعدے میں تو ضرور رکھتا تھا، مگر بچے بھی اس پر فدا تھے۔ مادام ورینال کو معلوم تھا کہ اگر ژولیاں سے شادی کی تو اس ورژی کو چھوڑنا پڑے گا جس کے سایہ دار کنج اسے اتنے عزیز تھے۔ وہ تصور میں دیکھا کرتی کہ ہم پیرس میں رہتے ہیں اور بچوں کو وہی تعلیم برابر مل رہی ہے جس پر سب کو اتنی حیرت ہے۔ بچے بھی خوش و خرم ہیں، ژولیاں بھی اور وہ خود بھی۔

انیسویں صدی نے شادی کو جو شکل دے دی ہے۔ اس کا بھی عجیب و غریب اثر ہوتا ہے۔ اگر شادی سے پہلے محبت رہی بھی ہو تب بھی متاہلانہ زندگی کی بے کیفی محبت کو ہمیشہ ختم کر کے رکھ دیتی ہے۔ ایک فلسفی نے کہا ہے کہ جو لوگ اتنے مالدار ہیں کہ انہیں کوئی کام نہیں کرنا پڑتا، ان کے طبقے میں تو شادی بڑی جلدی ایسی سخت بے لطفی میں تبدیل ہو جاتی ہے کہ انہیں سیدھی سادی مسرتوں میں ذرا بھی مزا نہیں آتا۔ رہیں عورتیں تو ان میں کوئی خشک مزاج ہی ہو گی جو شادی کے بعد عشق بازی کی طرف مائل نہ ہو جائے۔

اس فلسفی کی رائے پڑھنے کے بعد خیر میں تو مادام ورینال کو معاف کر دوں گا۔ لیکن ویریئر کے لوگ معاف کرنے والی آسامی نہیں تھے۔ اس بچاری کو سان گمان تک نہ تھا، مگر آج کل شہر بھر میں کسی بات کا چرچا تھا تو بس اس کے معاشقے کا۔ بھلا ہو اس رسوائی کا۔ اب کے موسم خزاں میں لوگوں کو اتنی بے لطفی نہیں رہی جتنی

ہمیشہ رہتی تھی۔

موسم خزاں اور جاڑوں کے ابتدائی ہفتے آئے اور گزر گئے۔ ورژنی کے جنگلوں سے رخصت ہونے کا زمانہ آ گیا۔ ویریئیر کے اونچے طبقے کو غصہ آنے لگا کہ موسیو دریناَل پر ہماری لعنت ملامت کا اثر ہو ہی نہیں رہا۔ کچھ سنجیدہ مزاج لوگ ایسے تھے جنہیں اپنے گمبھیرپن کے کفارے میں اس قسم کے فرائض انجام دینا بڑا عزیز تھا۔ انہوں نے باتیں تو بڑے ناپ تول کر کیں۔ مگر ایک ہفتے سے بھی کم عرصے میں موسیو دریناَل کے دل میں انتہائی زہریلے شکوک و شبہات پیدا کر دیئے۔

موسیو والَو ماہر شطرنج باز کی طرح چالیں چل رہا تھا۔ اس نے ایلیزا کو ایک شریف اور بڑے معزز خاندان میں نوکری دلا دی جہاں پانچ عورتیں تھیں۔ ایلیزا نے کہا کہ مجھے ڈر ہے۔ شاید جاڑوں میں کوئی نوکری نہ ملے۔ چنانچہ اسے میئر کے یہاں جتنے پیسے مل رہے تھے۔ اُن کے دو تہائی مانگے۔ اس لڑکی کے دل میں اپنے آپ سے اپنے آپ یہ نیک خیال پیدا ہُوا۔ اور وہ اعتراف کے لیئے پرانے پادری شیلاَں اور نئے پادری دونوں کے پاس گئی۔ تاکہ انہیں ژولیاں کے معاشقے کا مفصل حال سنائے۔

ژولیاں کے واپس آنے کے اگلے ہی دن شیلاَں نے صبح چھ بجے اُسے بلایا۔

"میں تم سے کچھ نہیں پوچھتا" وہ ژولیاں سے بولا "میں تم سے التجا کرتا ہوں بلکہ ضرورت ہو تو حکم دیتا ہوں کہ مجھے کچھ نہ بتاؤ۔ مگر میں تاکید سے کہتا ہوں کہ تم تین دن کے اندر اندر یا تو بساں سوں کے دارالعلوم چلے جاؤ یا اپنے دوست فوکے کے

کے یہاں جواب بھی تمہارا بڑا نفیس بندوبست کرنے کو تیار رہے۔ میں نے سب کچھ سوچ سمجھ لیا ہے، اور سب انتظام کر دیا ہے۔ لیکن تمہیں فوراً چلے جانا چاہیئے اور سال بھر سے پہلے ویرنیر واپس نہ آنا۔"

ژولیاں نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ موسیو نیلاں آخر میرا باپ تو نہیں، پھر اس نے میرا یہ سب بندوبست کیسے کیا؟ اس میں میری بے عزتی تو نہیں ہوئی؟ مجھے برا ماننا چاہیئے یا نہیں؟

موسیو شیلاں کا خیال تھا کہ اس نوجوان کو ڈانٹ ڈپٹ کے قابو میں لے آؤں گا۔ چنانچہ اس نے بڑی لمبی چوڑی تقریر کی۔ ژولیاں بالکل بھیگی بلی بنا بیٹھا رہا اور ایک لفظ مُنہ سے نہ نکالا۔

آخر اسے چھٹکارا ملا۔ اور وہ مادام درینال کو آگاہ کرنے دوڑا گیا۔ وہ سخت ہراساں تھی۔ اس کے شوہر نے ابھی خاصی صاف صاف باتیں کی تھیں۔ ایک تو وہ یونہی طبیعت کا کمزور تھا۔ پھر لبراسوں والی جائداد ملنے کی اُمید تھی۔ ان دو باتوں کے زیرِ اثر اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ بیوی بالکل بے گناہ ہے۔ اس وقت اس نے بیوی سے اقرار کیا تھا کہ شہر میں رائے عامہ کچھ عجب طرح سے بگڑی ہوئی ہے۔ رائے عامہ غلطی پر تھی۔ حاسدوں اور بدخواہوں نے اسے گمراہ کیا تھا۔ مگر اب سوال یہ تھا کہ کیا کیا جائے؟

تھوڑی دیر مادام درینال اس خوش فہمی میں رہی کہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ژولیاں موسیو والنو کی پیش کش قبول کر لے اور ویرنیر ہی میں رہے۔ لیکن اب وہ پچھلے سال والی سیدھی سادی اور کم ہمت عورت نہیں رہی تھی۔ اس کی ہلاکت خیز محبت

اور اس کی ندامت نے اس کی آنکھیں کھول دی تھیں۔ اپنے شوہر کی باتیں سنتے ہوئے اسے بصد غم واندوہ یہ بات تسلیم کرنی پڑی کہ اور کچھ نہیں تو فی الحال جدائی ناگزیر تھی۔
"مجھ سے الگ ہو کر ژولیاں پھر وہی بڑا بننے کی ترکیبیں سوچنی شروع کر دے گا۔ آدمی کے پاس پیسے نہ ہوں تو یہ بالکل قدرتی بات ہے۔ اور میں! خدایا، میں اتنی مالدار ہوں، مگر مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ خوشی حاصل کر سکوں! وہ مجھے بھلا دے گا۔ دلکش آدمی تو ہے ہی، وہ کسی کا دل موہ لے گا، خود بھی کسی سے محبت کرے گا۔ ہائے میں کتنی بدنصیب ہوں! مگر مجھے شکایت کس بات کی ہو سکتی ہے؟ خدا بڑا منصف ہے۔ میں معافی کے لائق کب ہوں؟ میں نے تو اتنا بھی نہیں کیا کہ اپنے جرم کو وہیں کے وہیں ختم کر دیتی۔ میری تو بالکل مت ماری گئی ہے۔ یہ تو میرے ہاتھ میں تھا کہ ایلیزا کو کچھ دے دلا کر ہموار کر لیتی۔ یہ تو سب سے آسان بات تھی۔ میں تو پیار محبت کے سہانے سپنوں میں کھوئی رہی، اور ذرا سوچنے سمجھنے کی تکلیف گوارا نہیں کی اور اب میں کہیں کی بھی نہ رہی۔"

ژولیاں نے ایک نئی بات دیکھی۔ جب اس نے مادام دریناال کو اپنے جانے کی ہولناک خبر سنائی تو اس نے ذرا بھی خود غرضی نہیں دکھائی اور کوئی اعتراض نہیں کیا۔ مگر اس کی شکل سے معلوم ہوتا تھا کہ اپنے آنسو روکنے کی کوشش کر رہی ہے۔

"ہمیں دل پر جبر کرنا چاہئے، میرے دوست۔"

اس نے ژولیاں کے بالوں کا ایک گچھا کاٹ کے رکھ لیا۔

"مجھے پتہ نہیں کہ میرا کیا حشر ہوگا۔" وہ کہنے لگی۔ "لیکن اگر میں مر جاؤں تو مجھ سے

وعدہ کرو کہ تم میرے بچوں کو کبھی نہیں بھولو گے۔ چاہے تم قریب ہو یا دور، مگر یہی کوشش کرنا کہ وہ شریف آدمی بنیں۔ اگر پھر کوئی انقلاب ہوا تو سارے امیر لوگ قتل کر دیے جائیں گے۔ وہ چھت پر جو کسان ہلاک ہوا تھا۔ شاید اس کی وجہ سے بچوں کے باپ کو ملک چھوڑ کے جانا پڑے۔ تم بچوں کا خیال رکھنا . . . لاؤ مجھے اپنا ہاتھ دو۔ اچھا، میرے دوست، خدا حافظ! اب نہ جانے ہمارا ملنا ہو یا نہ ہو۔ یہ عظیم قربانی دینے کے بعد شاید مجھ میں اتنی ہمت آ جائے کہ میں لوگوں کو منہ دکھا سکوں۔"

ژولیاں کو خیال تھا کہ وہ رنج کے مارے بے حال ہو جائے گی۔ مگر اس نے ایسی سادگی سے الوداع کہی کہ ژولیاں کے دل پر بڑا اثر پڑا۔

"نہیں، میں اس طرح تمہاری الوداع قبول نہیں کروں گا۔ میں جا تو رہا ہوں۔ کیونکہ لوگ بھی یہی چاہتے ہیں اور تم بھی یہی چاہتی ہو۔ لیکن جانے کے تین دن بعد میں رات کو تم سے ملنے آؤں گا۔"

یہ بات سن کر مادام دریناال کی زندگی ہی بدل گئی تو گویا ژولیاں کو واقعی اس سے محبت تھی، کیونکہ دوبارہ ملنے کا خیال اسے خود ہی تو آیا تھا۔ اس کا رنج والم ایک دم سے ایسی زبردست خوشی میں تبدیل ہو گیا جیسی عمر میں اس نے کم ہی محسوس کی ہو گی۔ اُسے ہر چیز آسان نظر آنے لگی۔ اپنے عاشق سے دوبارہ ملنے کا یقین ہوا تو ان آخری لمحوں کی ساری جگر دوزی ختم ہو گئی۔ اب مادام دریناال کے چہرے اور برتاؤ دونوں سے وہی ضبط اور وہی امارت جھلکنے لگی۔ جو اس نے رسمی انداز اختیار کر لیا۔

تھوڑی دیر میں موسیو دریناال بھی آ گیا۔ وہ بالکل بدحواس ہو رہا تھا۔ آج اس نے پہلی مرتبہ اپنی بیوی سے اس گمنام خط کا ذکر کیا جو دو مہینے پہلے ملا تھا۔

"میں یہ خط لے جا کے سب لوگوں کو دکھاؤں گا اور انہیں بتاؤں گا کہ یہ اس بدمعاش والنوکی حرکت ہے جسے میں نے موری میں سے نکال کر شہر کا ایک دولتمند اور معزز آدمی بنایا۔ میں سب لوگوں کے سامنے اسے ذلیل کروں گا، اور پھر اس سے ڈوئیل لڑوں گا۔ اب وہ بہت چل نکلا ہے۔"

"اوہو، تو پھر میں بیوہ ہو جاؤں گی"۔ مادام درینال نے سوچا۔ مگر اسی وقت وہ دل میں کہنے لگی۔ "اس ڈوئیل کو روکنا میرے بس میں ہے۔ اگر میں نے ایسا نہ کیا تو میرے شوہر کا خون میرے سر پر ہوگا"۔

اس نے اپنے شوہر کے پندار سے کھیلنے میں ایسی مہارت کبھی نہیں دکھائی تھی۔ دلیلیں بھی اس نے وہی اختیار کیں جو پہلے شوہر کو سوجھی تھیں اور دو گھنٹے سے بھی کم عرصے میں درینال کو یہ بات سمجھا دی کہ والنو سے اور زیادہ دوستی کا اظہار کرنا چاہیئے بلکہ ایلیزا کو بھی واپس بلا لینا چاہیئے۔ یہ لڑکی سارے فساد کی جڑ تھی۔ اس کی شکل دوبارہ دیکھنے کا فیصلہ کرنے کے لئے مادام درینال کو خاصی ہمت سے کام لینا پڑا۔ لیکن یہ بات اسے ژولیاں نے سمجھائی تھی۔

اسے موسیو درینال کو تین چار دفعہ سیدھے راستے پر ڈالنا پڑا۔ مگر آخر کار یہ بات (جو مالی نقطۂ نظر سے بڑی تکلیف دہ تھی) اپنے آپ اس کی سمجھ میں آگئی کہ اگر شہر کی چہ میگوئیوں اور حاشیہ آرائیوں کے درمیان ژولیاں، موسیو والنو کے بچوں کا اتالیق بن کر وہیں رہا تو یہ چیز درینال کے لئے انتہائی ناخوشگوار رہے گی۔ ژولیاں کا فائدہ اسی میں تھا کہ محتاج خانے کے مہتمم کی پیش کش منظور کر لے۔ مگر موسیو درینال کی نیکنامی کے لئے ضروری تھا کہ وہ شہر سے چلا جائے اور بیساں سوں یا دی ژون

کے دار العلوم میں داخل ہو جاتے۔ لیکن اب سوال یہ تھا کہ اسے رضامند کیسے کیا جائے، اور پھر وہاں پہنچنے کے بعد وہ اپنا خرچ کیسے چلائے گا؟

یہ دیکھ کر کہ اب روپیہ کی بھینٹ چڑھانی پڑے گی، موسیو دربنال کو بیوی سے بھی زیادہ تشویش ہوئی اور اس گفتگو کے بعد بیوی کی حالت یہ ہوئی کہ جیسے کوئی حساس آدمی دُنیا سے بیزار ہو کے افیم کا انٹا چڑھا لے۔ پھر وہ آدمی اگر چلتا پھرتا بھی ہے تو بس اس طرح جیسے کوئی مشین حرکت کر رہی ہو، اور اسے دُنیا کی کسی چیز سے کوئی دلچسپی نہیں رہتی۔ بسترِ مرگ پر لوئی چہاردہم کی بھی ایسی ہی حالت ہو گئی تھی۔ اور اس نے کہا تھا ــ "جب میں بادشاہ تھا"۔ واقعی اس نے بات بڑے مزے کی کہی۔ !

اگلے دن صبح سویرے موسیو دربنال کو ایک گمنام خط ملا جس میں بہت ہی ہتک آمیز زبان استعمال کی گئی تھی۔ ہر ہر سطر میں اس کے متعلق گندے سے گندے الفاظ موجود تھے۔ یہ کسی ماتحت کی کارستانی تھی جو اس سے خار کھاتا تھا۔ یہ خط پڑھ کے اس کے دل میں پھر موسیو والنو سے ڈوئیل لڑنے کا خیال پیدا ہوا۔ اسے اتنا جوش آیا کہ اس تجویز پر فوراً عمل کرنے کو تیار ہو گیا۔ وہ گھر سے اکیلا چل کھڑا ہوا اور بندوق والے کے یہاں جا کر دو پستول خریدے اور انہیں بھروا بھی لیا۔

وہ دل میں کہنے لگا ــ "اگر نپولین کا سا سخت زمانہ پھر آ جائے تو بھی کم سے کم میرے اوپر ایک پائی کی بے ایمانی کا الزام نہیں لگایا جا سکتا۔ زیادہ سے زیادہ میرا قصور یہی تو ہے کہ میں نے چشم پوشی سے کام لیا ہے۔ لیکن میری دراز میں بیسیوں خط ایسے ہیں جن میں مجھے حکم ہی یہ دیا گیا تھا"۔

مادام وریناؔل اپنے شوہر کا یہ ٹھنڈا غصہ دیکھ کر ڈر گئی۔ اُسے بیوگی کا خیال ستانے لگا اور کوشش کے باوجود ذہن سے دور نہ ہوا۔ اس نے شوہر کو کمرے میں لے جاکے دروازہ بند کر لیا۔ وہ گھنٹوں اس کی خوشامدیں کرتی رہی، مگر بے سود۔ یہ آخری گمنام خط پڑھ کر وہ بالکل فیصلہ کر چکا تھا لیکن آخر کار وہ اس ہمت کی نوعیت بدلنے میں کامیاب ہو گئی اور اب یہ طے پایا کہ موسیو والؔ نو کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بجائے ژولیاںؔ کو چھ سو فرانک دے دیئے جائیں تاکہ دارالعلوم میں سال بھر کا خرچ چل سکے۔ موسیو وریناؔل نے اس منحوس دن کو ہزاروں گالیاں دیں جب اس کے دل میں اتالیق رکھنے کا خیال پیدا ہوا تھا اور وہ گمنام خط کو بالکل ہی بھول گیا۔

اب اسے ایک اور بات سوجھی جس سے ذرا سکون ملا، مگر اس نے بیوی سے ذکر نہیں کیا۔ اسے امید تھی کہ اگر ذرا ہوشیاری سے کام لیا جائے اور اس نوجوان کے رومانی خیالات سے فائدہ اٹھایا جائے تو اسے چھ سو سے کم رقم دے کر اس بات پر راضی کیا جا سکتا ہے کہ موسیو والؔ نو کی پیش کش ٹھکرا دے۔

مادام وریناؔل کو یہ بات ژولیاںؔ کو سمجھانے میں کہیں زیادہ مشکل پڑی کہ محتاج خانے کے مہتمم نے سب کے سامنے اسے آٹھ سو فرانک کی ملازمت پیش تو کی ہے لیکن اگر مادام وریناؔل کے شوہر کی سہولت کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ اس ملازمت کو قربان کر دے تو اسے تھوڑا سا ہرجانہ قبول کرنے میں شرم نہیں آنی چاہئے۔

ژولیاںؔ بار بار یہی کہتا رہا "لیکن مجھے تو یہ ملازمت قبول کرنے کا لمحے بھر کے لئے بھی خیال نہیں آیا۔ تمہارے یہاں رہ کر مجھے نفاست اور

شائستگی کی عادت پڑچکی ہے۔ ان لوگوں کا عامیانہ پن تو مجھے مار ڈالے گا۔"

ضرورت ایسی ظالم چیز ہے کہ اس کے آہنی ہاتھ نے ژولیاں کی قوتِ ارادی کو بھی موڑ ہی ڈالا۔ اس کے پندار نے خود فریبی کی یہ شکل نکالی کہ روپیہ قرض کے طور پہ لیا جائے اور میڈم کو تمسک لکھ کر دے دیا جائے کہ سارا روپیہ مع سود پانچ سال بعد ادا ہو جائے گا۔

مادام ورینال کے پاس کئی ہزار فرانک تھے جو پہاڑ میں کسی غار کے اندر چھپے رکھے تھے۔

اُسے یقین تھا کہ ژولیاں بگڑ کر یہ پیش کش ٹھکرا دے گا، بہرحال اس نے کانپتے ہوئے یہ روپیہ اس کے سامنے رکھ دیا۔

ژولیاں بولا — "کیا تم چاہتی ہو کہ ہماری محبت بھی میری نظروں میں کراہت انگیز بن جائے؟"

آخر ژولیاں ویریئر سے روانہ ہو گیا۔ موسیو ورینال کو حد سے زیادہ خوشی ہوئی۔ اس سے روپیہ لیتے وقت ژولیاں کو یہ قربانی بہت زبردست معلوم ہوئی، اور اس نے صاف انکار کر دیا۔ موسیو ورینال کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور اس نے ژولیاں کو گلے لگا لیا۔ ژولیاں نے چال چلن کے بارے میں ایک سند مانگی تھی۔

اپنے جوش میں موسیو ورینال کو مناسب لفظ نہ مل رہے تھے کہ جی بھر کے اس کے چال چلن کی تعریف ہو سکے۔ ہمارے ہیرو نے پیسہ پیسہ بچا کے پانچ لوئی جمع کئے تھے اور اس کا خیال تھا کہ اتنی ہی رقم فوکے سے لے لوں گا۔

اس کا دل بھر آیا تھا۔ لیکن جب وہ دیرِ تیر سے چار پانچ میل دور نکل گیا۔ جہاں وہ محبت کا ایسا زبردست خزانہ چھوڑ کے آ رہا تھا۔ تو اب اس کے دل میں بساں سوں جیسے شاندار شہر اور اتنی بڑی چھاؤنی کو جا کے دیکھنے کی لذت کے سوا اور کوئی خیال باقی نہ رہا تھا۔

جدائی کے اُن مختصر سے تین دنوں میں مادام دریناّل اس فریب میں مبتلا رہی جو محبت کی انتہائی ظالمانہ خوش فہمیوں میں سے ایک ہے۔ اس کی زندگی ابھی ناقابلِ برداشت نہیں بنی۔ ابھی تو اس کے اور شکستہ حالی کے درمیان یہ آخری ملاقات موجود تھی۔ جو ژولیاں سے ہونے والی تھی۔ وہ ایک ایک گھنٹہ، ایک ایک گھڑی گن گن کر گذار رہی تھی۔ آخر تیسرے دن کی رات کو دُور سے وہ آواز آئی جو ان دونوں کے درمیان اشارے کے طور پر مقرر ہو گئی تھی۔ ہزاروں خطرات کا مقابلہ کرتا ہوا ژولیاں اس کے سامنے آ موجود ہوا۔

اس کے ذہن میں بس ایک ہی خیال گڑ کے رہ گیا تھا۔ ”آج میں اسے آخری بار دیکھ رہی ہوں۔“ اپنے عاشق کے اشتیاق کا جواب دینا تو درکنار، وہ تو ایسی ہو کے رہ گئی تھی جیسے کوئی زندہ لاش۔ اگر وہ اپنے اوپر زور ڈال کے اُس سے یہ کہتی بھی کہ مجھے تم سے محبت ہے تو ایسے بے ڈھنگے پن سے کہ بالکل اُلٹی بات ثابت ہوتی۔ دائمی جدائی کا اذیت ناک خیال کسی طرح اس کے دل سے دور ہی نہ ہوتا تھا۔ ژولیاں کی طبیعت میں تو بدگمانی تھی ہی، وہ لمحے بھر کے لئے سمجھا کہ یہ تو مجھے بھول بھی گئی۔ اس نے اشاروں ہی اشاروں میں یہ بات کہی تو اس کے جواب میں مادام دریناّل چپ چاپ موٹے موٹے آنسو بہانے، اور بڑے اضطرا

کے ساتھ اس کا ہاتھ دبانے لگی۔

"مگر یہ تو بتاؤ کہ مجھے تمہاری بات کا یقین کیسے آئے؟" اس کی محبوبہ نے بڑے ٹھنڈے طریقے سے اپنی محبت جتائی تو ژولیاں نے جواب دیا۔

"مادام درنیال سے بس تمہاری واقفیت ہی تو تھی نا، مگر اس کے ساتھ تم سو گنے زیادہ خلوص اور محبت سے پیش آتی تھیں"۔

مادام درنیال تو پتھر بن کے رہ گئی تھی۔ اس کی سمجھ ہی میں نہ آیا۔ کہ جواب کیا دوں۔

"مجھ سے زیادہ بدنصیب اور مصیبت زدہ کون ہوگی! .... شاید اب میری موت قریب آگئی .... میرا دل بیٹھا جا رہا ہے"۔

ژولیاں کو اگر کوئی بڑے سے بڑا۔ جواب ملا بھی تو بس اس قسم کا۔ جب صبح ہونے کو آئی۔ اور ژولیاں کا جانا ضروری ہو گیا۔ تو مادام درنیال کے آنسو ایک دم سے رک گئے۔ وہ اسے کھڑکی میں رسّی باندھتے ہوئے دیکھتی رہی۔ اور ایک لفظ نہ کہا، نہ اس کے بوسوں کا جواب دیا۔ ژولیاں کہنے لگا۔

"لو اب تو وہی ہو گیا۔ جو تم چاہتی تھیں۔ آج سے تمہیں کوئی ندامت نہیں ہوگی۔ اب یہ بھی نہیں ہوگا۔ کہ کوئی بچہ ذرا سا بیمار ہوا اور تم نے سمجھا۔ کہ سارے بچے قبر میں پہنچ گئے"۔ مگر مادام درنیال یہ بات بھی پی گئی۔

"مجھے افسوس ہے کہ تم چلتے ہوئے استانس لاس کو پیار نہیں کر سکے"۔

وہ اسی بے اعتنائی سے بولی۔

چلتے وقت ژودیاآں اس زندہ لاش سے بغل گیر ہوا تو اس کی ہم آغوشیوں میں ذرا گرمی نہ تھی، مگر ژودیاآں کے دل پہ ایک چوٹ سی لگی۔ کئی میل تک وہ اس کے سوا کوئی اور بات سوچ ہی نہ سکا۔ اسے اپنی رُوح پر منوں بوجھ رکھا معلوم ہو رہا تھا۔ درّے کے پار پہنچنے سے پہلے جب تک شہر کے گرجا کا مینار نظر آتا رہا وہ مڑ مڑ کے دیکھتا رہا۔

چوبیسواں باب

ایک دارالحکومت

کیسا شور و غل ہے، لوگ کتنے مصروف ہیں! بیس سال کا لڑکا مستقبل کے بارے میں کیا کیا منصوبے رکھتا ہے! محبت سے لطف اندوز ہونے کے لئے کیسے کیسے مواقع ہیں!

بالزاک

آخر اُسے دور ایک پہاڑ پر سیاہ دیواروں کی ایک قطار نظر آنے لگی یہ بساں سوں کا شہر تھا۔ اس نے ٹھنڈا سانس بھر کے کہا۔ " اس عظیم الشان قلعے کی حفاظت کے لئے جو دستے مقرر ہیں۔ اگر میں ان میں لفٹنٹ بن کے آرہا ہوتا تو کتنی مختلف بات ہوتی!"

بساں سوں میں صرف اتنی ہی بات نہیں کہ یہ ملک کا ایک دلفریب شہر ہے یہاں بہت سے طباع اور اہل دل مرد اور عورتیں بھی موجود ہیں۔ مگر ژولیاں ایک معمولی دیہاتی تھا اور اسے یہاں کے ممتاز لوگوں کے درمیان بار پانے کا کوئی ذریعہ حاصل نہ تھا۔

اس نے فرنگی سے ایک معمولی آدمیوں کا سا کوٹ مانگ لیا تھا اور وہ اسی لباس میں پلوں پر سے گزرا۔ اس کے دماغ میں ۱۸۷۴ء کے محاصرے کی تاریخ گونج رہی تھی۔ چنانچہ اس نے طے کر لیا کہ دارالعلوم میں جا کے بند ہو جانے سے پہلے قلعہ وغیرہ ضرور دیکھوں گا۔ کئی جگہیں ایسی تھیں۔ جہاں چھاؤنی کے افسروں نے لوگوں کے داخلے کی ممانعت کر رکھی تھی تاکہ وہاں جو گھاس اُگتی تھی۔ اُسے بیچ کر ہر سال بارہ یا پندرہ فرانک کما سکیں۔ ایسی جگہوں پر وہ کئی دفعہ سنتریوں کے ہاتھوں گرفتار ہوتے ہوتے بچا۔

دیواروں کی اونچائی، خندقوں کی گہرائی، توپوں کی رعب دار شکل، یہ سب چیزیں گھنٹوں سے اس کے ذہن میں پھر رہی تھیں کہ وہ اتفاق سے بڑی سڑک پر یہاں کے خاص کیفے کے سامنے جا پہنچا۔ اسے دیکھ کر وہ حیرت کے مارے کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ حالانکہ دو لمبے چوڑے دروازوں پر "کیفے" لکھا تھا۔ مگر اسے اپنی آنکھوں پر اعتبار ہی نہ آ رہا تھا۔ اس نے اپنی کم ہمتی پر قابو پانے کی کوشش کی اور جی کڑا کر کے اندر داخل ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ میں ایک تیس چالیس فٹ لمبے کمرے میں کھڑا ہوں جس کی چھت کم سے کم بیس فٹ اونچی ہے۔ آج اسے ہر چیز مسحور کن لگ رہی تھی۔ دو طرف بلیرڈ کھیلا جا رہا تھا۔ خادم نمبر پکارتے جاتے تھے۔ کھیلنے والے تماشائیوں کے ہجوم میں جلدی جلدی میزوں کے گرد چکر لگا رہے تھے۔ ہر آدمی کے منہ سے تمباکو کا دھواں اٹھ رہا تھا اور لوگوں کے گرد ایک نیلا سا بادل چھا گیا تھا۔ ان لوگوں کا لمبا قد، گول گول کندھے، بھاری بھرکم چال، گھنی گل مچھے، بدن پر لمبے لمبے کوٹ، غرض ہر چیز ژولیاں کی توجہ اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ اس قدیم رومن شہر کے بہ جا لی نسب

فرزند بولتے بھی تھے تو چیخ چیخ کے۔ ان کا انداز ایسا تھا جیسے بڑے زبردست سپاہی ہوں۔ ژدلیاں حیرت کے مارے گم صم رہ گیا۔ اسے رہ رہ کے بساں تسوں جیسے عظیم دارالحکومت کی وسعت اور شان وشوکت کا خیال آرہا تھا جو لوگ کھیل کے نبر گن رہے تھے اور جن کی نظروں سے غرور ٹپکتا تھا۔ ژدلیاں کو ان سے کافی کی ایک پیالی مانگنے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔

لیکن کاؤنٹر کے پیچھے جو لڑکی کھڑی تھی۔ اس نے اس نوجوان دیہاتی کی دلفریب صورت دیکھ لی تھی جو بغل میں بُغچہ دبائے چولھے سے تین قدم کے فاصلے پر آکے رُک گیا تھا اور بادشاہ کے سفید چمکیلے ہوئے بُت کا غور سے جائزہ لے رہا تھا۔ یہ لڑکی بہت چُست وچالاک اور خوش اندام تھی اور ایسے کپڑے پہن رکھے تھے۔ جن سے کیفے کی رونق دوبالا ہو۔ وہ بھی فرانش کونت کی رہنے والی تھی۔ وہ ایسی باریک آواز میں کہ صرف ژدلیاں سن سکے۔ اب تک دو دفعہ "فرمایئے! فرمائیے!" کہہ چکی تھی۔ ژدلیاں کی نگاہیں دو بڑی پیاری نیلی آنکھوں سے ٹکرائیں اور اس نے دیکھا کہ لڑکی مجھ ہی سے مخاطب ہے۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا لڑکی کی طرف ایسے بڑھا جیسے دشمن کے مقابلے کو جارہا ہو۔ اس عظیم اقدام کے دوران میں اس کا بُغچہ زمین پر گر پڑا۔

ہمارے قصباتی کو دیکھ کر پیرس کے نوجوان طالب علموں کو کیسا کچھ رحم آئے گا جو پندرہ سال کی عمر میں ہی بڑی نفاست کے ساتھ کیفے میں داخل ہونا سیکھ جاتے ہیں! مگر پندرہ سال کی عمر میں تو یہ بچے بڑے باسلیقہ ہوتے ہیں اور جہاں اٹھارہ سال کے ہوئے ان میں عامیانہ پن آنے لگتا ہے۔ لیکن قصبات میں جو شدید شرمیلا پن ملتا

ہے وہ کبھی کبھی اپنے اوپر غالب آجاتا ہے اور پھر آدمی کے دل میں خواہشات کا بیج بوتا ہے۔ جب ژدلیاں اس خوبصورت لڑکی کے پاس پہنچا جس نے اس سے بولنے کی تکلیف گوارا کی تھی تو وہ اپنے شرمیلے پن پر قابو پا چکا تھا اور اب اس میں کچھ ہمت آتی جا رہی تھی۔ وہ سوچنے لگا۔ "مجھے سچی بات بتا دینی چاہئے"۔

"جی، میں عمر میں پہلی مرتبہ یہاں آیا ہوں۔ مجھے تھوڑی سی روٹی اور کافی کی ایک پیالی چاہئے۔ میں دام دے دوں گا"۔

لڑکی تھوڑا سا مسکرائی اور پھر سُرخ ہو گئی۔ اسے ڈر لگا کہ کہیں بلیرڈ کھیلنے والے اس بچارے قبول صورت نوجوان پر فقرے بازی نہ شروع کر دیں۔ پھر وہ گھبرا جائیگا اور یہاں کبھی نہیں آئے گا۔

"یہاں میرے پاس بیٹھ جائیے"۔ وہ بولی، اور سنگِ مرمر کی ایک میز کی طرف اشارہ کیا جسے لمبے چوڑے کاؤنٹر نے بالکل چھپا رکھا تھا۔

لڑکی اس کاؤنٹر پر آگے کو جھک گئی جس سے اس کے نفیس جسم کی نمائش ہونے لگی۔ اس پر ژدلیاں کی نظر پڑی تو اس کے خیالات بالکل بدل گئے۔ حسین لڑکی نے اس کے سامنے ایک پیالی، تھوڑی سی شکر اور روٹی رکھ دی تھی۔ کافی لانے کے لیے خادم کو آواز دینے سے پہلے وہ ذرا جھجکی۔ کیونکہ خادم کے آنے سے اس کی یہ رازدارانہ گفتگو ختم ہو جاتی۔

ژدلیاں اپنے خیالات میں غرق اس گوری حسین اور زندہ دل لڑکی کا مقابلہ چند یادوں سے کر رہا تھا جو بار بار اس کا دل گرما رہی تھیں۔ وہ جس محبت کا مرکز رہ چکا تھا۔ اس کا خیال آیا تو ژدلیاں کی ساری جھینپ غائب ہو گئی۔ حسین لڑکی کے

پاس اب صرف ایک لمحہ رہ گیا تھا۔ اس نے ژرولیاں کی نظروں میں کچھ پڑھنے کی کوشش کی۔

"تمباکو کے دھوئیں سے آپ کو کھانسی اٹھتی ہے۔ کل صبح آٹھ بجے سے پہلے یہاں آکے ناشتہ کیجئے۔ اس وقت میں تقریباً اکیلی ہوتی ہوں۔"

"آپ کا نام کیا ہے؟" ژرولیاں شرمیلے پن کے باوجود خوش ہو کے اس طرح مسکرایا جیسے اُسے پیار کر رہا ہو۔

"اماں دا بینے۔"

"اگر آپ اجازت دیں تو میں گھنٹے بھر میں آپ کو بس اتنا بڑا ایک پارسل بھیجوں۔"

حسین اماں دا نے ذرا سا غور کیا۔

"یہاں میری نگرانی ہوتی ہے۔ آپ جو چاہتے ہیں۔ ممکن ہے اس میں میری بدنامی ہو۔ خیر! میں اپنا پتہ ایک کارڈ پر لکھے دیتی ہوں۔ اسے اپنے پارسل پر لگا دیجیے گا کوئی ڈر نہیں ہے۔ مجھے پارسل بھیج دیجئے۔"

"میرا نام ژرولیاں سوریل ہے۔" نوجوان بولا۔ "بساں سوں میں نہ تو میرا کوئی رشتہ دار ہے نہ دوست۔"

"آہا، اب میں سمجھ گئی۔" وہ خوش ہو کے چلائی۔ "آپ قانون پڑھنے آئے ہیں؟"

"افسوس، یہ بات نہیں ہے۔" ژرولیاں نے جواب دیا۔ "مجھے تو دینیات کے دارالعلوم میں بھیجا گیا ہے۔"

اماں دا کو ایسی سخت مایوسی ہوئی کہ اس کا چہرہ پژمردہ ہو گیا۔ اس نے ایک خادم کو آواز دی۔ اب اس میں ہمت آ گئی تھی۔ خادم نے ژولیاں کی طرف دیکھے بغیر اس کی پیالی بھر دی۔

اماں دا کاؤنٹر پر پیسے وصول کر رہی تھی۔ ژولیاں کو اپنے اوپر فخر ہو رہا تھا کہ میں نے ہمت کر کے اس سے بات کر ہی ڈالی۔ بلیرڈ کی ایک میز پر کچھ لوگ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔

کھیلنے والوں کی بحثا بحثی اور چیخم چاخ سے کمرہ گونج اٹھا اور ایسا شور ہوا۔ کہ ژولیاں حیران رہ گیا۔ اماں دا کچھ اداس ہو گئی تھی اور نظریں اوپر نہ اٹھا رہی تھی۔

یکایک ژولیاں پورے اعتماد کے ساتھ بولا ــــ "مادموازیل، اگر آپ پسند کریں تو میں کہہ سکتا ہوں کہ میں آپ کا رشتے دار ہوں۔"

یہ تیقن کا لہجہ اماں دا کو بڑا اچھا لگا۔ وہ سوچنے لگی ــــ "یہ کوئی چلتا پھرتا آدمی معلوم نہیں ہوتا۔" اس کی آنکھیں تو اس فکر میں لگی ہوئی تھیں کہ کوئی کاؤنٹر کی طرف تو نہیں آ رہا، اس لئے وہ ژولیاں کی طرف دیکھے بغیر جلدی سے بولی۔

"دی ژون کے قریب جو ژاں لی ہے۔ میں وہاں کی رہنے والی ہوں۔ کہئے کہ آپ بھی ژاں لی کے رہنے والے ہیں اور میری ماں کے رشتے دار ہیں۔"

"میں یہ بات نہیں بھولوں گا۔"

"گرمیوں میں ہر منگل کو دارالعلوم کے طالب علم یہاں کیفے کے سامنے سے گزرتے ہیں۔"

"میں سامنے سے گزروں اور آپ میرے بارے میں سوچ رہی ہوں

تو ہاتھ میں بنفشہ کے پھولوں کا گچھا لیے بیٹھے گا۔"

اماں دا نے حیران ہو کر اس کی طرف غور سے دیکھا۔ اس نگاہ نے ژولیاں کی جرأت کو پھر جھجک میں تبدیل کر دیا۔ بہر حال اس نے سُرخ ہو کر اماں دا سے کہا۔۔

"مجھے تو ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ مجھے تم سے انتہائی شدید محبت ہو گئی ہے۔"

"اچھا تو پھر اتنے زور سے تو نہ بولو۔" اس نے گھبرا کر تنبیہ کی۔

ژولیاں نے سوچا کہ رُوسو کے ناول "نو ویل ایلواز" کے کچھ جملے اس لڑکی پہ آزماؤں۔ یہ کتاب اُسے ورثے میں کہیں سے ہاتھ آ گئی تھی۔ اس کے حافظے نے اس وقت خوب کام دیا۔ وہ دس منٹ تک اماں دا کو اس ناول کے ٹکڑے سُناتا رہا۔ اور لڑکی جھوم جھوم گئی۔ ژولیاں کو اپنی ہمت دیکھ کر خود لطف آ چلا تھا۔ کہ یکایک اس حسین لڑکی نے اپنے چہرے پر انتہائی سرد مہری کا انداز طاری کر لیا۔ اس کا ایک چاہنے والا کیفے کے دروازے میں کھڑا تھا۔

وہ جھومتا جھامتا سیٹی بجاتا کاؤنٹر کے پاس آیا اور ژولیاں کو گھور کے دیکھنے لگا۔ ژولیاں کا تخیل تو انتہا پسند واقع ہوا تھا۔ اس وقت اسے یقین ہو گیا کہ اب ڈوئیل لڑنی پڑے گی۔ اس کا رنگ ایک دم سے اڑ گیا۔ اس نے پیالی کو الگ ہٹا دیا۔ اور چہرے پہ خود اعتمادی پیدا کر کے اپنے رقیب کا جائزہ لینے لگا۔ اس کا رقیب بڑی بے فکری کے ساتھ کاؤنٹر پہ اپنے لئے برانڈی انڈیلنے لگا۔ جب اس کا سر جھکا ہوا تھا تو اماں دا نے آنکھ سے ژولیاں کو اشارہ کیا کہ اپنی نظریں نیچی کر لو۔

اس نے کہنا مان لیا، اور وہ ایک منٹ تک اپنی جگہ بالکل زرد اور خاموش بیٹھا رہا۔ دل میں وہ پورا تہیہ کر چکا تھا اور بس یہ سوچ رہا تھا کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے۔ اس وقت وہ واقعی اچھا لگ رہا تھا۔ رقیب ژولیاں کی آنکھیں دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ وہ ایک سانس میں پورا گلاس چڑھا گیا۔ اماں دا سے دو ایک باتیں کیں اور اپنے ڈھیلے ڈھالے کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ٹھونس کر زور زور سے سانس لیتا اور ژولیاں کی طرف گھورتا بلیرڈ کی ایک میز کی طرف چل دیا۔ ژولیاں کو ایسا تاؤ آیا کہ وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا، مگر اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ رقیب کی ہتک کا کون سا طریقہ اختیار کرے۔ اس نے اپنا بغچہ رکھ دیا اور جہاں تک ممکن ہو سکا۔ بانکپن کے ساتھ اکڑتا برتا بلیرڈ کی میز کی طرف چلا۔

اس کی دور اندیشی نے بہتیرا سمجھایا۔ "بساں سوں آتے ہی لڑ پڑے تو کلیسا میں اپنا مستقبل ختم سمجھو۔" مگر اس نے ایک نہ سُنی۔

"ہوتا ہے تو ہونے دو۔ کوئی یہ تو نہیں کہہ سکے گا کہ اس کی ہتک ہوئی اور یہ پچک کے رہ گیا۔"

اس کی ہمت کا تماشہ اماں دا نے بھی دیکھا۔ اس کے سیدھے سادے اطوار کے مقابلے میں یہ جرأت بڑا دل فریب تضاد پیش کر رہی تھی۔ آنکھ جھپکتے میں وہ ژولیاں کو اس لمبے تڑنگے نوجوان سے زیادہ پسند کرنے لگی۔ وہ اٹھی اور کچھ ایسا ظاہر کرتے ہوئے جیسے سڑک پر کسی کو جاتے دیکھ رہی ہو۔ جلدی سے ژولیاں اور بلیرڈ کی میز کے درمیان آکھڑی ہوئی۔

"تم اُن صاحب سے نہ الجھ پڑنا۔ وہ میرے بہنوئی ہیں۔"

"تو پھر مجھے کیا؟ انہوں نے میری طرف گھورا کیوں؟"

"کیا تم مجھے مصیبت میں ڈالنا چاہتے ہو؟ انہوں نے تمہاری طرف غور سے دیکھا ضرور تھا، بلکہ شاید وہ آ کے تم سے باتیں بھی کریں۔ میں نے اُن سے کہہ دیا ہے کہ تم میری ماں کے رشتے دار ہو اور ابھی ژواں لی سے آئے ہو۔ م بھی فرانش کونٹ کے ہیں اور برگنڈی کی سڑک پر ودل سے آگے نہیں گئے۔ ڈرو مت، ان سے جو جی چاہے کہہ دینا۔"

ژولیاں ابھی تک ہچکچا رہا تھا۔ اماں وا آخر کیفے میں رہنے والی لڑکی تھی۔ اسے بیسیوں چلتے بہانے یاد تھے۔ وہ جلدی سے بولی۔

"ہاں، انہوں نے تمہیں گھور کے دیکھا تھا، مگر اس وقت جب وہ مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ یہ کون ہے۔ وہ ایسے ہی آدمی ہیں۔ ہر ایک سے یوں ہی اکھڑ پن سے پیش آتے ہیں۔ انہیں تمہاری توہین منظور نہیں تھی۔"

ژولیاں نے اس مفروضہ بہنوئی کی طرف دیکھا۔ بلیرڈ کی دونوں میزوں کے اس طرف جوا شروع ہونے والا تھا۔ اس شخص نے ایک ٹکٹ خرید اور پھر ژولیاں نے اسے اپنی بھاری آواز میں پکارتے ہوئے سنا۔ "میں حاضر ہوں!" ژولیاں پھرتی سے اماں دا کی کمر کے پیچھے ہو گیا، اور بلیرڈ کی میز کی طرف قدم بڑھایا۔ تو اماں دا نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

"ادھر آؤ، پہلے اپنے پیسے تو ادا کر دو" وہ بولی۔

"ٹھیک ہے" ژولیاں نے سوچا "اسے ڈر ہے کہیں میں پیسے ادا کیے بغیر نہ چل دوں۔"

اُس کی طرح اماں دا کو بھی بڑی گھبراہٹ ہو رہی تھی اور وہ بالکل سُرخ ہو گئی تھی۔ اس نے بہت ہی آہستہ آہستہ ریزگاری گن کے ژولیاں کو دی۔ اور چپکے سے کہا۔

"کیفے سے فوراً چلے جاؤ۔ ورنہ پھر میں تمہیں اچھا آدمی نہیں سمجھوں گی۔ ویسے تم مجھے بہت پسند آئے ہو"۔

ژولیاں چلا تو آیا۔ مگر بہت آہستہ آہستہ۔ وہ بار بار دل میں کہہ رہا تھا۔ "کیا یہ میرا فرض نہیں ہے کہ میں بھی جا کے اس بدتمیز آدمی کو گھوروں اور اس کی توہین کروں؟" ژولیاں اس چکّر میں ایسا پڑا کہ کیفے کے باہر سڑک پر گھنٹہ بھر کھڑا رہا۔ وہ اس انتظار میں تھا کہ اس کا حریف باہر نکلے۔ مگر وہ نکلا ہی نہیں، اور ژولیاں آخر چل دیا۔

اسے یہاں تک پہنچے چند گھنٹے ہی ہوئے تھے اور ایک ایسی بات پیش آ گئی تھی جس پر اسے افسوس ہو رہا تھا۔ عرصہ ہوا۔ بڈھے سرجن میجر نے اپنی گٹھیا کے باوجود اسے تھوڑی سی شمشیر زنی سکھا دی تھی۔ ژولیاں اپنے غصّے میں اگر کسی چیز سے کام لے سکتا تھا تو بس اتنے علم سے۔ لیکن اگر اسے طمانچہ لگائے بغیر جھگڑا مول لینے کا طریقہ معلوم ہوتا تو ذرا بھی پریشانی نہ ہوتی۔ اگر کہیں گھونسے بازی شروع ہو جاتی تو اس کا رقیب جو پورا دیو کا دیو تھا۔ مار مار کے اس کا بھلیتن نکال دیتا اور اسے وہیں زمین پر ڈال کے چل دیتا۔

ژولیاں سوچنے لگا۔ "مجھ جیسے غریب آدمی کے لئے جس کے پاس نہ تو پیسہ ہو نہ کوئی سرپرست، دارالعلوم اور قید خانے میں ایسا فرق ہی کیا ہوگا۔ یہ کپڑے

میں کسی سرائے میں چھوڑ دوں گا۔ اگر گھنٹے دو گھنٹے کے لئے کبھی دارالعلوم سے نجات ملی تو پھر یہ کپڑے پہن کر اماں دنیا سے مل سکتا ہوں"۔ بات تو یہ معقول تھی مگر وہ ایک ایک سرائے کے سامنے سے گزرا مگر اندر جانے کی ہمت نہ پڑی۔

آخر جب وہ دوبارہ بڑے ہوٹل کے سامنے پہنچا تو اس کی نگاہیں بھٹکتی بھٹکاتی ایک موٹی سی عورت پر پڑیں جو ابھی خاصی جوان تھی۔ رنگ گہرا سُرخ تھا اور چہرے سے خوشی اور زندہ دلی ٹپکتی تھی۔ وہ اس کے پاس گیا اور اپنی کہانی سُنائی۔

ہوٹل کی مالکہ بولی "ہاں ہاں پادری صاحب، ضرور۔ میں آپ کے کپڑے رکھ لوں گی بلکہ انہیں برابر برش سے صاف بھی کراتی رہوں گی۔ ایسے موسم میں گرم کپڑے کو یونہی نہیں ڈال دینا چاہیئے"۔ اس نے تالی اٹھائی اور خود اسے ایک کمرے میں لے گئی اور کہا کہ جو چیزیں چھوڑ کے جا رہے ہو۔ اُن کی ایک فہرست بنا لیجئے۔

"پادری سوریل صاحب! اب آپ کتنے اچھے لگ رہے ہیں"۔ جب وہ نیچے اتر کے باورچی خانے میں آیا تو موٹی عورت بولی "میں ابھی آپ کے لئے بڑا نفیس کھانا منگواتی ہوں"۔ پھر چپکے سے کہنے لگی "اوروں سے تو پچاس سو لئے جاتے ہیں، آپ صرف بیس دے دیجئے گا۔ آپ کو پیسے کا بہت خیال رکھنا چاہیئے"۔

"میرے پاس تو دس لوئی موجود ہیں"۔ ژولیاں نے ذرا فخر کے ساتھ جواب دیا۔

عورت نے گھبرا کے کہا "خدا کے لئے اتنے زور سے نہ بولئے۔ بساں تسوں میں بہت چور اُچکے بستے ہیں۔ ذرا کے ذرا میں آپ کی جیب صاف کر دیں گے اور آپ چاہے جو کریں، لیکن کسی کیفے میں کبھی نہ جائیے گا۔ وہاں بڑے بدمعاش لوگ

ملتے ہیں۔"

"واقعی!" ژولیاں نے کہا۔ وہ یہ بات سن کر کچھ سوچنے لگا۔

"اور کہیں نہ جائیے۔ بس میرے پاس آجایا کیجیے۔ کافی آپ کو یہیں مل جائے گی۔ مجھے اپنا دوست سمجھیے۔ یہاں آپ کو اچھا خاصا کھانا بیس سو میں ملے گا۔ ٹھیک رہے گا نا؟ اچھا! اب چل کے میز پر بیٹھیے، میں خود کھانا لاتی ہوں۔"

"مجھ سے کھایا ہی نہیں جانے گا۔" ژولیاں نے کہا۔ "اس وقت مجھے بڑی گھبراہٹ ہو رہی ہے۔ یہاں سے نکلتے ہی مجھے سیدھے دارالعلوم جانا ہے۔"

اس نیک دل عورت نے ژولیاں کو اس وقت تک نہ جانے دیا جب تک کہ اس کی جیبوں میں کھانے کی چیزیں خوب ٹھونس ٹھونس کے نہ بھر دیں۔ آخر ژولیاں اس خوفناک مقام کی طرف چل پڑا۔ عورت نے اپنی دہلیز پر کھڑے ہو کے اُسے راستہ بتا دیا۔

پچیسواں باب

دارالعلوم

تین سو چھتیس دفعہ رات کا کھانا، فی آدمی ۸۳ سینٹ۔ تین سو چھتیس دفعہ کا کھانا، فی آدمی ۴۸ سینٹ۔ جو اس کے حق دار ہوں اُن کے لئے چاکلیٹ بھی۔ اس ٹھیکے میں کتنا منافع ہوگا؟

یہاں سؤر کا والی نہ

اسے دور سے پھاٹک پہ لوہے کی قطع شدہ صلیب نظر آئی، اور وہ آہستہ آہستہ اُس طرف چل پڑا۔ اسے کچھ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ٹانگیں جواب دے گئی ہوں۔ "یہ ہے وہ جہنم کا نمونہ جہاں سے میں باہر بھی نہیں نکل سکتا۔" آخر اس نے طے کیا کہ گھنٹی بجانی چاہیے۔ گھنٹی کی آواز اس طرح گونجی جیسے کسی خالی مکان میں۔ دس منٹ بعد ایک زرد رو آدمی سیاہ کپڑے پہنے باہر آیا اور پھاٹک کھولا۔ تھیولیان نے اس کی طرف دیکھا اور فوراً نظریں نیچی کر لیں۔ اس دربان کا چہرہ عجیب قسم کا تھا۔ اس کی آنکھوں کی سبز پتلیاں باہر نکلی ہوئی اور بلی کی پتلیوں کی طرح مدوّر تھیں۔ آنکھوں کے پپوٹے پھڑک بھی نہ سکتے تھے اور انہیں دیکھ کر ایسا لگتا تھا کہ اس آدمی میں انسانی جذبات سرے سے ہیں

ہی نہیں پتلے پتلے ہونٹ پھیلے ہوئے سے تھے اور باہر نکلے ہوئے دانتوں پر قوس کی طرح چھا گئے تھے۔ مگر اس چہرے سے مجرمانہ فطرت نہیں بلکہ انتہائی بے حسی ظاہر ہوتی تھی جس سے نوجوان لوگوں کو زیادہ ڈر لگتا ہے۔ اس طبوترے اور بے نیاز قسم کے چہرے پر ژولیاں نے بس ایک ہی نظر ڈالی تھی، اور اسے صرف ایک جذبہ دکھائی دیا تھا۔ اور وہ یہ کہ دوسری دنیا سے متعلق چیزوں کے علاوہ اسے ہر موضوع سے انتہائی نفرت تھی۔

ژولیاں نے بڑی کوشش سے نظریں اوپر اٹھائیں، اور اختلاجِ قلب کی وجہ سے لرزتی ہوئی آواز میں بتایا کہ میں دارالعلوم کے نگراں موسیو پی یار سے ملنا چاہتا ہوں۔ سیاہ کپڑوں والے آدمی نے منہ سے کچھ کہے بغیر اشارہ کیا کہ میرے پیچھے پیچھے آؤ۔ وہ ایک چوڑے زینے کی دو منزلیں طے کر کے اوپر پہنچے۔ زینے میں لکڑی کا جنگلہ لگا ہوا تھا۔ سیڑھیاں گل کر نیچے جھک گئی تھیں اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ بس اب بیٹھیں۔ دربان نے ایک دروازے کو دھکا دے کر کھولا جس پر لکڑی کی قبرستانوں جیسی سیاہ صلیب لگی ہوئی تھی اور ژولیاں کو ایک چھوٹے سے بے رونق کمرے میں لے گیا۔ سفید قلعی کی ہوئی دیواروں پر دو بڑی بڑی تصویریں آویزاں تھیں جو اتنی پرانی تھیں کہ سیاہ پڑ چکی تھیں۔ دربان اسے وہاں چھوڑ کر چلا گیا۔ ژولیاں کچھ خوف زدہ سا ہو گیا تھا۔ اور اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اگر وہ ہمت کر کے رو پڑتا تو اسے بہت خوشی ہوتی۔ ساری عمارت میں موت کی سی خاموشی طاری تھی۔

کوئی پندرہ منٹ بعد جو اسے گھنٹے بھر کے برابر معلوم ہوئے، وہ خوفناک دربان کمرے کے دوسرے سرے پر ایک دروازے میں نمودار ہوا اور منہ سے کچھ کہنے کی

تکلیف گوارا کئے بغیر اسے آگے آنے کا اشارہ کیا۔ اب وہ ایک ایسے کمرے میں داخل ہوا جو پہلے والے سے بھی بڑا تھا، اور وہاں بہت ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔ یہاں بھی دیواروں پر سفید قلعی تھی۔ مگر کوئی آرائشی چیز نہ تھی۔ البتہ اس نے گذرتے ہوئے دروازے کے قریب ایک کونے میں سفید لکڑی کی ایک مسہری، دو بید کی کرسیاں اور ایک چیڑ کے تختوں کی بے گدے والی چھوٹی سی آرام کرسی ضرور دیکھی۔ کمرے کے دوسرے سرے پر میلے شیشوں والی ایک چھوٹی سی کھڑکی کے قریب جس میں گندے گندے گملے رکھے تھے۔ میز کے سامنے ایک آدمی بیٹھا نظر آیا۔ جس نے ایک ملا وسلا چغہ پہن رکھا تھا۔ کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ غصے میں بھرا بیٹھا ہے۔ اس کے سامنے کاغذ کے چھوٹے چھوٹے تختوں کا ایک ڈھیر تھا۔ وہ ایک ایک کاغذ اٹھا کے میز پر پھیلاتا اور اس پہ دو چار لفظ لکھ دیتا۔ اس نے ژدلیاں کی موجودگی پر غور ہی نہیں کیا۔ دربان اسے کمرے کے بیچ میں چھوڑ کے خود چلا گیا تھا اور دروازہ بند کر گیا تھا۔ ژدلیاں اسی طرح گم صم کھڑا تھا۔

دس منٹ اسی طرح گزر گئے اور وہ الٹے سیدھے لباس والا آدمی برابر لکھے چلا گیا۔ ژدلیاں کا ہیجان اور خوف اس حد تک پہنچ گیا کہ اسے معلوم ہوا اب میں گر پڑوں گا۔ اسے دیکھ کر کوئی فلسفی یہ غلط رائے قائم کرتا "جو روح حسین چیزوں سے محبت کرنے کے لئے تخلیق ہوئی ہو اس پر بدصورتی کا ایسا ہی شدید اثر پڑتا ہے۔"

جو آدمی بیٹھا لکھ رہا تھا۔ آخر اس نے سر اٹھایا۔ ژدلیاں نے یہ بات لمحے بھر تک دیکھی ہی نہیں۔ بلکہ دیکھنے کے بعد بھی وہ بالکل ساکت و صامت کھڑا رہا جیسے

اُس آدمی کی خوفناک نگاہ نے اسے پتھر کا بنا دیا ہو۔ ژولیاں کی آنکھوں میں ترمرے آ گئے تھے۔ اسے یہ لمبا سا چہرہ پوری طرح دکھائی ہی نہیں دے رہا تھا جو سرخ سُرخ دھبوں سے پٹا پڑا تھا۔ بس ایک ماتھا صاف تھا جس پر موت کی سی زردی کھنڈی ہوئی تھی۔ سُرخ رخساروں اور سفید ماتھے کے درمیان دو چھوٹی چھوٹی سیاہ آنکھیں چمک رہی تھیں جنہیں دیکھ کر بہادر سے بہادر آدمی کانپ اٹھتا۔ لمبے چوڑے ماتھے کے اُوپر سیدھے اور بھونرا جیسے سیاہ بالوں کا پُولا رکھا تھا۔

"اب نزدیک بھی آؤ گے یا وہیں کھڑے رہو گے؟" آخر وہ آدمی بڑی بے چینی سے بولا۔

ژولیاں ڈگمگاتا ہوا آگے بڑھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا کہ بس اب زمین پر گرا رنگ ایسا پیلا پڑ گیا تھا کہ عمر بھر میں کبھی نہ ہوا ہوگا۔ آخر وہ اس میز سے دو چار قدم کے فاصلے پر پہنچ کے رُک گیا جس پر کاغذ کے ٹکڑے بچھے ہوئے تھے۔

"اور قریب آؤ!" وہ آدمی بولا

ژولیاں اور آگے بڑھا۔ اس نے ہاتھ اس طرح بڑھا رکھا تھا جیسے کسی چیز کا سہارا لینا چاہتا ہو۔

"تمہارا نام؟"

"ژولیاں سورِل!"

"تم بہت دیر میں آئے ہو" اس آدمی نے کہا اور اپنی خوفناک آنکھوں سے ژولیاں کی طرف گھور کر دیکھا۔

ژولیاں سے یہ نظر برداشت نہ ہو سکی۔ اس نے سہارا لینے کے لئے ہاتھ

آگے بڑھایا اور دھم سے فرش پر چت گر پڑا۔

اس آدمی نے گھنٹی بجائی۔ ژولیاں کی صرف بصارت اور ہلنے جلنے کی طاقت زائل ہوئی تھی۔ اسے کسی کے ادھر آنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اسے اٹھا کر لکڑی کی آرام کرسی پر بٹھا دیا گیا۔ اس نے سنا کہ وہ خوفناک آدمی دربان سے کہہ رہا ہے۔

"معلوم ہوتا ہے اسے مرگی کا دورہ پڑتا ہے۔ مجھے پہلے ہی سمجھ لینا چاہیئے تھا" جب ژولیاں اس قابل ہوا کہ آنکھیں کھول سکے تو وہ سُرخ چہرے والا آدمی پھر لکھ رہا تھا اور دربان غائب ہو چکا تھا۔ ہمارا ہیرو دل میں بولا۔

"مجھے ہمت سے کام لینا چاہیئے اور سب سے زیادہ تو اپنے جذبات چھپانے چاہئیں (اس کے دل میں شدید درد ہو رہا تھا) اگر میں واقعی بیمار پڑ گیا۔ تو یہ لوگ خدا جانے میرے بارے میں کیا سوچیں گے۔" آخر اس آدمی نے لکھنا بند کر دیا اور ژولیاں کی طرف ترچھی نظروں سے دیکھ کر پوچھا

"اب تم اس قابل ہو کہ میرے سوالوں کا جواب دے سکو؟"

"جی ہاں، جناب۔" ژولیاں نے نحیف آواز میں کہا۔

"چلو ٹھیک ہے۔"

سیاہ لباس والا آدمی آدھا اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی میز کی دراز میں ایک خط تلاش کرنے لگا۔ دراز چرچرا کر کھلی خط مل گیا۔ وہ آہستہ آہستہ پھر بیٹھ گیا اور ژولیاں کی طرف کچھ اس انداز سے گھور کے بولا۔ کہ اس کی رہی سہی جان بھی خشک ہو گئی۔

"موسیو شیلاں نے مجھ سے تمہاری سفارش کی ہے۔ وہ اس علاقے کے سب سے

اچھے پادری تھے۔ اگر دنیا میں کوئی نیک آدمی ہے تو وہ ہیں۔ تیس سال سے میری اور ان کی بڑی دوستی ہے"۔

"اچھا تو مجھے موسیو پی رآر سے شرفِ گفتگو حاصل ہے"۔ ژرولیاں نے مردہ سی آواز میں کہا۔

"ہاں، بظاہر تو یہی بات ہے"۔ دارالعلوم کے مہتمم نے کڑی نظر سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اس کی آنکھوں کی چمک اور بڑھ گئی اور منہ کے پاس کی رگیں اضطراری طور پر پھڑکنے لگیں۔ اس کا حلیہ بالکل شیر کا سا تھا۔ جو شکار کو دیکھ کر ہونٹ چاٹ رہا ہو۔

"شیلاں نے مختصر خط لکھا ہے"۔ وہ اس طرح بولا جیسے اپنے آپ سے کہہ رہا ہو۔ "اب دنیا میں ذہانت کہاں رہی ہے۔ آج کل تو لوگوں کو چھوٹا خط لکھنا آتا ہی نہیں"۔ وہ بہ آوازِ بلند خط پڑھ کے سنانے لگا۔

"میں ژرولیاں سوریل کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں۔ یہ اسی علاقے کا ہے۔ اور بیس سال پہلے میں نے ہی اسے بپتسمہ دیا تھا۔ اس کے والد بڑھئی ہیں، اور خاصے مالدار ہیں، مگر اس بچارے کو ایک پیسہ نہیں دیتے۔ ژرولیاں خدا کے خادموں میں بڑا امتیاز حاصل کرے گا۔ اس کا حافظہ بہت اچھا ہے۔ ذہانت کی بھی کمی نہیں۔ غور و فکر کی صلاحیت بھی ہے۔ مگر یہ راہبانہ زندگی چھوڑ تو نہیں دے گا؟ اس میں خلوص بھی ہے یا نہیں؟"

"خلوص!" پادری پی رآر نے متعجب ہو کر ژرولیاں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ مگر اس دفعہ پادری کی نظر پہلے کی طرح انسانیت سے خالی نہیں تھی۔ "خلوص!" اس نے

دھیمی آواز میں دوبارہ کہا اور پھر خط پڑھنے لگا۔

"میں چاہتا ہوں کہ ژولیاں کو وظیفہ مل جائے۔ اگر پہلے امتحان ضروری ہو تو وہ امتحان بھی دے گا۔ میں نے اسے تھوڑی سی دینیات پڑھا دی ہے —— یعنی بوسوئے، آرنو، فلیوری کی پرانی اور صحیح دینیات۔ اگر یہ نوجوان آپ کو پسند نہ آئے۔ تو میرے پاس واپس بھیج دیجیے گا۔ محتاج خانے کے مہتمم جنہیں آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ اسے اپنے بچوں کا اتالیق بنا رہے ہیں اور آٹھ سو فرانک ماہوار دیتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ میرا دل بالکل پُرسکون ہے۔ مجھے جو زبردست صدمہ پہنچا ہے۔ اب میں اس کا عادی ہوتا جا رہا ہوں۔ اچھا، خدا حافظ۔ مجھے دعائے خیر میں یاد رکھیے گا۔"

خط کے آخر میں پی رار کے پڑھنے کی رفتار کم ہوتی گئی، اور اس نے ٹھنڈا سانس بھر کے لفظ "شیلاں" کہا۔

"ان کا دل پُرسکون ہے"۔ وہ بولا۔ "واقعی وہ اتنے نیک ہیں کہ ان پر خدا کی ایسی ہی رحمت ہونی چاہیے تھی۔ میری خدا سے دعا ہے کہ جب میرا وقت آئے تو مجھے بھی ایسی ہی طاقت عطا فرمائے۔"

اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور صلیب کا نشان بنایا۔ یہ مقدس نشانی دیکھ کر ژولیاں کو محسوس ہوا اب وہ شدید خوف بہت کم ہو گیا جس نے عمارت میں داخل ہونے کے بعد سے اس کی جان خشک کر رکھی تھی۔

"یہاں میرے پاس تین سو اکتیس آدمی ہیں جو اس مقدس پیشے میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔" پادری پی رار ایسے لہجے میں بولا جو سخت تو ضرور تھا، مگر پُرعناد نہ تھا۔ "ان

ہیں صرف سات آٹھ ایسے ہیں جن کی سفارش پادری شیلاں جیسے حضرات نے کی ہے چنانچہ ان تین سو اکیس آدمیوں میں تمہارا نمبر نواں ہوگا۔ لیکن میری سرپرستی کے معنی بے جا نوازشیں اور رعائتیں نہیں ہیں۔ بلکہ تمہیں بدی سے بچانے کی خاطر میری احتیاط اور سختی کچھ بڑھ ہی جائے گی۔ جاؤ اس دروازے میں تالا لگا دو۔"

ژولیاں کو چلنے میں دشواری تو ہوئی۔ مگر وہ گرا نہیں۔ اس نے دیکھا کہ وہ جس دروازے سے داخل ہوا تھا۔ اس کے پاس والی کھڑکی میں سے جنگل نظر آتا ہے۔ اس نے درختوں کی طرف بڑے غور سے دیکھا، اور اس میں ایسی طراوت آئی جیسے پرانے دوست نظر پڑ گئے ہوں۔

جب وہ واپس آیا تو پادری نے لاطینی میں پوچھا —— "کیا تم لاطینی بول سکتے ہو؟"

"جی ہاں، مہربان باپ"، ژولیاں نے لاطینی میں ہی جواب دیا۔ اب اسے کچھ ہوش آچلا تھا۔ اسے آج تک کوئی آدمی اتنا برا نہیں لگا تھا جتنا پچھلے آدھ گھنٹے سے موسیو پی رار معلوم ہو رہا تھا۔

اب لاطینی میں باتیں ہونے لگیں۔ پادری کی آنکھوں میں کچھ ملائمت آگئی۔ ژولیاں بھی تھوڑا سا ٹھنڈا پڑ گیا۔ وہ سوچنے لگا —— "میں بھی کتنی کمزور طبیعت کا ہوں، اس دکھاوے کی پارسائی سے مرعوب ہو گیا! یہ شخص بھی ماس نوں کی طرح بدمعاش ہوگا۔" اور ژولیاں اپنی اس بات سے بڑا خوش ہوا کہ اس نے اپنا روپیہ جوتوں میں چھپا لیا تھا۔

پادری پی رار نے دینیات میں ژولیاں کا امتحان لیا اور اس کے علم کی وسعت

دیکھ کر بڑا حیران ہوا جب اس نے خاص طور سے انجیل کے متعلق سوالات پوچھے تو
اور بھی حیرت ہوئی۔ لیکن جب بڑے بڑے فقیہوں کے متعلق سوالات کی باری آئی
تو پتہ چلا کہ ژرولیاں سینٹ جیروم، سینٹ آگسٹین، سینٹ بوناوینٹورا، سینٹ بیسل
وغیرہ کا نام تک نہیں جانتا۔

پادری پی رار سوچنے لگا ___ "میں نے شیلاں کو کئی دفعہ تنبیہہ کی ہے کہ وہ
پروٹسٹنٹ مذہب کی طرف بہت زیادہ مائل ہے۔ یہ اس کی تازہ مثال ہے۔ سارا
زور انجیل کے مطالعے پر ہے۔"

(حالانکہ اس نے اس موضوع پر کوئی سوال بھی نہ پوچھا تھا۔ لیکن ژرولیاں نے
ابھی اسے بتایا تھا کہ کتاب پیدائش وغیرہ کی تصنیف کا اصل زمانہ کون سا ہے)
پی رار دل میں کہنے لگا ___ "انجیل پر اتنے بحث مباحثے کا مطلب آخر
کیا ہے؟ یعنی ذاتی رائے کا دخل، یا دوسرے لفظوں میں، پروٹسٹنٹوں کا سا ڈھنگ
نقطۂ نظر! شیلاں نے یہ جسارت آمیز باتیں تو سکھا دیں۔ لیکن فقیہوں کے بارے
میں کچھ نہیں بتایا کہ اس رجحان کا تھوڑا بہت ازالہ ہو سکتا۔"

پھر دارالعلوم کے نگراں نے ژرولیاں سے پوپ کے اختیارات کے متعلق
سوال پوچھا۔ اسے خیال تھا کہ ژرولیاں قدیم کلیسا کے احکامات پیش کرے گا، مگر اس
نے تو موسیو دمیستر کی پوری کتاب فرفر سنا دی۔ اب تو پادری کے تعجب کی
کوئی انتہا نہ رہی۔

"یہ شیلاں بھی عجیب وغریب آدمی ہے۔" پادری پی رار نے سوچا "کہیں اس
نے ژرولیاں کو یہ کتاب اس لیے تو نہیں دی کہ اس کا مذاق اڑانا سکھائے؟"

اس نے ژدلیاں سے ایسے سوالات پوچھے جن سے پتہ لگ سکے کہ وہ موسیو ونسنٹ کے عقائد کو مانتا ہے یا نہیں، مگر لاحاصل۔ یہ نوجوان تو بس اپنے حافظے کے سہارے بولتا تھا۔ اب ژدلیاں نے واقعی کمال کر دکھایا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اب مجھے اپنے اوپر پورا قابو ہے۔ اس لمبے چوڑے امتحان کے بعد اسے کچھ یوں لگا کہ پی رار نے جو سختی روا رکھی تھی وہ محض دکھاوے کی تھی۔ پادری کو اس نوجوان کے جوابوں میں اتنی صحت، اتنی وضاحت اور ایسی نکتہ سنجی ملی کہ اگر اس نے پچھلے پندرہ سال سے اپنے لیئے یہ قاعدہ نہ مقرر کر رکھا ہوتا کہ شاگردوں سے بڑی سخت سنجیدگی کے ساتھ پیش آؤں گا تو وہ اس کے منطقی دماغ سے خوش ہو کے اسے گلے لگا لیتا۔

"اس کا ذہن بڑا تیز اور صحت مند ہے" وہ دل میں بولا "مگر جسم کمزور ہے۔"

"کیا تم اکثر اسی طرح گر پڑتے ہو؟" وہ فرش کی طرف اشارہ کر کے ژدلیاں سے فرانسیسی میں کہنے لگا۔

"ایسا تو آج عمر میں پہلی دفعہ ہوا ہے۔ دربان کا چہرہ دیکھ کر میری جان نکل گئی۔" ژدلیاں نے بچوں کی طرح شرم سے سرخ ہو کر بتایا۔

پادری کے چہرے پر مسکراہٹ سی آگئی۔

"دنیا کی بے بنیاد شان و شوکت کا یہی اثر ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ تم مسکراتے ہوئے چہروں کے عادی ہو جو ہر قسم کے جھوٹ کا پردہ ہوتے ہیں۔ صداقت کی شکل بڑی سخت ہوتی ہے جناب۔ لیکن دنیا میں ہمارے فرائض بھی تو بڑے سخت ہیں۔ تمہیں احتیاط برتنی پڑے گی کہ تمہارا ضمیر اس کمزوری سے محفوظ رہے۔ یعنی ظاہری اور بے بنیاد محاسن کا ضرورت سے زیادہ احساس نہ پیدا ہونے پائے۔

"اگر شیلاں جیسے آدمی نے تمہاری سفارش نہ کی ہوتی"۔ اب پادری پھر لاطینی بولنے لگا جیسے اس میں بڑا مزا آرہا ہو۔ "اگر شیلاں جیسے آدمی نے تمہاری سفارش نہ کی ہوتی۔ تو میں تم سے دُنیا داری کی اس فضول زبان میں باتیں کرتا جس کے تم عادی معلوم ہوتے ہو۔ میں تمہیں صاف بتادوں، تم نے جس وظیفے کے لیئے درخواست کی ہے، اس کا ملنا بڑا مشکل کام ہے۔ لیکن اگر پادری شیلاں کی سفارش سے دارالعلوم میں ایک وظیفہ تک نہ مل سکے تو اس کا مطلب یہ ہُوا کہ چھپن سال کلیسا کی خدمت کرنے سے انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔"

یہ الفاظ کہہ چکنے کے بعد پادری نے ژولیاں کو نصیحت کی کہ مجھ سے پوچھے بغیر کسی خفیہ جماعت یا مجلس میں شامل نہ ہونا۔

"میں آپ سے وعدہ کیئے لیتا ہوں"۔ ژولیاں نے ایماندار آدمی کی سی پُر خلوص گرمجوشی کے ساتھ کہا۔

دارالعلوم کا نگران پہلی دفعہ مسکرایا۔

"یہاں اتنی بات سے کام نہیں چلے گا"۔ وہ بولا۔ "دنیا والوں کے وعدے بے بنیاد ہوتے ہیں، بلکہ انہیں طرح طرح کی غلط کاریوں اور اکثر تو جرائم کی طرف لے جاتے ہیں۔ سینٹ پیئس پنجم کے حکم نامے کی سترھویں دفعہ کے مطابق تمہارے اُوپر میری اطاعت فرض ہے۔ کلیسا کے قوانین کے مطابق تم میرے ماتحت ہو۔ پیارے بیٹے، یہاں سُننا اور حکم بجا لانا ایک بات ہے۔ تمہارے پاس کتنے پیسے ہیں؟"

"لو معاملے کی بات آگئی"۔ ژولیاں نے سوچا۔ "اسی لئے تو پیارے بیٹے کہا تھا!"

"پینتیس فرانک، مہربان باپ۔"

میں جہاں جہاں پیسہ خرچ کرو۔ احتیاط سے لکھتے جانا۔ مجھے حساب دینا پڑے گا۔"
یہ تکلیف دہ گفتگو تین گھنٹے سے جاری تھی۔ ژولیاں کو حکم ملا کہ دربان کو بلاؤ۔
"ژولیاں کو ۱۰۳ نمبر کے حجرے میں پہنچا دو۔" پادری نے اس آدمی سے کہا۔
ژولیاں کے ساتھ خاص رعایت برتتے ہوئے پادری نے اسے الگ حجرہ دے دیا تھا۔

"ان کا ٹرنک بھی لے جاؤ۔"

ژولیاں نے نیچے دیکھا تو اپنا ٹرنک سامنے رکھا نظر آیا۔ تین گھنٹے سے ٹرنک وہیں آنکھوں کے سامنے رکھا تھا۔ لیکن اس نے دیکھا تک نہ تھا۔

حجرہ ۱۰۳ عمارت کی سب سے اوپر والی منزل میں آٹھ مربع فٹ کا ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ وہاں پہنچ کر ژولیاں نے دیکھا کہ حجرے میں سے قلعے کی دیوار نظر آتی ہے اور اُس کے اُدھر وہ مسکراتا ہوا مرغزار ہے جسے دریائے دوب شہر سے الگ کرتا ہے۔
"کیسا نفیس منظر ہے۔" ژولیاں نے کہا۔ لیکن اسے وہ جذبہ محسوس نہیں ہو رہا تھا جو اس کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ بساں سوں آنے کے بعد اس تھوڑے سے عرصے میں اسے ایسے سنسنی خیز تجربات پیش آئے تھے کہ اب اس کی طاقت بالکل ختم ہو چکی تھی۔ حجرے میں بس ایک لکڑی کی کرسی تھی جو کھڑکی کے پاس رکھی تھی۔ وہ اس پر بیٹھ گیا، اور فوراً گہری نیند سو گیا۔ نہ تو اسے کھانے کی گھنٹی سُنائی دی نہ دُعا کی۔ دوسرے لوگ بھی اسے بھول گئے تھے۔

جب اگلے دن صبح کی پہلی کرنوں نے اسے جگایا تو اس نے دیکھا کہ فرش پر لیٹا ہوں۔

چھبیسواں باب

دُنیا کیا ہے؟

یا

امیروں کے پاس کس بات کی کمی ہے؟

میں دنیا میں بالکل اکیلا ہوں۔ کوئی میرے بارے میں سوچنے تک کی تکلیف گوارا نہیں کرتا۔ جن لوگوں کو میں دُنیا میں کامیاب ہوتے دیکھتا ہوں۔ اُن میں ایک ایسا ڈھیٹ پن اور ایسی سخت دلی ہے جو میرے پاس تک نہیں پھٹکی۔ وہ میری نرمی اور رنیک دلی کے سبب مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ ایسے سخت دل انسانوں کو دیکھ کر مجھے جو رنج ہوتا ہے یا تو اس کے ہاتھوں، یا پھر میں بھوک کی وجہ سے میں جلد ہی مر جاؤں گا۔

ایڈورڈ ڈینگ

اس نے جلدی جلدی کوٹ کو برش سے صاف کیا اور نیچے پہنچا۔ اُسے دیر ہو گئی تھی۔ ایک معلّم نے اسے بہت ڈانٹا۔ کوئی عذر پیش کرنے کے بجائے زردیاں

نے بازوؤں سے سینے پر صلیب کا نشان بنایا اور بڑی پشیمانی ظاہر کرتے ہوئے لاطینی زبان میں بولا۔

"مجھ سے گناہ ہوا ہے مہربان باپ۔ مجھے اپنا قصور تسلیم ہے"۔

یہ ابتدا بڑی کامیاب رہی۔ طالب علموں میں سے جو ذرا ذہین تھے وہ تاڑ گئے کہ اُن کا واسطہ کسی اناڑی سے نہیں پڑا ہے۔ تفریح کا گھنٹہ آیا تو ژولیاں نے دیکھا کہ میں لوگوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہوں۔ لیکن اُن لوگوں نے اسے بہت ہی کم آمیز اور خاموش طبیعت پایا۔ اس نے اپنے لئے جو اصول بنا لئے تھے۔ اُن کے مطابق وہ اپنے تین سو اکیس ساتھیوں کو دشمن سمجھ رہا تھا۔ اور اس کی نظروں میں سب سے خطرناک دشمن پادری پی رآر تھا۔

چند دن بعد ژولیاں کو ایک پادری کا انتخاب کرنا پڑا جس کے پاس اعتراف کے لئے جائے۔ اسے ایک فہرست دے دی گئی۔

"خدایا! یہ لوگ مجھے کیا سمجھتے ہیں؟" وہ دل میں بولا "کیا میں اُن کے خیال میں اتنا سا اشارہ بھی نہیں سمجھ سکتا؟" اور اس نے پادری پی رآر کو چُن لیا۔

حالانکہ اُسے گمان بھی نہیں تھا۔ مگر یہ اقدام فیصلہ کُن ثابت ہوا۔ ایک نوجوان طالب علم جو ابھی لڑکا ہی سا تھا، اور وہ ویریئر کا رہنے والا تھا، پہلے ہی دن سے اس کا دوست بن گیا تھا۔ اس نے ژولیاں کو بتایا کہ اس نے دار العلوم کے نائب صدر موسیو کاستانید کو انتخاب کیا ہوتا تو زیادہ دور اندیشی کی بات ہوتی۔

"پادری کاستانید موسیو پی رآر کا دشمن ہے جس کے متعلق شبہ ہے کہ وہ

ژاں سنیت عقائد رکھتا ہے"۔ طالب علم نے ژولیاں کے کان میں کہا۔

ہمارا ہیرو اپنے آپ کو بڑا دوراندیش سمجھتا تھا۔ لیکن اعتراف سننے والے پادری کے انتخاب کی طرح اس کے ساری ابتدائی اقدامات بالکل بے وقوفی پر مبنی تھے (جس آدمی کا تخیل تیز ہوتا ہے۔ اس کے مفروضات اسے یونہی گمراہ کرتے ہیں) چنانچہ وہ اپنے ارادوں کو حقائق سمجھ بیٹھتا تھا اور بزعم خود ریاکاری میں طاق تھا۔ وہ ایسا احمق تھا کہ اس مکروروں کے فن کی مدد سے کامیابی حاصل کرنے پر اپنے آپ کو لعنت ملامت کرنے لگا۔

"افسوس، میرے پاس اس کے سوا کوئی دوسرا ہتھیار ہی نہیں ہے"۔ وہ دل میں بولا "کوئی اور زمانہ ہوتا تو میں دشمن کے مقابلے میں کارہائے نمایاں دکھا کر اپنی روزی کماتا"۔

ژولیاں نے اپنے رویے سے مطمئن ہو کر چاروں طرف دیکھا۔ اسے ہر جگہ بے داغ نیکی اور دینداری کی علامتیں نظر آئیں۔

نو دس طالب علم تو گویا ولی کا رتبہ حاصل کر چکے تھے اور انہیں عالم رویا میں یسوع مسیح کا جلوہ نظر آتا تھا جیسے سینٹ ٹیریزا کو، یا کوڑے کھاتے وقت سینٹ فرانسس کو۔ لیکن یہ ایک زبردست راز تھا جسے اُن کے دوست اپنے ہی تک رکھتے تھے۔ یہ بیچارے رویا دیکھنے والے لڑکے ہمیشہ اسپتال میں رہتے تھے۔ کوئی سو لڑکے عقیدے کے بڑے پکے تھے اور محنت میں بھی اپنا جواب رکھتے تھے۔ وہ کام کرتے کرتے بیمار پڑ جاتے۔ مگر پھر بھی اُن کے علم میں کوئی خاص اضافہ نہ ہوتا۔ دو تین لوگ ایسے بھی تھے جن میں واقعی جوہر تھا۔ انہیں میں ایک آدمی شازیل تھا۔

مگر ژولیاں ان لوگوں سے دور ہی دور رہتا، اور وہ ژولیاں سے۔

تین سو اکیس طالب علموں میں سے باقی ماندہ لوگ بالکل کندۂ ناتراش تھے۔ جو دن بھر لاطینی الفاظ رٹتے رہتے۔ مگر انہیں یہ تک پتہ نہ تھا کہ کچھ سمجھ میں بھی آرہا ہے یا نہیں۔ تقریباً یہ سب کے سب کسان مزدوروں کے بیٹے تھے اور کھیتی باڑی کرنے کے بجائے دو چار لاطینی الفاظ دہرا کر روزی کمانا چاہتے تھے۔ دو چار دن کے اندر ہی ژولیاں کو اس بات کا اندازہ ہو گیا، اور اسے یقین آ گیا کہ میں بڑی جلدی ترقی کروں گا وہ دل میں کہنے لگا "ہر پیشے میں ذہین آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ کام تو بہر حال ہونا ہی ہے۔ نپولین کے زمانے میں میں سارجنٹ ہوتا۔ یہ لوگ آگے چل کے دیہات کے پادری بنیں گے۔ میں بڑا پادری بنوں گا"۔

"یہ بچارے بچپن سے محنت، مزدوری کرتے رہے ہیں۔ یہاں آنے سے پہلے ان کا گزارا روکھی سوکھی روٹی اور چھاچھ پر تھا۔ اپنے جھونپڑوں میں انہیں گوشت سال میں پانچ چھ دفعہ سے زیادہ نہ ملتا ہوگا۔ جس طرح رومن سپاہی جنگ کو عیش کا زمانہ سمجھتے تھے، اسی طرح ان اجڈ گنواروں کے لئے دارالعلوم بہشت سے کم نہیں"۔

ان کی بجھی بجھی آنکھوں میں ژولیاں کو یا تو کھانے کے بعد ایک جسمانی ضرورت کی تسکین جھلکتی نظر آتی یا کھانے سے پہلے ایک جسمانی لذت کی امید۔ یہ تھے وہ لوگ جن کے درمیان اسے امتیاز حاصل کرنا تھا۔ لیکن ایک بات نہ تو ژولیاں کو معلوم تھی اور نہ وہ لوگ اس کا ذکر کرتے تھے۔ وہ یہ کہ دارالعلوم میں دینیات، کلیسا کی تاریخ وغیرہ جو مضامین پڑھائے جاتے تھے۔ ان میں اول آنا ان لوگوں کے نزدیک مشیخت مآبی کے گناہ کا درجہ رکھتا تھا۔ والتیئر اور جمہوری حکومت کے

قیام کے بعد سے جس کا مطلب دراصل بد یقینی اور ذاتی رائے کا دخل ہے اور جس سے لوگوں کے دل میں بے اعتمادی کی خطرناک عادت پیدا ہوتی ہے، فرانسیسی کلیسا اچھی طرح سمجھ گیا ہے کہ اس کی اصلی دشمن کتابیں ہیں۔ اس کی نظروں میں سچّے دل سے اطاعت قبول کرنا ہی سب کچھ ہے۔ پڑھنے لکھنے بلکہ مقدّس مضامین کے مطالعے میں بھی کامیابی حاصل کرنا مشتبہ چیز ہے۔ اور یہ بات ٹھیک بھی ہے۔ ذہین اور ممتاز آدمی کو دوسری طرف جا ملنے سے کون چیز روک سکتی ہے، جیسے گرے گوار یا سی آلے کے معاملے میں ہوا؟ خوف زدہ کلیسا تو بس پوپ کو نجات کا واحد ذریعہ سمجھتا ہے اور اسی سے چمٹا ہوا ہے۔ ذاتی رائے کے شوق کو ختم کرنا تو بس پوپ کا ہی کام ہے، اور اپنے دربار کے مقدّس جاہ وجلال سے دنیا والوں کے تھکے ہوئے اور بیمار دماغوں کو مرعوب کرنا بھی اسی کے بس میں ہے۔

دارالعلوم میں جو باتیں کہی جاتی ہیں اُن سے ان سب حقائق کی تردید ہوتی ہے مگر جب ژولیاں انہیں تھوڑا تھوڑا سمجھ گیا تو وہ بڑا افسردہ خاطر ہوا۔ اس نے بڑی محنت سے کام کیا اور جلدی وہ سب باتیں سیکھ گیا جو اس کی نظروں میں بالکل غلط تھیں، اور جن سے انہیں دلچسپی بھی نہ تھی۔ مگر یہ چیزیں پادری کے بہت کام آتی ہیں۔ اس کا خیال تھا کہ میں اس کے علاوہ کر بھی کیا سکتا ہوں۔

وہ اکثر سوچا کرتا ___ "کیا مجھے ساری دنیا بالکل بھول ہی گئی؟" اسے معلوم نہ تھا کہ موسیو دی رنال کو کئی خط ملے تھے جنہیں اس نے جلا ڈالا تھا۔ ان خطوں پر دی ژول کی مہر ہوتی تھی اور رسمی زبان اور انداز کے باوجود ان میں شدید محبت جھلکتی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ لکھنے والی کے دل میں محبت اور ندامت کی کشمکش ہو رہی ہے۔ پادری

پی ساں نے سوچا۔ "چلو یہ ٹھیک ہے۔ اس لڑکے نے کم سے کم کسی بے دین عورت سے تو محبت نہیں کی"۔

ایک دن پادری نے ایک ایسا خط کھولا۔ جو آنسوؤں سے آدھا مٹ گیا تھا یہ آخری الوداع تھی۔ لکھنے والی نے ژدلیاں سے کہا تھا۔

"آخر خدا نے مجھ پر رحمت کی ہے اور میں اپنے گناہ کے بانی مبانی سے نہیں بلکہ خود اپنے گناہ سے نفرت کرنے لگی ہوں۔ وہ شخص تو ہمیشہ مجھے دنیا میں ہر چیز سے زیادہ عزیز رہے گا۔ میرے دوست، میں نے قربانی دے دی ہے۔ مگر جیسا تم دیکھ رہے ہو، آنسو بہائے بغیر نہیں۔ جن ہستیوں میں وابستہ ہوں اور جن سے تمہیں بھی محبت تھی۔ ان کی بھلائی کا خیال میرے اوپر غالب آگیا ہے۔ منصف مگر قہار خدا اب ان کی ماں کے جرائم کا بدلہ ان سے نہیں لے سکتا۔ اچھا، ژدلیاں، الوداع! انسانوں کے ساتھ انصاف سے پیش آنا"۔

خط کا آخری حصہ بڑی مشکل سے پڑھا جاتا تھا۔ لکھنے والی نے دی ژدن کا پتہ دیا تھا اور ساتھ ہی یہ امید بھی ظاہر کی تھی کہ ژدلیاں جواب نہیں دے گا، یا کم سے کم ایسے الفاظ استعمال کرے گا جنہیں ایک ایسی عورت جو اپنے گناہ سے تائب ہو چکی تھی شرمائے بغیر پڑھ سکے۔

ایک تو ژدلیاں ویسے ہی افسردہ خاطر ہو رہا تھا۔ پھر ٹھیکے دار نے اسی سینٹ میں کھانا ٹھیک نہیں دیتا تھا۔ چنانچہ اس کی صحت بگڑ چلی تھی کہ ایک دن صبح کو اچانک فوکے اس کے کمرے میں آپہنچا۔

"آخر میں اندر آ ہی گیا۔ میں پانچ دفعہ یہ تہیہ کر کے بساں سوں آیا ہوں کہ تم

سے ضرور ملوں گا۔ مگر ہر دفعہ دروازہ بند پایا۔ آج میں نے ایک آدمی کو دارالعلوم کے دروازے پر کھڑا کر دیا تھا۔ تم باہر کیوں نہیں نکلتے؟"

"میں اپنے آپ کو آزما رہا ہوں۔"

"تم بہت بدل گئے ہو۔ خیر، تمہاری شکل تو دکھائی دی۔ آج دس فرانک دے کر مجھے پتہ چلا کہ میں نے بڑی بے وقوفی کی جو پہلے ہی دن رشوت نہ دے دی۔"

دونوں دوستوں میں گھنٹوں باتیں ہوا کیں۔ فوکے بولا۔

"ارے ہاں، تم نے سنا ہے؟ تمہارے شاگردوں کی ماں بڑی دیندار بن گئی ہے۔"

ژولیاں کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ فوکے اس بے تعلقی کے ساتھ بدل رہا تھا جس کا محبت کرنے والے کے دل پر عجیب اثر ہوتا ہے۔ کیونکہ بولنے والا انجان پنے میں اس کے عزیز ترین جذبات کو کچل کے رکھ دیتا ہے۔

"ہاں، دوست، وہ بڑی دیندار، پرہیزگار بن گئی ہے۔ کہتے ہیں کہ اب تو زیارت کے لئے بھی جاتی ہے۔ پادری ماس لوں مدت سے بچارے موسیو شیلاں کی ٹوہ میں لگا ہوا ہے۔ لیکن اس بات سے ماس لوں کی بڑی کرکری ہوتی ہے کہ وہ شیلاں سے کوئی تعلق ہی نہیں رکھتی۔ وہ تو اعتراف کے لئے دی ژون یا بساں سوں آتی ہے۔"

"بساں سوں آتی ہے!" ژولیاں نے کہا اور اس کا ماتھا سرخ ہو گیا۔

"ہاں، اکثر۔" فوکے نے سوالیہ لہجے میں کہا۔

"تمہارے پاس "دستور پسند" کا کوئی پرچہ ہے؟"

"کیا کہا تم نے؟" فوکے نے جواب دیا۔

"میں پوچھتا ہوں تمہارے پاس "دستور ساز" کا کوئی پرچہ ہے؟" ژولیاں نے ذرا پُرسکون آواز میں کہا۔ "یہاں تیس سُو کا ایک پرچہ ملتا ہے"۔

"ہیں! دارالعلوم میں بھی آزاد خیال لوگ پہنچ گئے! فوکسے نے چلا کے کہا۔ "بدنصیب فرانس!" اس نے پادری ماس توں کے انکسار آمیز اور ریاکارانہ لہجے کی نقل اتاری ہمارے ہیرو پر اس ملاقات کا بڑا گہرا اثر ہوتا اگر اگلے ہی دن ویرئیر کے اس طالب علم نے جو لڑکا سا لگتا تھا ژولیاں سے ایک ایسی بات نہ کہی ہوتی جس کے ذریعے اس پر ایک بڑا اہم انکشاف ہوا۔ جب سے ژولیاں دارالعلوم میں آیا تھا۔ اس نے تابڑ توڑ غلط اقدامات کئے تھے۔ وہ بڑی تلخی سے اپنے اوپر ہنسنے لگا۔

دراصل اپنی زندگی کے اہم معاملات میں اس نے خاصی عقلمندی سے کام لیا تھا، مگر تفصیلات کی طرف بالکل توجہ نہ کی تھی اور دارالعلوم میں جو تیز آدمی ہوتے ہیں وہ صرف تفصیلات دیکھتے ہیں۔ چنانچہ اس کے ساتھی اُسے لامذہب سمجھنے لگے تھے۔ بہت سی چھوٹی چھوٹی باتوں نے اس کا راز فاش کر دیا تھا۔ اُن کی نظروں میں اس کا زبردست گناہ یہ تھا کہ وہ تقلید اور اندھی اطاعت کے بجائے خود سوچتا تھا، خود رائے قائم کرتا تھا۔ پادری پی رار سے اُسے ذرا بھی مدد نہ ملتی تھی۔ دارالعلوم کی عدالت سے باہر اس نے ژولیاں سے ایک لفظ تک نہ کہا تھا۔ وہاں بھی وہ سنتا زیادہ تھا، بولتا کم تھا۔ اگر ژولیاں نے پادری کا ستاپند کا انتخاب کیا ہوتا تو معاملہ بالکل مختلف ہوتا۔

اپنی حماقت سے باخبر ہوتے ہی ژولیاں نے پھر لوگوں سے دلچسپی لینی شروع کر دی۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ مجھے کتنا نقصان پہنچا ہے۔ اس خیال سے اب اس نے

وہ اکڑنا، وہ بننا، وہ چپ چپ رہنا اور دوسروں سے الگ الگ پھرنا چھوڑ دیا اب اُن لوگوں نے اپنا بدلہ لینا شروع کیا۔ ژولیاں اُن کی طرف بڑھا تو وہ لوگ حقارت سے پیش آئے۔ بلکہ اُس کا مذاق اڑانے لگے۔ اسے پتہ چلا کہ جس دن سے وہ دارالعلوم میں آیا ہے ایک گھنٹہ بھی (خصوصًا تفریح کا گھنٹہ) ایسا نہیں گزرا کہ جب اس کی مخالفت یا موافقت میں کوئی نہ کوئی بات پیش نہ آئی ہو، اس کے دشمنوں کی تعداد میں اضافہ نہ ہُوا ہو۔ یا اُسے کسی ایسے طالب علم کی دوستی حاصل نہ ہوئی ہو جو واقعی نیک ہو ورنہ کم سے کم دوسروں کے برابر اجڈ نہ ہو۔ ژولیاں کو جس نقصان کی تلافی کرنا تھی وہ خاصا زبردست تھا اور یہ کام واقعی بڑا دشوار تھا۔ اب ژولیاں برابر محتاط رہنے لگا۔ اب اسے اپنے آپ کو بالکل نئے رنگ میں پیش کرنا تھا۔

مثلاً اپنی آنکھوں پر قابو رکھنے میں اسے بڑی مشکل پیش آئی۔ اگر ایسی جگہوں میں لوگ آنکھیں جھکائے رکھتے ہیں تو یہ بات بے وجہ نہیں۔ ژولیاں دل ہی دل میں کہنے لگا" وریئیر میں میرے کیا کیا دعوے تھے! میرا خیال تھا کہ میں زندہ ہوں میں تو دراصل اپنے آپ کو زندگی کے لئے تیار کر رہا تھا۔ اب آخر میں دنیا میں پہنچ گیا ہوں، اور جب تک میرا کام پورا نہ ہو جائے گا۔ دنیا ایسی ہی رہے گی اور میں حقیقی دشمنوں میں گھرا رہوں گا۔ ہر لحظے ریاکاری برتنا بھی کیسا مشکل کام ہے اس کے آگے ہرکولیز کے کارناموں کی کیا حقیقت ہے! آج کل کا ہرکولیز تو پوپ سکسٹس پنجم ہے جو پورے پندرہ سال تک اپنے انکسار سے چالیس اسقفوں کو دھوکا دیتا رہا جنہوں نے اسے جوانی کے زمانے میں بڑا چست و چالاک

اور اکڑ باز پایا تھا۔

"تو علم یہاں کوئی معنی ہی نہیں رکھتا!" اس نے بڑی حقارت کے ساتھ دل میں کہا۔ "دینیات، کلیسا کی تاریخ وغیرہ میں کمال حاصل کرنے کی جو کچھ قدر ہے وہ صرف ظاہر ہیں ہے۔ اس سلسلے میں جو کچھ کہا جاتا ہے وہ محض اس نیت سے کہ مجھ جیسے بے وقوف کے پھندے میں آجائیں۔ افسوس، میرا کمال بس یہ تھا کہ میں نے بڑی جلدی ترقی کی اور اس خرافات پر مجھے بڑا عبور حاصل ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اپنے دل میں یہ لوگ بھی ان چیزوں کی اصلی قدر و قیمت سمجھتے ہیں اور ان کی بھی وہی رائے ہے جو میری؟ اور میں ایسا بے وقوف تھا کہ اپنے اوپر ناز کرنے لگا! میں کلاس میں ہمیشہ اوّل آتا ہوں، لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دارالعلوم سے نکلنے کے بعد مجھے جن وسیلوں سے روزی حاصل کرنی ہے وہ میرے ہاتھ سے نکلتے جا رہے ہیں۔ شازیل مجھ سے کہیں زیادہ جانتا ہے لیکن اپنے مضمونوں میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی بے وقوفی کی بات لکھ دیتا ہے جس کی وجہ سے اس کا پچاسواں نمبر آتا ہے۔ اگر کبھی اوّل آیا تو اس وقت کہ جب سوچ نہ رہا ہو۔ آہ، موسیو پیرار کا ایک لفظ، صرف ایک لفظ بھی میرے لئے کتنا سودمند ثابت ہوتا!"

جب ژولیاں کی آنکھیں کھل گئیں تو وہ طول طویل راہبانہ ریاضتیں مثلاً ہفتے میں پانچ دفعہ تسبیح و تہلیل، مناجاتیں وغیرہ، وغیرہ جو پہلے اسے انتہائی بے کیف معلوم ہوتی تھیں۔ اب زندگی کی سب سے دلچسپ سرگرمیاں بن گئیں۔ وہ اپنی ایک ایک بات پر کڑی نگاہ رکھتا اور جو ترکیب اختیار کرتا اس میں زور مبالغے سے کام

نہ لیتا۔ اُن طالب علموں کی طرح جو دوسروں کے لئے مثالی نمونہ تھے، اس نے شروع ہی سے یہ کوشش نہیں کی کہ ہر وقت کوئی نہ کوئی معنی خیز کام ضرور سرانجام دیا جائے۔ یعنی ایسا کام جس سے ایک نہ ایک عیسوی خوبی ظاہر ہوتی ہو۔ دار العلوم میں اُبلا ہوا انڈا کھانے کا بھی ایک ایسا طریقہ ہوتا ہے جس سے صاف پتہ چل جاتا ہے کہ اس آدمی نے پرہیزگاری میں کتنی ترقی کر لی ہے۔

اگر آپ یہ بات سن کر مسکرانے لگے تو ذرا یاد کیجئے کہ جب شہنشاہ لوئی کے دربار کی ایک عالی مرتبت خاتون نے پادری دے لیل کی دعوت کی تھی تو اس سے انڈا کھانے میں کتنی غلطیاں سرزد ہوئی تھیں۔

شروع میں ژولیاں نے تزکیۂ نفس کی کوشش کی۔ یہ وہ حالت ہوتی ہے کہ دینیات کے نوجوان طالب علم کی چال ڈھال، اس کے بازوؤں اور آنکھوں وغیرہ کی حرکت سے ذرا بھی دنیاداری نہیں جھلکتی۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ آدمی اس دنیا کی نفی کر چکا ہے اور دوسری دنیا کے خیال میں کھویا ہوا ہے۔

ژولیاں کو دالانوں کی دیواروں پہ ہر جگہ اس قسم کی عبارتیں لکھی نظر آتی تھیں۔

"دائمی عیش یا جہنم کے دائمی عذاب کے مقابلے میں آزمائش کے ساٹھ سال کیا حقیقت رکھتے ہیں؟" اب وہ ان عبارتوں کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھتا تھا، وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ تو ہر وقت میرے پیشِ نظر رہنی چاہئیں۔ وہ دل میں کہا کرتا تھا مجھے عمر بھر کیا کرنا پڑے گا؟ یہی تو کہ دیندار لوگوں کے ہاتھ جنت کے پروانے بیچوں گا۔ انہیں جنت کی شکل کیسے دکھاؤں گا؟ اپنی ظاہری صورت اور دنیا داروں

کی ظاہری صورت میں فرق پیدا کر کے"۔

وہ ہر وقت اسی فکر میں لگا رہتا۔ لیکن کئی مہینے کی ریاضت کے بعد بھی وہ شکل سے مفکر لگتا تھا۔ اس کی آنکھوں کی حرکت اور ہونٹ کھولنے کے انداز سے یہ بات ظاہر نہیں ہوتی تھی کہ وہ ایمان بالغیب رکھتا ہے اور ہر چیز پر ایمان لانے، ہر چیز کی حمایت کرنے کو تیار رہے، چاہے اس میں شہید ہی کیوں نہ ہونا پڑے۔ اُسے یہ دیکھ کر بڑا غصہ آتا کہ اُجڈ سے اُجڈ گنوار اس بات میں مجھ سے آگے ہیں۔ اگر وہ لوگ مفکر نہیں لگتے تھے تو ان کے پاس اس کی خاصی معقول وجوہات تھیں۔

اس نے اپنے چہرے پر اس اندھے اور شدید اعتقاد کی علامتیں پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جو ہر بات پر ایمان لانے اور ہر مصیبت اٹھانے کو تیار ہوتا ہے ـــــ یعنی وہ انداز جو اٹلی کی خانقاہوں میں اکثر دکھائی دیتا ہے اور جس کے مکمل نمونے گرچینو ہم دنیا داروں کے لئے گرجاؤں کے اندر اپنی تصویروں میں چھوڑ گیا ہے۔

بڑے بڑے تہواروں کے موقع پر طالب علموں کو گوبھی گوشت ملتا تھا۔ ژولیاں کے پاس بیٹھنے والوں نے دیکھا تھا کہ وہ ایسی نعمت پا کر ذرا خوش نہیں ہوتا۔ یہ چیز اس کے پہلے جرائم میں سے تھی۔ اس کے ساتھیوں کے نزدیک یہ انتہائی احمقانہ ریاکاری کا ایک گھناؤنا مظاہرہ تھا۔ اس کے سب سے زیادہ دشمن اسی بات سے بنے۔ وہ لوگ کہا کرتے ـــــ "ذرا ان نواب صاحب کو دیکھو۔ ان کی اکڑ ملاحظہ ہو۔ ایسے بن رہے ہیں جیسے گوبھی گوشت سے نفرت ہو۔ اس سے بڑھ کر کیا نعمت ہو گی! بے ایمان کہیں کا! نخرے باز! ملعون!"

اصل میں اُسے چاہیئے یہ تھا کہ تزکیۂ نفس کے طور پر اپنے حصے کا پورا گوشت نہ کھاتا، اور دل پر جبر کر کے اس نعمت کے متعلق کسی دوست سے کہتا — قادرِ مطلق کے سامنے ایک حقیر انسان خود اختیاری تکلیف کے سوا اور کیا ہدیہ پیش کر سکتا ہے؟"

لیکن ژولیاں کو ابھی وہ تجربہ حاصل نہیں تھا جس کی مدد سے ایسی باتیں بڑی آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہیں۔

"افسوس، میرے ان ساتھی گنواروں کی جہالت اُن کے لئے بڑی مفید ثابت ہوئی ہے" وہ مایوسی کے لمحوں میں کہا کرتا "جب یہ لوگ دار العلوم میں آتے ہیں تو معلم کو ان کے ذہن سے وہ دنیاوی خیالات دور نہیں کرنے پڑتے جو میں اپنے ساتھ لے کے آیا ہوں اور جو میری کوشش کے باوجود میرے چہرے سے جھلکتے ہیں"۔

دار العلوم میں جو زیادہ اجڈ دیہاتی آتے تھے۔ ژولیاں ایسے غور سے اُن کا جائزہ لیتا جس میں رشک کا پہلو نکلتا تھا جب اُن کے موٹے جھوٹے کپڑے اتار کر انہیں سیاہ عبا پہنائی جاتی تو اس وقت اُن کی تعلیم پلیسے کی بے انتہا عزت تک محدود ہوتی تھی۔

والتیئر کے قصوں کے ہیرو کی طرح، ان طالب علموں کے لئے بھی خوشی کے معنے سب سے پہلے یہ تھے کہ کھانا اچھا ملے۔ ژولیاں نے دیکھا کہ تقریباً ان سب لوگوں کے دل میں اچھے کپڑے پہننے والوں کے لئے ایک فطری عزت موجود ہے۔ ہماری عدالتوں میں جو "عالمگیر انصاف" رائج ہے۔ یہ جذبہ اس کی صحیح قدر و قیمت

جانتا ہے، بلکہ دراصل اسے اتنا بھی نہیں سمجھتا۔ یہ لوگ، اکثر آپس میں کہا کرتے تھے — "بڑے آدمیوں سے مقدمہ بازی کرنے میں کیا ملتا ہے۔"

ڑیورا کی وادیوں میں "بڑے آدمی" کا مطلب ہوتا ہے دولت مند۔ اسی سے اندازہ لگا لیجئے کہ اُن کے دل میں سب سے دولت مند ہستی یعنی حکومت کی کیا کچھ عزت ہوگی!

ناظم کا نام آتے ہی اگر کوئی تکریماً مسکرائے نہیں تو فرانسسکن کسانوں میں اسے بڑی ناعاقبت اندیشی کی بات سمجھا جاتا ہے اور غریبوں کو ناعاقبت اندیشی کی سزا فوراً یہ ملتی ہے کہ روٹی چھن جاتی ہے۔

شروع شروع میں نوژولیاں کو ایسی حقارت محسوس ہوتی کہ اس کا دم گھٹنے لگتا۔ لیکن آخر اسے ان لوگوں پر رحم آنے لگا۔ اس کے اکثر ساتھیوں کے ماں باپ کو یہ واقعہ پیش آچکا تھا کہ جاڑوں میں شام کو گھر آئے تو دیکھا کہ نہ روٹی ہے نہ آلو۔ ژولیاں دل میں کہتا — "تو پھر یہ کون سے تعجب کی بات ہے کہ ان کی نظروں میں خوش و خرم آدمی سب سے پہلے تو وہ ہے جسے پیٹ بھر کے اچھا کھانا ملا ہو۔ اور اس کے بعد وہ جس کے پاس اچھا لباس ہو! میرے ساتھیوں نے واقعی خلوص کے ساتھ یہ پیشہ اختیار کیا ہے۔ یعنی انہیں امید ہے کہ پادری کے پیشے میں یہ خوشی بدستور جاری رہے گی، اچھا کھانا ملے گا، اور جاڑوں میں گرم کوٹ پاس ہوگا۔"

ایک دن اتفاق سے ژولیاں نے ایک طالب علم کو جس کا تخیل ذرا بلند تھا۔ اپنے ساتھی سے یہ کہتے سُنا —

"آخر سکسٹس پنجم کی طرح میں بھی پوپ کیوں نہیں بن سکتا؟ وہ ایک معمولی گڈریا تھا۔"

"پوپ تو صرف اٹلی کے لوگوں کو بنایا جاتا ہے۔" دوست نے جواب دیا "لیکن بڑے پادریوں، اسقفوں وغیرہ کی جگہ کے لیے تو ہمارے یہاں سے بھی کچھ آدمی قرعہ اندازی کے ذریعے ضرور چنے جائیں گے۔ شالوں کا بڑا پادری پیپہ ساز کا بیٹا ہے۔ میرے باپ بھی یہی کام کرتے ہیں۔"

ایک دن دینیات کا درس ہو رہا تھا کہ پادری پی رار نے ژولیاں کو بلا بھیجا۔ بیچارے نوجوان کو بڑی خوشی ہوئی کہ چلو آج تھوڑی دیر کے لیے اس جسمانی اور اخلاقی ماحول سے نجات ملی جس میں کتنے دن سے پڑا سڑ رہا تھا۔

دارالعلوم کے نگران نے ژولیاں کا استقبال اسی انداز سے کیا جس نے پہلے دن اسے سہما دیا تھا۔

"بتاؤ اس تاش کے پتے پر یہ کیا لکھا ہے؟" اس نے ژولیاں کی طرف ایسے دیکھا کہ اس کا جی چاہا زمین پھٹے اور میں سما جاؤں۔

ژولیاں نے پڑھا۔

"اماں دا بینیہ، کیفے ژیراف میں، آٹھ بجے سے پہلے۔ کہنا کہ تم ژاں لی سے آئے ہو، اور میری ماں کے رشتے دار ہو۔"

ژولیاں سمجھ گیا کہ میں سخت خطرے میں ہوں۔ پادری کا تاسا ینِد کے جاسوسوں نے یہ پتہ اس کے پاس سے اڑا لیا تھا۔

ژولیاں سے اس کی غضب ناک نظریں برداشت نہ ہو سکیں تو وہ پادری

کے ماتھے کی طرف دیکھنے لگا اور بولا ــ" جس دن میں یہاں آیا ہوں ۔ تو میں ڈر کے مارے کانپ رہا تھا۔ موسیو شیلاں نے مجھے بتایا تھا کہ یہاں بُغض و عناد اور چغلخوری بہت چلتی ہے ۔ بلکہ لوگوں کو تربیت ہی یہ دی جاتی ہے کہ ایک دوسرے کی جاسوسی کریں اور اپنے دوستوں کا بھانڈا پھوڑیں ۔ بہر حال خدا کی یہی مرضی ہے کہ نوجوان راہب دیکھیں دنیا کیا ہوتی ہے اور دُنیا اور اس کی دلفریبیوں سے نفرت کرنا سیکھیں "۔

"میرے سامنے باتیں بناتا ہے !" پادری پی رار کو جلال آگیا۔" بدمعاش کہیں کا !"

ژولیاں نہایت سکون کے ساتھ بولے گیا ــ" وِیریَیر میں جب میرے بھائیوں کو مجھ سے کوئی جلن ہوتی تو وہ مجھے پیٹا کرتے تھے ۔ ۔ ۔ "

"کام کی بات کر! کام کی بات !" پادری آپے سے باہر ہو کے چلایا

ژولیاں ذرا بھی نہ بوکھلایا ، اور پھر اپنا قصہ سنانے لگا۔

"جس دن میں بساں سوں آیا ہوں ۔ دوپہر کا وقت تھا ۔ مجھے بڑی بھوک لگ رہی تھی ۔ میں ایک کیفے میں چلا گیا ۔ ایسی گندی جگہ جانے سے مجھے گھن تو بہت آتی ، مگر میں نے سوچا کہ سرائے کی بہ نسبت یہاں کھانا سستا ملے گا ۔ وہاں ایک عورت تھی جو کیفے کی مالکہ معلوم ہوتی تھی ۔ اسے میرے اناڑی پن پر رحم آگیا ۔ وہ کہنے لگی کہ بساں سوں میں بدمعاش بھرے پڑے ہیں ۔ مجھے آپ کی طرف سے ڈر لگتا ہے ۔ اگر آپ کے اوپر کوئی مصیبت پڑے تو میرے پاس چلے آیئے گا ، یا آٹھ بجے سے پہلے کسی کے ہاتھ کہلوا بھیجئے گا ۔ اگر دارالعلوم

کے چپراسی آپ کا پیغام لانے سے انکار کر دیں تو کہہ دیجئے گا کہ آپ میرے رشتہ دار ہیں اور ژان لی سے آئے ہیں۔۔۔۔۔۔"

"اس ساری بکواس کی تفتیش کرنی پڑے گی۔" پادری پی رار چلّا کے بولا۔ غصّے کے مارے اس سے ایک جگہ نہ بیٹھا جا رہا تھا اور وہ کمرے میں ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔

"تم اپنے حجرے میں جاؤ۔"

پادری ژولیاں کے ساتھ گیا اور اسے اندر بند کر کے باہر سے تالا لگا دیا۔ ژولیاں نے فوراً اپنا ٹرنک دیکھا جس کی تہ میں اس نے وہ منحوس کارڈ احتیاط سے چھپا کے رکھا تھا۔ ٹرنک میں سے کوئی چیز غائب نہ تھی۔ مگر سامان الٹ پلٹ ہو رہا تھا۔ اس کے باوجود تالی ہمیشہ اس کے پاس رہی تھی۔ ژولیاں نے سوچا۔۔۔۔ "اب میری سمجھ میں آیا کہ موسیو کاستابند نے اتنی فیاضی کیوں برتی تھی اور کئی دفعہ مجھے دارالعلوم سے باہر جانے کی اجازت کیوں دی تھی۔ اچھا ہوا کہ اس اندھے پن کے زمانے میں میں نے اس اجازت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ ممکن تھا کہ مجھ سے یہ حماقت سرزد ہوتی کہ کپڑے تبدیل کر کے حسین اماں دا سے ملنے چل دیتا۔ پھر تو میں کہیں کا نہ رہتا۔ جب یہ لوگ اپنے اس انکشاف سے یوں فائدہ نہ اٹھا سکے تو انھوں نے سوچا کہ بات کیوں بیکار جائے، اٹھا کے میری شکایت کر دی۔"

دو گھنٹے بعد نگران نے اسے پھر بلایا۔

"تم نے جھوٹ نہیں بولا تھا۔" اس نے ذرا کم سختی کے ساتھ ژولیاں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس قسم کا پتہ اپنے پاس رکھنا بڑی ناعاقبت اندیشی کی بات ہے۔ تم نہیں سمجھ سکتے کہ یہ چیز کتنی سنگین ہے۔ بدنصیب لڑکے! شاید دس سال بعد تمہیں اس کی بدولت نقصان اٹھانا پڑے گا۔"

ستائیسواں باب

زندگی کا پہلا تجربہ

موجودہ زمانہ! خدا کی قسم یہ تو مقدس تبرکات کی طرح ہے۔
جس نے اسے چھوا اس کی شامت آئی۔

دی آرد و

ناظرین ہمیں معاف فرمائیں، ہم نے ژدلیاں کی زندگی کے اس دور کی صحیح اور واضح تفصیلات بہت کم دی ہیں۔ یہ بات نہیں کہ ہم واقفیت نہ رکھتے ہوں، معاملہ بالکل اُلٹا ہے۔ لیکن ہم نے ان صفحات میں اعتدال کا رنگ قائم رکھنے کی کوشش کی ہے اور اس نے دارالعلوم میں جس قسم کی زندگی بسر کی۔ وہ ذرا زیادہ سیاہ ہے۔ آج کل کے لوگوں نے چند چیزوں کی بدولت تکلیف اٹھائی ہے۔ اگر وہ باتیں یاد دلائی جائیں تو انہیں دکھ ہوگا اور ہر قسم کا لطف ختم ہو کے رہ جائے گا۔ یہاں تک کہ ناول پڑھنے کا لطف بھی۔

ژدلیاں کو عملاً ریاکاری برتنے کی کوششوں میں کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی۔ اب وہ اکثر بیزار سا رہنے لگا۔ بلکہ بعض وقت تو اس کا جی چھوٹ جاتا۔ وہ بالکل ناکام

رہا تھا، اور وہ بھی ایک ذلیل سے پیشے میں۔ اسے جس دشواری پر قابو پانا تھا۔ وہ کچھ ایسی بڑی نہ تھی۔ اگر اسے باہر سے ذرا بھی مدد ملتی تو اس کی ہمت بندھ جاتی۔ لیکن وہ بالکل اکیلا تھا، ایسا تنہا جیسے بیچ سمندر میں کوئی جہاز۔ وہ دل میں کہتا "اور اگر میں کامیاب بھی ہوا تو کیا ہے، ساری زندگی ایسے بد معاشوں کی صحبت میں گزارنی پڑے گی! بالکل مربھکے ہیں، ہر وقت یہ خیال لگا رہتا ہے کہ آج کھانے میں آملیٹ ملے گا۔ یا پھر پادری کاستانیٹ جیسے لوگ ہیں جن کے لئے بڑے سے بڑا جرم جائز ہے! ایک دن یہی لوگ صاحب اقتدار ہوں گے۔ لیکن، خدایا، کتنی زبردست قیمت دے کر!"

"انسان کے ارادے میں بڑی طاقت ہے۔ مجھے یہ بات ہر طرف لکھی نظر آتی ہے۔ مگر کیا اتنی سخت کراہت پہ قابو پانے کے لئے قوتِ ارادی کافی ہے بڑے آدمیوں کا کام ہمیشہ آسان رہا ہے۔ خطرہ چاہے کتنا ہی زبردست کیوں نہ ہو، انہیں دلفریب ہی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن میرے سوا کون سمجھ سکتا ہے کہ میرے چاروں طرف گندگی ہی گندگی ہے؟"

یہ اس کی زندگی کا سب سے زیادہ صبر آزما دور تھا۔ بسانسوں میں جو فوجی دستے مقیم تھے ان میں بھرتی ہو جانا کتنا آسان تھا! وہ لاطینی کا استاد بھی بن سکتا تھا۔ تھوڑا بہت جو بھی مل جائے زندہ رہنے کے لئے کافی تھا۔ لیکن اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کے حوصلے، اس کے بلند ارادے، اس کے تخیل کی پرواز سب ختم ہوئی۔ یہ زندگی تو موت کے برابر تھی۔ اب اسی قسم کے ایک منحوس دن کا تفصیلی بیان سنئے:

ایک دن وہ دل میں کہنے لگا "میں بڑا خود پسند ہوں اور مجھے اکثر اس بات پر فخر ہوا ہے کہ میں ان نوجوان دیہاتیوں سے مختلف ہوں۔ لیکن اپنے تجربات

سے میں نے یہ سیکھا ہے کہ فرق ہی سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔" اس پر اس عظیم حقیقت کا انکشاف ابھی اپنی ایک سخت ناکامی کے ذریعے ہوا تھا۔ ہفتے بھر سے وہ ایک طالب علم سے دوستی گانٹھنے کی فکر میں لگا ہوا تھا جو اپنے آپ کو ولی سمجھتا تھا۔ وہ صحن میں اس کے ساتھ ٹہل رہا تھا اور کان دبائے اس کی احمقانہ باتیں سن رہا تھا جن سے اُسے نیند آنے لگی تھی۔ اتنے میں ایک دم سے طوفان آگیا، اور بجلی کڑکنے لگی۔ اُس طالب علم نے بڑی بدتمیزی سے ژولیاں کو پیچھے دھکیل دیا، اور بولا۔۔۔

"سنو، دُنیا میں کوئی کسی کا نہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے اوپر بجلی گرے۔ ممکن ہے خدا تمہیں کافر یا والتیئر کا بھائی بند سمجھ کے تمہارے اُوپر بجلی گرا دے۔"

غصے کے مارے ژولیاں کے دانت بھنچ گئے اور اس نے آسمان پر بجلی کی دھاریوں کی طرف نظریں اٹھا کے کہا۔۔۔ "اگر میں اس طوفان کے دوران میں سویا تو خدا کرے مجھ پر بجلی گر پڑے!" پھر دل میں بولا۔۔۔ "اب کسی اور بدھو کو پھانسنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔"

اتنے میں کلیسا کی تاریخ کا گھنٹہ شروع ہوگیا۔ پادری کاستاینَد کا درس تھا۔

پادری کاستاینَد نے آج ان دیہاتیوں کو جو اپنے والدین کے افلاس اور محنت مشقت کے جنجال سے ہر وقت کانپتے رہتے تھے۔ یہ بات پڑھائی کہ وہ ہستی جو اُن کی نظروں میں اتنی خوفناک تھی یعنی حکومت دراصل کوئی جائز اختیارات نہیں رکھتی، سوائے اس طاقت کے جو دنیا میں خدا کا نائب یعنی پوپ اُسے تفویض کر دے۔

"اپنی اطاعت شعاری سے، اپنی پرہیزگاری سے پوپ کی عنایتوں کے مستحق بنو۔ تمہاری حیثیت ایسی ہونی چاہیئے جیسے پوپ کے ہاتھ کا عصا۔" کاستاینَد کہنے لگا۔ "اگر تم نے

ان باتوں کا خیال رکھا تو پھر تمہیں وہ اعلیٰ مرتبہ حاصل ہوگا۔ جہاں تم اپنے مالک خود ہوگے اور تمہارے اوپر کسی کا زور نہ ہوگا۔ تمہاری ملازمت مستقل ہوگی۔ ایک تہائی تنخواہ تو حکومت کی طرف سے ملے گی اور دو تہائی حصّہ دیندار لوگ تمہارے وعظ سے متاثر ہو کے دیں گے۔"

درس دینے کے بعد کاستاینڈ باہر نکلا تو صحن میں طالب علموں کے درمیان کھڑا ہو گیا جنہوں نے آج اس کی باتیں بڑی توجّہ سے سُنی تھیں۔

طالب علم اُسے گھیر کے کھڑے ہو گئے اور وہ کہنے لگا: "پادری کے پیشے کے متعلق بڑی آسانی سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ جو آدمی جس قابل ہوتا ہے۔ اسے اتنا ہی ملتا ہے۔ خود مجھ ہی کو ایسے پہاڑی علاقے معلوم ہیں جہاں پادری کو شہر سے بھی زیادہ پیسے ملتے ہیں اور پھر اس کے علاوہ انڈا، مرغی، تازہ مکھن اور ایسی بیسیوں نعمتوں کا تو ذکر ہی کیا۔ وہاں پادری کو گاؤں کا سب سے بڑا آدمی مانا جاتا ہے۔ کوئی ایسی دعوت نہیں ہوتی جہاں اُسے نہ بلایا جائے اور آؤ بھگت کتنی ہوتی ہے۔" وغیرہ وغیرہ۔

موسیو کاستاینڈ کے اپنے کمرے میں جاتے ہی طالب علم چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بٹ گئے۔ ژولیاں کسی گروہ میں بھی شامل نہ تھا۔ وہ لوگ تو اس سے یوں بچتے تھے جیسے وہ کوڑھی ہو۔ اس نے دیکھا کہ ہر گروہ میں ایک آدمی ہوا میں پیسہ اچھال رہا ہے۔ اگر وہ شخص چت یا پٹ کا ٹھیک اندازہ لگالیتا تو اس کے ساتھی اس نتیجے پر پہنچتے کہ اسے جلدی ہی کوئی ایسی جگہ ملے گی جہاں خوب آمدنی ہو۔

پھر قصّے شروع ہو گئے۔ ایک آدمی نے جسے راہب بنے مشکل سے ایک سال ہوا تھا۔ ایک بڈھے پادری کے نوکر کو تحفے میں خرگوش دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پادری نے اسے اپنا نائب بنا لیا اور دو چار مہینے بعد پادری مرا تو اسے وہ جگہ مل گئی۔ ایک آدمی نے

ایک بڑے اچھے شہر میں پادری کی جگہ کے لئے اپنے آپ کو اس طرح نامزد کرایا تھا کہ بڈھے مفلوج پادری کے کھانے کے وقت پہنچ جاتا اور اسے بڑے سلیقے سے گوشت کے ٹکڑے کاٹ کاٹ کے دیا کرتا۔

دوسرے پیشوں میں جو نوجوان ہوتے ہیں۔ انہیں کی طرح یہ طالب علم بھی ایسی چھوٹی چھوٹی ترکیبوں کے بارے میں جو ذرا غیر معمولی ہوں اور جن میں تخئیلی رنگ ہو، بڑے مبالغے سے کام لے رہے تھے۔

ژولیاں نے سوچا ۔۔ "مجھے بھی ان لوگوں کی گفتگو میں حصہ لینا چاہیئے"۔ جب گوشت گوھی کو اور پادریوں کی آمدنی کا ذکر نہ ہوتا تو پھر کلیسائی تعلیم کے دنیاوی پہلو کی بات چھڑتی اور اسقف اور ناظم، پادری اور مہتبر کے فرق پر بحث ہوتی۔ ژولیاں نے دیکھا کہ اُن کے ذہنوں میں ایک دوسرے خدا کا خیال چھپا ہوا ہے جو پہلے خدا سے بھی طاقت ور ہے اور جس سے اور زیادہ ڈرنا چاہیئے۔ یہ دوسرا خدا پوپ تھا۔ جب سُننے والے کو یقین ہوتا کہ موسیو پی رار نہیں سُن رہا تو وہ نیچی آواز میں کہتا کہ اگر پوپ، فرانس کے سارے ناظم اور سارے متبر خود مقرر کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا تو اس لئے کہ اس نے فرانس کے بادشاہ کو کلیسا کے فرزند دل بند کا خطاب دے دیا ہے اور یہ فرض اس کے سپرد کر دیا ہے۔

اب ژولیاں کو خیال آیا کہ مجھے پوپ کے متعلق موسیو دُمیستر کی کتاب بہت پسند ہے۔ اس سے کیوں نہ فائدہ اٹھاؤں؟ اس نے واقعی اپنے ساتھیوں کو اچنبھے میں ڈال دیا۔ مگر یہ ایک اور بدقسمتی کی بات ہوئی۔ اس نے انہیں کے خیالات کا اظہار اُن سے بہتر کیا۔ تو وہ بپھر گئے۔ موسیو شیلاں اس کے لئے بھی اتنا ہی بُرا صلاح کار ثابت ہوا جتنا خود اپنے لئے۔ اس نے ژولیاں کو یہ تربیت تو ضرور دی تھی کہ بحث میں عقل سے کام لے اور خالی

لفظوں سے دھوکا نہ کھائے مگر یہ بتانا بھول گیا تھا کہ معمولی آدمی کے لیئے یہ عادت جرم ہے کم نہیں۔ کیونکہ عقل کی باتوں سے لوگ بُرا مان جاتے ہیں۔

چنانچہ ژدلیاں کی نفیس تقریر ایک نیا جُرم شمار ہوئی۔ اب اس کے ساتھیوں کو اس کے بارے میں سوچنا پڑا اور انہیں دو ایسے لفظ مل گئے جن سے ان کی ساری نفرت ظاہر ہوتی تھی۔ انہوں نے اس کا نام "مارٹن لوتھر" رکھ دیا۔ وہ کہا کرتے ـــــ "خصوصاً اس منحوس منطق کی وجہ سے جس پر اسے اتنا فخر ہے"۔

کئی نوجوان طالب علموں کا رنگ ژدلیاں سے اچھا تھا اور وہ اس سے زیادہ قبول صورت سمجھے جا سکتے تھے۔ لیکن اس کے ہاتھ بڑے سفید تھے اور اس سے اپنی صفائی کی عادت چھپائے نہ چھپتی تھی۔ قسمت نے اسے جس قید خانے میں لا ڈالا تھا۔ وہاں اس امتیاز کے کوئی معنی نہ تھے۔ وہ جن گندے دیہاتیوں میں رہتا تھا وہ صاف صاف کہنے لگے کہ اس کا چال چلن ٹھیک نہیں۔ (ہم اپنے ہیرو کی مصیبتوں کے بیان سے ناظرین کو بد مزہ نہیں کرنا چاہتے) مثال کے طور پر بس ایک بات سُن لیجیئے۔ اس کے ساتھیوں میں جو لوگ ذرا زیادہ طاقتور تھے۔ انہوں نے چاہا کہ ژدلیاں کی پٹائی ہمارے معمول ہی میں داخل ہو جائے۔ اسے مجبور ہو کر لوہے کی ایک لمبی سی پرکار اپنے ساتھ رکھنی پڑی اور اس نے لوگوں کو سمجھا دیا کہ میں اسے استعمال بھی کروں گا۔ مگر یہ بات اس نے اشاروں ہی اشاروں میں کہی۔ کیونکہ جاسوس اپنی اطلاعات میں اشاروں سے اتنا فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ جتنا الفاظ سے۔

اٹھائیسواں باب

ایک جلوس

ہر آدمی کا دل گداز ہو گیا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ خدائے تعالیٰ خود ان پتلی پتلی سڑکوں پر اتر آیا ہے جو ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں اور جن پر دیندار لوگوں نے بڑی احتیاط سے بجری بچھائی تھی۔

آرتھر رینگ

زولیاں نے چھوٹا بننے اور احمق معلوم ہونے کی بہتیری کوشش کی مگر سب لاحاصل۔ وہ لوگوں کو مطمئن نہ کر سکا۔ وہ ان سے بالکل مختلف تھا۔ وہ دل میں کہنے لگا۔ "تاہم یہ سارے معلّمین صاحبِ فہم و ذکا ہیں اور ہزاروں میں سے ایک۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ انہیں میرا انکسار پسند نہیں آتا؟" وہ ہر بات پر ایمان لانے کو تیار رہا تھا اور ایسا ظاہر کرتا تھا کہ میں ہر فریب میں آسکتا ہوں۔ اُسے معلوم ہوتا تھا کہ اس چیز سے بس ایک معلّم نے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے یہ گرجا کی رسوم کا مہتمم پادری شاس برنار تھا۔ پچھلے پندرہ سال سے وہ کسی بڑے عہدے کی امید میں یوں ہی لٹک رہا تھا۔ فی الحال وہ دارالعلوم میں کلیسائی خطابت

کا درس دیتا تھا۔ اپنے اندھے پن کے زمانے میں ژولیاں اس کلاس میں ہمیشہ اول آتا تھا اس بات سے متاثر ہو کے پادری شاس، ژولیاں سے کچھ ملاطفت برتنے لگا تھا، اور گھنٹہ ختم ہونے کے بعد اس کا بازو پکڑ کے باغ میں ٹہلنے کے لئے نکل جاتا تھا۔

ژولیاں دل میں سوچا کرتا۔ "یہ آخر چاہتا کیا ہے؟" اسے یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوتا کہ پادری گرجا کے آرائشی سامان کے بارے میں گھنٹوں اس سے باتیں کرتا ہے نماز جنازہ کے وقت جو لباس پہنا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ گرجا میں سترہ زرق برق عبائیں تھیں۔ صدر مجلس د ژوباں ٹیپے کی بیوہ سے ان لوگوں کو بڑی امیدیں تھیں۔ یہ عورت نوے سال کی تھی اور اس نے کوئی ستر سال سے اپنا شادی کا لباس محفوظ کر رکھا تھا جو بڑے قیمتی کپڑے کا تھا اور اوپر سونے کا کام تھا۔ میرے دوست، ذرا سوچو تو سہی" پادری شاس ایک دم سے کھڑا ہو گیا اور آنکھیں پھاڑ کے بولا۔ "ان لباسوں میں اتنا سونا ہے کہ کپڑا اگل جانے کا اندیشہ ہی نہیں۔ بساں سوں کے نیک لوگوں کی عام رائے یہی ہے کہ اس خاتون کی وصیت کے مطابق گرجا کے خزانے میں دس عباؤں کا اضافہ ہوگا۔ بڑے تہواروں کے لئے چار پانچ قبائیں اس کے علاوہ ہیں۔ میں تو اس سے بھی بڑی بات کہنے کو تیار ہوں۔" پادری ذرا نیچی آواز میں بولا۔ "میرا خیال ہے کہ یہ خاتون ہمیں چاندی کے آٹھ بڑے شاندار شمع دان بھی دے گی۔ کہتے ہیں کہ یہ شمع دان دلیر شارل ڈیوک آف برگنڈی نے اٹلی میں خریدے تھے اور اس خاتون کے آباو اجداد میں سے ایک آدمی ڈیوک کا منہ چڑھا وزیر تھا۔"

ژولیاں سوچنے لگا۔ "لیکن اس تمام بکواس سے اس آدمی کا مقصد ہے کیا؟ یہ تیاریاں ایک زمانے سے ہو رہی ہیں لیکن نتیجہ کچھ نہیں نکلا۔ معلوم ہوتا ہے اسے مجھ پر

ذرا اعتماد نہیں! یہ دوسروں سے زیادہ چالاک ہے۔ ان کے خفیہ مقاصد کا پتہ تو پندرہ دان ہیں ہی چل جاتا ہے۔ اب میں سمجھ گیا۔ اس آدمی کو تکلیف یہ ہے کہ پندرہ سال ہو گئے اور اس کے حوصلے پورے نہیں ہوتے۔"

ایک دن شام کو فوجی قواعد کے دوران میں پادری پی رآر نے ژولیاں کو بلایا اور اس سے کہا۔

"کل تہوار کا دن ہے۔ گرجا کو سجانے کے لئے پادری شاس برنار کو تمہاری مدد درکار ہے۔ جاؤ جو پادری صاحب کہیں وہ کرو۔"

پادری پی رآر نے اسے پھر پکار کے بلایا اور ترس کے لہجے میں کہا۔

"اگر تم اس موقع سے فائدہ اٹھا کر سیر کے لئے شہر جانا چاہو تو اس کا فیصلہ تمہارے ہاتھ ہے۔"

ژولیاں نے لاطینی میں جواب دیا — "قدم قدم پر تو میرے دشمن چھپے ہوئے ہیں"

اگلے دن صبح سویرے ژولیاں نیچی نظریں کئے گرجا کی طرف چل دیا۔

شہر کی سڑکوں پر چہل پہل شروع ہو گئی تھی۔ یہ نظارہ دیکھ کر ژولیاں کی طبیعت ذرا بحال ہوئی۔ ہر طرف لوگ اپنے مکانوں کے سامنے جلوس کی وجہ سے پردے لٹکا رہے تھے۔ اس نے دارالعلوم میں جتنا زمانہ گزارا تھا وہ ایسا لگنے لگا جیسے ایک لمحے سے زیادہ نہ ہو۔ وہ یا تو ورژی کے بارے میں سوچ رہا تھا یا حسین اماں دا بینے کے متعلق جس سے ممکن تھا ملاقات ہو جائے۔ کیونکہ اس کا کیفے راستے سے ذرا ہی ہٹ کے تھا۔ اس نے دور سے دیکھا کہ پادری شاس برنار اپنے عزیز گرجا کے دروازے میں کھڑا ہے۔ وہ لمبا تڑنگا آدمی تھا، ہنس مکھ اور ملنسار۔ آج وہ خوشی کے مارے پھولا نہیں سما رہا تھا۔ "بیٹے

"میں بہت دیر سے تمہارا انتظار کر رہا تھا" وہ ژدلیاں کو دیکھتے ہی پکار کے بولا "میں تمہارے استقبال کے لئے کھڑا ہوں۔ آج ہمیں بڑی محنت کرنی پڑے گی۔ آؤ پہلے ہی سے تیار ہو جائیں، اور ذرا سویرے ناشتہ کر لیں۔ پھر نماز کے دوران میں دس بجے دوبارہ ناشتہ کر لیں گے۔"

ژدلیاں نے بہت سنجیدہ بن کر کہا۔ "جی میں چاہتا ہوں کہ ایک منٹ کے لئے بھی اکیلا نہ رہوں۔" پھر اوپر گھنٹے کی طرف اشارہ کر کے بولا "مہربانی فرما کر یہ دیکھ لیجئے کہ میں پانچ بجنے سے ایک منٹ پہلے آگیا ہوں۔"

"اچھا، تم اُن دارالعلوم والے بدمعاشوں سے ڈر رہے ہو! بھلا تم اُن کے بارے میں سوچتے ہی کیوں ہو؟" پادری تھاس نے کہا۔ "اگر سڑک کے دونوں طرف جھاڑیوں میں کانٹے ہوں تو کیا سڑک خراب ہو جاتی ہے؟ مسافر اپنی راہ چلا جاتا ہے اور کانٹوں کو وہیں پڑا سڑنے دیتا ہے۔ بہر حال اب چلو کام میں لگیں، کام ہیں۔"

پادری تھاس نے بالکل ٹھیک کہا تھا کہ محنت بہت کرنی پڑے گی۔ ایک دن پہلے گرجا میں جنازے کی نماز ہوئی تھی۔ تہوار کی تیاریاں بالکل ہو ہی نہ سکی تھیں۔ چنانچہ آج صبح سویرے کھمبوں کے اوپر تیس فٹ کی بلندی تک سرخ ریشمی کپڑے کا غلاف سا چڑھا پڑا تھا۔ بڑے پادری نے ڈاک گاڑی کے ذریعے پیرس سے تین گدے بنانے والے منگوائے تھے۔ لیکن یہ لوگ ہر کام خود تو نہیں کر سکتے تھے۔ پھر اُن کے مقامی بھائی بند جو اپنی سی بے ڈھنگی کوشش کر رہے تھے۔ اس کی ہمت افزائی کرنے کی بجائے ان لوگوں نے اُلٹا مذاق اڑانا شروع کر دیا جس سے ان کے ہاتھ پیر اور بھول گئے۔

ژدلیاں نے دیکھا کہ مجھے خود سیڑھی چڑھنا پڑے گا۔ اس کی تیزی طراری اس وقت

بڑے کام آئی۔ اس نے مقامی گدّے والوں کی نگرانی اپنے ذمے لے لی۔ پادری شاس نے اُسے ایک سیڑھی سے دوسری سیڑھی پر اچکتے دیکھا تو اس کی خوشی کا ٹھکانا نہ رہا۔ جب ستونوں پر کپڑا چڑھانے کا کام ختم ہوگیا تو پھر اگلی چیز یہ تھی کہ اونچی قربان گاہ کے اوپر پروں کے پانچ بڑے بڑے گچھے رکھے جائیں۔ قربان گاہ کے اوپر ایک سونے کے ملمع والا لکڑی کا تاج اطالوی سنگِ مرمر کے آٹھ خمیدہ ستونوں پر ٹکا ہوا تھا۔ لیکن تاج تک پہنچنے کے لئے لکڑی کے ایک پرانے کارنس پر چڑھنا پڑتا تھا جو شاید کیڑوں کھایا اور زمین سے چالیس فٹ اونچا تھا۔

پہلے تو پیرس والے بہت ہنس ہنسا رہے تھے۔ لیکن اس خطرناک چڑھائی کا وقت آیا تو ان پر اوس پڑگئی۔ وہ نیچے کھڑے اسے تک رہے تھے اور باتیں بنا رہے تھے۔ مگر اُوپر جانے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ ژولیاں نے پروں کے گچھے اٹھائے اور کھٹ کھٹ سیڑھی پر چڑھ گیا۔ اس نے بڑی خوبی سے انہیں تاج کی شکل میں سجا دیا۔ جب وہ سیڑھی سے اُترا تو پادری شاس نے اسے گلے لگا لیا۔

"واقعی تم نے کمال کردیا" نیک دل پادری بولا۔ "میں بڑے پادری صاحب کو سارا قصہ سناؤں گا۔"

دس بجے والا ناشتہ بہت پُرلطف ثابت ہوا۔ پادری شاس نے اپنے گرجا کو اتنا اچھا سجا ہوا کبھی نہیں دیکھا تھا۔

وہ ژولیاں سے کہنے لگا۔ "بیٹے، میری والدہ اس مقدس گرجا میں کرسیاں کرائے پر دینے کی خدمت پر مامور تھیں۔ چنانچہ میری پرورش ہی اس زبردست عمارت میں ہوئی ہے۔ روبس پیئر کی نادرشاہی میں ہم برباد ہو کے رہ گئے۔ لیکن اس زمانے

میں آٹھ سال کی عمر میں بھی میں ذاتی مکانات کی نمازوں میں شامل ہوا کرتا تھا، اور گھر والے مجھے کھانا کھلا دیا کرتے تھے۔ عبادت کرنے کے معاملے میں کوئی میری برابری نہیں کر سکتا تھا۔ سونے کا فیتہ کبھی ٹوٹتا ہی نہ تھا۔ جب سے نپولین نے عیسوی دین دوبارہ قائم کیا ہے۔ اس مقدس گرجا میں ہر چیز کی نگرانی کرنے کا شرف مجھے حاصل رہا ہے۔ سال میں پانچ دفعہ اپنی آنکھوں سے گرجا کو سجا ہوا دیکھتا ہوں۔ لیکن یہ اتنا شاندار کبھی نہیں لگا جتنا آج۔ نہ تو کبھی ریشمی کپڑا اتنی اچھی طرح چڑھایا گیا ہے نہ ستونوں پر اس طرح چپکا ہے۔"

"اب یہ مجھ سے اپنا راز کہنے والا ہے۔" ژولیاں نے سوچا "آج تو اپنے بارے میں باتیں کر رہا ہے۔ اب کھل چلا" مگر اس آدمی نے کوئی ناعاقبت اندیشانہ بات کہی ہی نہیں۔ اسے تو بس جوش آ رہا تھا۔ ژولیاں دل میں کہنے لگا۔ "مگر اس نے کام بہت کیا ہے۔ آج بڑا خوش ہے۔ پینے پلانے میں بھی کمی نہیں کی۔ کیا آدمی ہے! میرے سامنے اس نے عمل کا کیا خوب نمونہ پیش کیا ہے! آج نمبردوں میں ہے" (یہ عامیانہ فقرہ اس نے بڈھے ڈاکٹر سے سیکھا تھا)

جب نماز کی گھنٹی بجی تو ژولیاں کا جی چاہا خرقہ پہن کر بڑے پادری کے ساتھ جلوس میں جاؤں۔

"لیکن دوست، چوروں کو بھول ہی گئے، چوروں کو!" پادری شاس بولا "جلوس نکلنے والا ہے۔ گرجا خالی رہ جائے گا۔ میں اور تم یہاں چوکسی کے لئے رہیں گے۔ ستونوں کے نیچے جو سونے کا فیتہ لپٹا ہوا ہے۔ اس میں سے اگر بس دو چار گز ہی غائب ہو تو سمجھو کہ سستے چھوٹے۔ یہ بھی مادام ردرباں پرے کا تحفہ ہے۔ یہ اُن کے پردادا کی ملکیت ہے۔ دوست، یہ بالکل سچے سونے کا ہے۔" وہ بڑی گرمجوشی کے ساتھ ژولیاں کے کان میں کہنے لگا۔

"اس میں کھوٹ کا نام نہیں! تم شمالی دالان کی نگرانی کرو، وہاں سے ہلنا مت۔ میں جنوبی دالان اور بیچ کے حصے کا ذمہ لیتا ہوں۔ اعتراف کے کمروں کا بھی خیال رکھنا۔ وہاں چوروں کی جاسوس عورتیں اس تاک میں رہتی ہیں کہ ہم غافل ہوں اور وہ کوئی چیز اڑا لے جائیں۔"

اس نے بات ختم کی ہی تھی کہ پونے بارہ بج گئے۔ بڑا گھنٹہ فوراً بجنے لگا۔ گھنٹہ بجانے والے پورا زور صرف کر رہے تھے۔ یہ بھاری اور گمبھیر آواز سن کر ڑولیاں کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ اس کا تخیل آسمان سے باتیں کرنے لگا۔

چھوٹے چھوٹے بچے سینٹ جون کے بھیس میں قربان گاہ کے سامنے گلاب کی پتیاں بکھیر رہے تھے۔ پتیوں کی مہک اور بخورات کی خوشبو سے ڑولیاں کا غلو اور بڑھ گیا۔

گھنٹے کی گمبھیر آواز سن کر تو ڑولیاں کو بس یہ خیال آنا چاہیے تھا کہ بچاس سینٹ پانے والے بیس آدمی اس کام میں لگے ہوئے ہیں اور پندرہ یا بیس دین دار لوگ اُن کی مدد کر رہے ہیں۔ اُسے تو یہ بات سوچنی چاہیے تھی کہ رسیاں کتنی گھستی ہیں، لکڑی گل تو نہیں گئی، خود گھنٹے کی وجہ سے کتنا خطرہ ہے جو ہر دو سو سال بعد گر پڑتا ہے۔ یا پھر اُسے کسی ایسی ترکیب پر غور کرنا چاہیے تھا کہ گھنٹہ بجانے والوں کی اُجرت کم ہو جائے، یا انہیں کلیسا کے روحانی خزانے میں سے کوئی چیز بخشی جائے تاکہ کلیسا کا روپیہ بچے۔

ان معقول باتوں پر غور کرنے کی بجائے ڑولیاں کی روح تو ان تند و تیز آوازوں سے گرمی پا کر خیالی سرزمینوں میں بھٹکتی پھر رہی تھی۔ وہ کبھی اچھا پادری یا اچھا حاکم نہیں بن سکتا۔ جو روح ایسی باتوں سے متاثر ہو جائے۔ وہ زیادہ سے زیادہ ایک فن کار پیدا کر سکتی ہے۔ یہاں آ کر صاف پتہ چل جاتا ہے کہ اپنے بارے میں ڑولیاں کی خوش فہمی کا کیا عالم تھا۔ دینیات کے طالب علموں کو ایک طرف تو یہ بتایا جاتا ہے کہ ہر جھاڑی میں آزاد خیالی

چھپی بیٹھی ہے۔ پھر وہ لوگوں کی نفرت سے بھی واقف ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ زندگی کی حقیقتوں کو غور سے دیکھنے کے عادی ہوتے ہیں۔ ژولیاں کے شاید پچاس ساتھی اگر گرجا کا گھنٹہ سنتے تو انہیں صرف یہ خیال آتا کہ گھنٹہ بجانے والوں کو کتنی اُجرت ملے گی۔ وہ تو اپنی ساری ذہنی قوت اس بات کا اندازہ لگانے میں صرف کرتے کہ لوگوں میں جتنی عقیدت مندی پیدا ہوتی ہے وہ اس اجرت کو دیکھتے ہوئے مہنگی تو نہیں۔ اگر ژولیاں کو کلیسا کے مادی مفاد کا خیال آتا بھی تو اس کا تخیل پھر اڑ کے اپنی حد سے آگے جا پہنچتا۔ وہ تو یہ سوچنے بیٹھ جاتا کہ چالیس فرانک کی بچت کیسے ہو سکتی ہے اور پچیس سینٹ کا خرچ کم کرنے کا موقع ہاتھ سے نکل جانے دیتا۔

اتنا اچھا موسم شاید ہی کبھی رہا ہو۔ جلوس بیزاں سوں کی سڑکوں پر آہستہ آہستہ چلا جا رہا تھا اور شہر کے مختلف انتظامی محکموں نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر جو زرق برق شامیانے لگائے تھے۔ وہاں ذرا ذرا سی دیر رک کے آگے بڑھتا تھا۔ اُدھر گرجا میں گہری خاموشی طاری تھی۔ اندر ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی، اور فضا میں ایک طراوت سی تھی۔ پھولوں اور بخورات کی خوشبو سے فضا ابھی تک مہک رہی تھی۔

خاموشی، مکمل تنہائی اور لمبے لمبے دالانوں کی ٹھنڈک نے ژولیاں کے خوابوں کو اور بھی شیریں بنا دیا۔ اسے پادری شاس کی مداخلت کا کوئی کھٹکا نہیں تھا جو عمارت کے دوسرے حصے کی نگرانی کر رہا تھا۔ اس کا جسم تو شمالی دالان میں آہستہ آہستہ چہل قدمی کر رہا تھا۔ مگر روح جسدِ خاکی کو تقریباً چھوڑ کے چل دی تھی۔ وہ اس وجہ سے اور بھی مطمئن تھا کہ اسے یقین تھا اعتراف کے کمروں میں دو چار دین دار عورتوں کے سوا اور کوئی نہیں۔ اس کی آنکھیں تو کھلی تھیں، مگر وہ دیکھ نہیں رہا تھا۔

اتنے میں دو عورتیں نظر آئیں تو اس کی خود فراموشی کچھ کم ہوئی۔ یہ دونوں بڑے عمدہ لباس میں تھیں اور گھٹنوں کے بل جھکی کھڑی تھیں۔ ایک تو اعتراف کے ایک کمرے میں، دوسری قریب ہی ایک کرسی پر۔ اس نے انہیں دیکھا تو مگر غور سے نہیں۔ پھر یا تو اپنے فرض کے مبہم سے احساس کی وجہ سے، یا اُن کے سیدھے سادے مگر شریفانہ لباس سے متاثر ہو کے اُسے خیال آیا کہ اعتراف کے اس کمرے میں کوئی پادری تو ہے ہی نہیں۔ اس نے دل میں کہا۔ "تعجب کی بات ہے کہ اگر یہ عورتیں دین دار ہیں تو کسی شامیانے کے نیچے کیوں نہیں بیٹھیں، اور اگر دولت مند ہیں تو کسی بالاخانے پر انہیں جگہ کیوں نہیں ملی۔ اس لباس کی تراش خراش کتنی عمدہ ہے! اس میں نفاست کس قدر ہے!" اُن کے چہرے دیکھنے کی غرض سے اس نے اپنی چال ذرا ہلکی کر دی۔

جو عورت اعتراف کے کمرے میں تھی اس نے ہر طرف چھائی ہوئی خاموشی میں ژرولیاں کے قدموں کی آواز سُنی تو ذرا سا سر پھیر کے دیکھا۔ ایک دم سے اس کی چیخ نکلی اور وہ بے ہوش ہو گئی۔

عورت بے جان سی ہو کر پیچھے کو گر پڑی۔ اس کی سہیلی جو پاس ہی تھی مدد کو دوڑی۔ بالکل اُسی وقت ژرولیاں کی نظر گرنے والی عورت کے کندھوں پر پڑی، اور اسے ایک بڑے بڑے موتیوں کی مالا دکھائی دی جس سے وہ خوب واقف تھا۔ جب اس نے مادام درینال کے بال پہچانے تو اس کی کیا حالت ہوئی! یہ وہی تھی۔ جو عورت اس کا سر سنبھالے اور اسے گرنے سے روکنے کی کوشش کر رہی تھی، مادام دروِیل تھی۔ ژرولیاں کی حالت دیوانو کی سی ہو گئی، اور وہ آگے جھپٹا۔ اگر وہ سہارا نہ دیتا تو مادام درینال کے ساتھ ساتھ اس کی سہیلی بھی گر پڑتی۔ اس نے دیکھا کہ مادام درینال کا سر اپنی سہیلی کے کندھے پر ڈھلکا ہوا ہے،

چہرہ زرد اور بے جان لگ رہا ہے۔ مادام درویل کے ساتھ مل کر اس نے اس حسین سر کو ایک بید کی کرسی کی پشت سے لگا دیا۔ وہ گھٹنوں کے بل جھکا ہوا تھا۔

مادام درویل نے سر پھیر کے دیکھا تو اسے پہچان گئی۔

"یہاں سے چلے جائیے، جناب، یہاں نہ ٹھہریئے!" اس نے غصے میں بھر کے ژدلیاں سے کہا۔ "اب انہیں آپ کی شکل نظر نہ آئے۔ آپ کو دیکھ کے وہ بھڑ جائیں گی آپ کے آنے سے پہلے اچھی خاصی تھیں! آپ نے اُن پر بڑا ظلم ڈھایا ہے۔ اگر آپ کے اندر ذرا بھی شرم ہے تو یہاں سے چل دیجئے۔ جائیے!"

یہ بات ایسے تحکم کے ساتھ کہی گئی اور ژدلیاں اس وقت ایسا کمزور ہو رہا تھا کہ وہ فوراً وہاں سے ہٹ آیا۔ "اسے مجھ سے ہمیشہ نفرت رہی ہے"۔ اس نے مادام درویل کے بارے میں سوچتے ہوئے کہا۔

اب اُن پادریوں کی مناجاتوں کی آواز آنے لگی جو جلوس کے آگے آگے چل رہے تھے۔ جلوس واپس آ رہا تھا۔ پادری شاس برنار نے ژدلیاں کو کئی دفعہ پکارا۔ مگر اس نے پہلے تو سنا ہی نہیں۔ اس کی حالت مُردوں سے بدتر تھی اور وہ ایک ستون کے پیچھے چھپ کے کھڑا ہو گیا تھا۔ آخری پادری نے خود آ کے اس کا بازو پکڑا اور اسے وہاں سے نکالا۔ وہ ژدلیاں کو بڑے پادری کے سامنے پیش کرنا چاہتا تھا۔

"بیٹے، تمہاری طبیعت خراب معلوم ہوتی ہے"۔ پادری نے دیکھا کہ وہ زرد ہو رہا ہے اور اس سے چلا بھی نہیں جاتا۔ "آج تم نے بڑی محنت کی ہے"۔ پادری نے سہارے کے لئے اسے اپنا بازو دے دیا۔ "آؤ، یہاں میرے پیچھے چپراسی کے اسٹول پر بیٹھ جاؤ۔ میں تمہیں چھپا لوں گا"۔ اب جلوس دروازے کے قریب

آگیا تھا۔" ذرا آرام لو، ابھی تو بڑے پادری صاحب کے آنے میں بیس منٹ ہیں۔ ذرا بدن میں جان آنے دو۔ جب وہ یہاں سے گزریں گے تو میں تمہیں سہارا دے کے کھڑا کر لوں گا، کیونکہ میں بڈھا تو ضرور ہوں۔ مگر ابھی مجھ میں بہت جان ہے۔"

لیکن جب بڑا پادری وہاں سے گزرا تو ژدلیاں ایسا کانپ رہا تھا کہ پادری شاس نے اسے پیش کرنے کا خیال ہی چھوڑ دیا۔

"تم پریشان مت ہو۔" اس نے ژدلیاں سے کہا۔" میں پھر کوئی موقع ڈھونڈ لوں گا۔"

شام کو پادری شاس نے دارالعلوم کے گرجا میں پانچ سیر موم بتیاں بھجوائیں اور کہا کہ ژدلیاں نے جلدی جلدی موم بتیاں بجھا کر اپنی کوششوں سے اتنی بچت کی ہے۔ مگر یہ بات سراپا غلط تھی۔ وہ بچارا بتیاں کیا بجھاتا۔ وہ تو آپ ہی بجھا ہوا تھا ماوام ورتیال کو دیکھنے کے بعد اسے تو سوچنے کا بھی یارا نہ رہا تھا۔

انتیسواں باب

پہلا قدم

وہ اپنے زمانے کو پہچانتا ہے، اپنے علاقے کو جانتا ہے، اور وہ
دولت مند ہے۔

ایک اخبار

گرجا میں اس واقعے کے بعد ژولیاں بالکل مبہوت رہ گیا تھا۔ ابھی اس کی
حالت ٹھیک بھی نہ ہوئی تھی کہ ایک دن صبح کو سخت مزاج پادری پی رآر
نے اُسے بلایا۔

"یہ پادری شاس برنار کا خط ہے۔ انہوں نے تمہاری بہت تعریف کی ہے
میں فی الجملہ تمہارے برتاؤ سے بالکل مطمئن ہوں۔ تم بہت ہی ناعاقبت اندیش
ہو۔ بلکہ احمق بھی ہو۔ چاہے یہ بات ظاہر نہ ہوتی ہو۔ بہر حال اس وقت تک تمہارا
دل بے داغ ہے، بلکہ فیاض بھی۔ تمہارا ذہن اوروں سے کہیں اچھا ہے۔ بحیثیت
مجموعی تمہارے اوپر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے اندر ایک چنگاری موجود
ہے جس سے غفلت نہیں برتنی چاہیے۔

"پندرہ سال تک تن دہی سے کام کرنے کے بعد اب میں اس ادارے سے رخصت ہو رہا ہوں۔ میرا جرم یہ ہے کہ میں نے طالب علموں کو ان کی ذاتی رائے پر چلنے دیا اور اعتراف کے دوران میں تم نے جس خفیہ جماعت کا ذکر کیا تھا میں نے اس کی نہ تو سرپرستی کی اور نہ اس کا پردہ چاک کیا۔ جانے سے پہلے میں تمہارے لئے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ میں دو مہینے پہلے ہی کچھ نہ کچھ کر چکا ہوتا۔ کیونکہ تم اس کے مستحق ہو۔ مگر تمہارے پاس سے جو اماں دابینے کا پتہ ملا تھا اور اس کی وجہ سے گوگوں نے تمہارے اوپر الزام لگایا تھا، بس اس کے خیال سے میں چپ ہو گیا۔ اب میں تمہیں عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید کا استاد مقرر کرتا ہوں۔"

احسان مندی کے جوش میں ژولیاں کا جی چاہا کہ گھٹنوں کے بل جھک کر خدا کا شکر بجا لاؤں۔ مگر پھر ایک زیادہ پُرخلوص جذبہ اُس کے اوپر غالب آگیا۔ وہ پادری پی رار کے قریب گیا اور اس کا ہاتھ لے کر اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔

"یہ کیا ہے؟" دارالعلوم کے نگران نے خفگی کے لہجے میں چیخ کے کہا مگر اس فعل سے زیادہ بلاغت تو ژولیاں کی آنکھوں میں تھی۔

پادری پی رار نے حیران ہو کر ژولیاں کی طرف اس طرح دیکھا جیسے اس طویل عرصے میں لطیف جذبات سے دوچار ہونے کی عادت نہ رہی ہو۔ اس توجہ سے پادری کا دل موم ہو گیا اور اس کی آواز بدل گئی۔

"ہاں بیٹے، مجھے واقعی تجھ سے لگاؤ ہے۔ خدا جانتا ہے کہ یہ بات بالکل میری مرضی کے خلاف ہوئی ہے۔ مجھے تو صرف منصف مزاج ہونا چاہیئے۔ کسی سے نفرت یا محبت کرنا میرا کام نہیں۔ تجھے زندگی میں بڑی دشواریاں پیش آئیں گی۔ تیرے اندر مجھے

ایک ایسی بات نظر آتی ہے جو عام آدمیوں کو اچھی نہیں لگتی۔ بغض وحسد اور بدگوئی سے تیرا کبھی بچھا نہیں چھٹے گا۔ خدا تجھے جہاں کہیں بھی رکھے تیرے ساتھی تجھے نفرت ہی کی نظروں سے دیکھیں گے۔ اگر وہ محبت جتائیں گے بھی تو بس تجھے اطمینان کے ساتھ دھوکا دینے کے لئے۔ اس کا صرف ایک ہی علاج ہے۔ خدا سے لو لگائے رکھ۔ اس نے تیرے غرور کی سزا یہ دی ہے کہ لوگ تجھ سے نفرت ہی کریں گے۔ اپنے اعمال درست رکھ۔ مجھے تو تیری نجات کا یہی واحد طریقہ نظر آتا ہے۔ اگر تو صداقت کے راستے پر سختی سے گام زن رہا تو جلد یا بدیر تیرے دشمنوں کو ندامت اٹھانی پڑے گی۔"

ژولیاں نے مدت سے کوئی دوستانہ آواز نہ سنی تھی چنانچہ ہمیں اس کی ایک کمزوری معاف کرنی پڑے گی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کے رونے لگا۔ پادری پی رآر نے بازو بڑھا کر اسے گلے لگا لیا۔ یہ لمحہ دونوں کے لئے بڑا گراں قدر ثابت ہوا۔

ژولیاں خوشی کے مارے دیوانہ ہو گیا۔ اسے پہلی دفعہ ترقی ملی تھی۔ اس کے فائدے بڑے زبردست تھے۔ یہ بات پوری طرح سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی نے کئی مہینے اس طرح گزارے ہوں کہ دم بھر کے لئے تنہائی کا موقع نہ ملے اور ہر وقت ایسے لوگوں کے ساتھ رہنا پڑے جو بیزار کن بلکہ اکثر تو ناقابلِ برداشت ہوں۔ حساس آدمی کو پریشان کر دینے کے لئے تو ان کی چیخ پکار ہی کافی تھی۔ ان دیہاتیوں کو یہاں اچھا کھانے اور اچھا پہننے کو ملتا تھا۔ وہ یہاں ایسے خوش تھے کہ جب تک غل غپاڑا نہ مچائیں اور اپنے پھیپھڑوں کی پوری طاقت سے نہ چلائیں انہیں تسکین ہی نہ ہوتی تھی۔

اب ژولیاں اکیلے یا تقریباً اکیلے کھانا کھایا کرتا، اور دوسرے طالب علموں سے گھنٹہ بھر بعد اُسے باغ کی ایک تالی مل گئی تھی، اور وہ ٹہلنے کے لئے اس وقت بھی وہاں جا سکتا تھا جب باغ بالکل خالی ہوتا۔

یہ دیکھ کر ژولیاں کو بڑا تعجب ہوا کہ اب لوگوں کی نفرت کم ہو گئی ہے۔ اسے تو امید تھی کہ نفرت اور بڑھ جائے گی۔ یہ پوشیدہ خواہش کہ مجھ سے کوئی نہ بولے جو بالکل نمایاں تھی اور جس کی وجہ سے اس کے اتنے دشمن پیدا ہو گئے تھے۔ اب مضحکہ خیز تکبر کی نشانی نہیں سمجھی جاتی تھی۔ وہ جن اُجڈ لوگوں کے درمیان رہتا تھا۔ ان کی نظروں میں یہ تو اُس کے وقار کا جائز احساس تھا۔ ان کی نفرت کافی گھٹ گئی۔ خصوصاً اس کے سب سے نوعمر ساتھیوں کی جو اب اس کے شاگرد بن گئے تھے اور جن کے ساتھ وہ بڑے اخلاق سے پیش آتا تھا۔ آہستہ آہستہ اُسے کچھ حامی بھی مل گئے اور اسے مارٹن لوتھر کہنا بُری بات سمجھا جانے لگا۔

لیکن اس کے دوستوں اور دشمنوں کے ذکر سے کیا فائدہ؟ یہ باتیں بڑی گندی ہیں، بلکہ زندگی کی جتنی صحیح تصویر پیش کی جائے گی اتنی ہی گندی ہو گی۔ بہر حال عوام کے معلم اخلاق یہی لوگ ہیں۔ ان کے بغیر ہماری کیا حالت ہو گی؟ کیا اخبار کبھی پادری کی جگہ لے سکیں گے؟

ژولیاں کی ترقی کے بعد سے دارالعلوم کے نگراں نے یہ اصول بنا لیا کہ اس سے محض اس وقت بات کرتا جب دوسرے لوگ موجود ہوتے۔ اس میں استاد اور شاگرد دونوں کی بھلائی تھی۔ لیکن سب سے زیادہ تو یہ ایک آزمائش تھی۔ پی رار۔ ایک تو سخت گیر تھا پھر ژاں سینست فرقے کا۔ اس کا اصول ہمیشہ یہ رہا تھا۔ "تمہارے خیال میں یہ

شخص کچھ صلاحیت رکھتا ہے ، تو پھر وہ جو کچھ کرنا چاہے، جو کام شروع کرے۔ اس میں روڑا اٹکاؤ۔ اگر اس میں سچی صلاحیت موجود ہے تو وہ ہر رکاوٹ پر قابو پالے گا یا اُسے راستے سے ہٹا دے گا۔"

یہ شکار کا موسم تھا۔ فوکے کو ایک نئی بات سوجھی اور اس نے ژولیاں کے خاندان کی طرف سے ایک ہرن اور ایک جنگلی سُؤر دارالعلوم بھیج دیا۔ یہ دونوں مردہ جانور سونے کے کمرے اور باورچی خانے کے درمیان والی گلی میں رکھ دیئے گئے۔ طالب علم کھانا کھانے کے لئے اُدھر سے گزرے تو سب نے انہیں دیکھا۔ لوگوں کو ان سے بڑی دلچسپی پیدا ہوئی۔ سؤر حالانکہ مرا ہوا تھا، مگر نوعمر لڑکوں کو اس سے بڑا ڈر لگا۔ انہوں نے اس کے بڑے بڑے دانت چھُو کر دیکھے۔ ہفتے بھر تک بس اسی بات کا ذکر رہا۔

اس تحفے نے ژولیاں کے خاندان کو سماج کے اس طبقے میں جگہ دے دی جس کی عزّت لازمی ہے اور اب رشک و حسد کا بالکل خاتمہ ہوگیا۔ یہ برتری تو دولت کی بنیاد پر قائم تھی۔ شازیل اور دوسرے ممتاز طالب علم اس کی چاپلوسی میں لگ گئے۔ بلکہ انہیں شکایت ہوئی کہ اس نے اپنے والدین کی دولت کا حال پہلے ہی کیوں نہ بتا دیا، ورنہ اُن سے روپیہ کی عزّت میں کمی کرنے کی حماقت سرزد نہ ہوتی۔

اسی زمانے میں جبری بھرتی شروع ہوگئی۔ مگر دینیات کے طالب علم کی حیثیت سے ژولیاں اس کی زد میں نہ آتا تھا۔ اس بات سے اسے بڑا دُکھ ہوتا۔ یعنی اب وہ لمحہ ہمیشہ کے لئے گزر گیا کہ جب بیس سال پہلے والا زمانہ ہوتا تو میری دلاورانہ زندگی کا آغاز ہو سکتا تھا!

وہ باغ میں اکیلا ٹہل رہا تھا کہ اسے دو معماروں کی یہ گفتگو سنائی دی جو باہر کی دیوار ٹھیک کر رہے تھے ____

"اچھا، تو پھر جانا ہی پڑے گا۔ بھرتی شروع ہو گئی ہے۔"

"اُس دوسرے آدمی کے زمانے میں بڑا اچھا تھا! ایک معمولی معمار افسر ہو گیا تھا، اور پھر جنرل بنا۔ یہ تو مشہور بات ہے۔"

"آج کل دیکھو کیا ہو رہا ہے! بچارے غریب غربا ہی بھیجے جا رہے ہیں۔ جن لوگوں کے پاس کھانے کو ہے وہ مزے سے گھر بیٹھے ہیں۔"

"بچارا غریب تو غریب ہی رہتا ہے۔ اصل بات بس یہ ہے۔"

"دیکھو، لوگ کہتے ہیں۔ وہ دوسرا آدمی مر گیا۔ یہ سچ ہے؟" ایک تیسرا معمار بولا۔

"اجی، بڑے لوگ کہتے ہیں۔ دیکھتے نہیں؟ وہ اس سے بہت ڈرتے تھے۔"

"کیسا فرق پڑا ہے! اس کے زمانے میں ہر کام کتنی اچھی طرح ہوتا تھا! اور پھر اسی کے جنرلوں نے اسے دھوکا دیا! کوئی نہ کوئی غدار ہمیشہ نکل ہی آتا ہے۔"

یہ باتیں سُن کر ژولیاں کو تھوڑا سا قرار آیا۔ جب وہ باغ سے چلا تو ٹھنڈا سانس بھر کے کہنے لگا ____

"بس وہی ایک ایسا بادشاہ ہے جسے لوگ یاد کرتے ہیں۔"

امتحانات بھی شروع ہو گئے۔ ژولیاں نے سب سوالوں کا جواب بڑی ذہانت کے ساتھ دیا۔ اس نے دیکھا کہ شنازیل بھی اپنا سارا علم آج ہی دکھا دینے کی فکر میں ہے۔

بڑے پادری فری آلبیر نے جو ممتحن مقرر کئے تھے۔ انہیں پہلے دن یہ دیکھ کر بڑی بدمزگی ہوئی کہ ژولیاں سوریل کو تو پادری پی رار کا پٹھو بتایا گیا تھا اور وہی ہر دفعہ اوّل یا دوم آرہا ہے۔ دار العلوم میں شرطیں بدی گئیں کہ پورے امتحان میں ژولیاں اوّل آئے گا۔ اس امتیاز کے ساتھ بڑے پادری کے یہاں دعوت کا اعزاز بھی شامل تھا۔ لیکن ایک ممتحن تو را ہو شیار تھا۔ ولیوں کے متعلق امتحان میں سینٹ جیروم اور اس کے محبوب مصنف کی کیرو کے بارے میں ژولیاں سے سوال پوچھتے پوچھتے اس نے ہوریس، ورجل اور دوسرے دنیاوی مصنفوں کا ذکر چھیڑ دیا۔ اس کے ساتھیوں کو علم نہ تھا، مگر ژولیاں نے ان مصنفوں کی عبارتیں رٹ رکھی تھیں۔ اپنی پہلی کامیابیوں کے زعم میں اسے خیال ہی نہ رہا کہ میں ہوں کہاں۔ ممتحن نے جو بار بار کہا تو اس نے بڑے جوش و خروش سے ہوریس کی کئی نظمیں ترجمے سمیت سُنا ڈالیں۔ ممتحن نے بیس منٹ تک تو اسے اچھی طرح احمق بننے دیا۔ پھر ایک دم سے اس کے چہرے کا انداز بدل گیا اور اس نے ژولیاں کو خوب جھاڑا کہ تم ان دنیاوی کتابوں پر اپنا وقت کیوں ضائع کرتے ہو اور اپنے دماغ میں ایسے خیالات کیوں بھرے پھرتے ہو جو بھر مانہ بھی نہ ہوں تو بے مصرف ضرور ہیں۔"

"جی، میں واقعی احمق ہوں۔ آپ بجا فرماتے ہیں"۔ ژولیاں سمجھ گیا کہ مجھے کس چالاکی سے بے وقوف بنایا گیا ہے، اور بڑی عاجزی کے ساتھ بولا۔

ممتحن کی اس چالاکی کو دار العلوم میں بھی ایک نازیبا حرکت سمجھا گیا۔ مگر پادری فری لیبر بڑا چلتا ہوا آدمی تھا۔ اس نے جینزوئٹ جماعت کا نظام بڑی ہوشیاری سے ترتیب دیا تھا اور جو اطلاعات وہ پیرس بھیجتا تھا۔ ان سے جج، ناظم، بلکہ چھاؤنی کے

افسر تک ڈرتے تھے۔ اس نے اپنے مضبوط ہاتھ سے ژولیاں کے نام کے آگے ۱۹۸ نمبر لکھ دیئے۔ اُسے بڑی خوشی ہوئی کہ اس طرح اپنے دشمن پی رار کو تکلیف پہنچانے کا ایک موقع ہاتھ آیا۔

پچھلے دس سال سے اس کی یہی تمنا تھی کہ دارالعلوم کا انتظام کسی طرح پی رار کے ہاتھ سے چھن جائے۔ پی رار خود بھی انہیں اصولوں پر چلتا تھا جن کی تلقین اس نے ژولیاں کو کی تھی۔ وہ بڑا مخلص، دین دار، فرض شناس اور سازشوں سے کوسوں دُور تھا۔ لیکن اس پر خدا کا یہ غضب نازل ہوا تھا کہ اسے طبیعت بڑی زُود حس ملی تھی اور ہر قسم کی توہین اور نفرت کا اُس کے دل پر گہرا اثر ہوتا تھا۔ اس کے مزاج میں اتنی گرمی تھی کہ جب کبھی اُسے نیچا دیکھنا پڑا۔ ہر دفعہ اُسے دھکا سا لگا۔ اب تک تو وہ سو دفعہ استعفیٰ دے چکا ہوتا، مگر اس کا خیال تھا کہ مجھے خدا نے جس جگہ رکھا ہے وہاں میری واقعی ضرورت ہے۔ وہ دل میں کہا کرتا ”میں بُت پرستی اور جیسوئیٹ خیالات کو پھیلنے سے روکتا ہوں“۔

امتحان کے وقت شاید اس نے ژولیاں سے کوئی دو مہینے سے بات تک نہ کی تھی۔ مگر جب امتحان کا سرکاری نتیجہ آیا اور جس شاگرد کو وہ اپنے ادارے کے لئے باعث فخر سمجھتا تھا۔ اس کے نام کے سامنے ۱۹۸ نمبر لکھا دیکھا تو وہ آٹھ دن تک بیمار پڑا رہا۔ اس سخت مزاج آدمی کی تسکین کا بس اب یہی طریقہ رہ گیا تھا کہ ژولیاں کی اور کڑی نگرانی کرے۔ یہ دیکھ کر اسے بڑی خوشی ہوئی کہ ژولیاں کو نہ تو غصہ آیا، نہ انتقام کی خواہش پیدا ہوئی، نہ اس کی ہمت ٹوٹی۔

چند ہفتے بعد ژولیاں کو ایک خط ملا تو وہ کانپ اٹھا۔ اس پر پیرس کی مُہر تھی

وہ دل میں بولا ۔ ”آخر مادام ورینال کو اپنے وعدے یاد آ ہی گئے “ اس آدمی نے اپنا نام پال سوریل لکھا تھا اور اپنے آپ کو اس کا رشتے دار بتایا تھا اور ساتھ ہی پانچ سو فرانک کی ہنڈی بھیجی تھی ۔ لکھنے والے نے وعدہ کیا تھا کہ اگر ژولیاں نے لاطینی کے بہترین مصنفوں کا مطالعہ اسی کامیابی کے ساتھ جاری رکھا تو ہر سال اتنی ہی رقم اسے ملتی رہے گی ۔

” یہ وہی ہے ! یہ اُسی کی عنایت ہے !“ ژولیاں آب دیدہ ہو کر بولا ۔ ” وہ مجھے تسلی دینا چاہتی ہے ۔ مگر اس میں پیار کا تو ایک بھی لفظ نہیں ہے ؟“

خط کے بارے میں اسے غلط فہمی ہوئی ۔ اپنی سہیلی مادام درویل کے زیر اثر مادام ورینال تو اپنی پشیمانی اور تاسف میں غرق تھی ۔ اپنی کوشش کے باوجود اسے اکثر اس عجیب ہستی کا خیال آیا کرتا جس نے اس کی زندگی کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا تھا ۔ مگر خط لکھنے کی جرأت اسے نہیں ہو سکتی تھی ۔

اگر ہم دار العلوم کی زبان میں باتیں کریں تو کہہ سکتے ہیں کہ پانچ سو فرانک کا آنا در اصل ایک معجزہ تھا اور خدا نے خود موسیو فری لیئر کے ذریعے ژولیاں کو یہ تحفہ بھجوایا تھا ۔

بارہ سال پہلے موسیو فری لیئر ہلکا پھلکا سامان لے کر بساں سوں آیا تھا ۔ کہتے ہیں کہ یہی اس کی ساری کائنات تھی ۔ اب وہ اس علاقے کے سب سے مال دار زمینداروں میں گنا جاتا تھا ۔ اپنی اس روز افزوں خوش حالی کے سلسلے میں اس نے ایک جائداد کا آدھا حصہ خریدا تھا ۔ جس کا دوسرا حصہ وراثت میں موسیو دلا مول کے پاس آیا ۔ چنانچہ اب دونوں ممتاز ہستیوں میں مقدمے بازی ہو رہی تھی ۔

پیرس میں اس کے بڑے ٹھاٹ تھے اور دربار میں بھی اس کے رتبے بڑے تھے۔ لیکن اس کے باوجود موسیو دلاموٗل یہ محسوس کرتا تھا کہ بساں سوں میں ایسے پادری سے جھگڑا مول لینا خطرناک ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ ناظموں کا تقرر اور برطرفی اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ ایک بات یہ بھی ہو سکتی تھی۔ کہ وہ پادری سے پچاس ہزار فرانک ہرجانہ لے کر اسے یہ چھوٹا سا مقدمہ جیت جانے دے، اور پادری کے خیال سے اس ہرجانے کا نام کچھ اور رکھ لیا جائے۔ مگر اس کے بجائے موسیو دلاموٗل تو بگڑ بیٹھا۔ اُسے یقین تھا کہ میرے مقدمے میں بہت جان ہے۔

کیونکہ اگر ہم جرأت کر کے کہہ سکیں تو اصل بات یہ ہے کہ ایسا کون سا جج ہے جسے اپنے بیٹے یا کم سے کم کسی بھائی بند کو اچھی سی ملازمت دلوانے کی فکر نہ ہو؟

جو لوگ ان واقعات سے پوری طرح واقف نہیں ہیں اُن کی خاطر ہمیں بتانا پڑے گا کہ پہلا فیصلہ تو پادری فریلیئر نے اپنے حق میں حاصل کر لیا اور اس کے بعد اسقف کی گاڑی میں بیٹھ کر اپنے وکیل کے یہاں پہنچا اور لیجن آف آنر کا تمغہ بنفسِ نفیس وکیل کو پیش کیا۔ موسیو دلاموٗل نے جو اپنے حریف کی اکڑ دیکھی تو وہ بڑا ہراساں ہوا۔ ساتھ ہی اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ میرا وکیل کچھ کمزور پڑ رہا ہے۔ چنانچہ اس نے موسیو شیلاں سے مشورہ لیا۔ شیلاں نے اس کا تعارف موسیو پی رار سے کرا دیا۔

ہماری کہانی کے زمانے میں یہ سلسلہ چار سال سے جاری تھا۔ پی رار کے مزاج میں تو تندی تھی ہی۔ اس نے اس معاملے میں بڑے شد و مد سے کام لیا۔ مارکوئس کے وکیل سے اس کی برابر خط و کتابت رہتی ہی تھی۔ اس نے مقدمے کا اچھی طرح مطالعہ کیا اور یہ دیکھ کر کہ مارکوئس راستی پر ہے۔ وہ کھلم کھلا طاقت ور بڑے پادری کے

خلاف موسیو دلاموّل کا حامی بن گیا۔ اس گستاخی پر بڑا پادری بہت بگڑا خصوصاً اس وجہ سے کہ یہ حرکت ایک معمولی ژاں سینسٹ کی طرف سے سرزد ہوئی تھی۔

"دیکھا تم نے ان درباری نوابوں کی کیا حیثیت ہے، اور راو پر سے اکڑتے ہیں۔ پادری فری لیئر اپنے مقربین سے کہا کرتا تھا" موسیو دلاموّل نے اپنے بساں سوں والے بھٹو کو ایک معمولی سی صلیب تک نہیں بھیجی۔ اب وہ بر طرف ہونے والا ہے تو دلاموّل چپکا بیٹھا دیکھ رہا ہے، اور دم نہیں مارتا۔ اس کے باوجود میرے دوستوں نے لکھا ہے کہ ایک ہفتہ بھی ایسا نہیں گزرتا جو نواب صاحب اپنے تمغے پھڑکاتے وزیر کے یہاں حاضری دینے نہ جاتے ہوں۔ چاہے اس سے کوئی فائدہ ہو یا نہ ہو" موسیو پی رار کی بھاگ دوڑ کے باوجود، اور حالانکہ وزیرِ انصاف، اور خصوصاً اس کے افسروں سے موسیو دلاموّل کے بڑے اچھے تعلقات تھے لیکن اس چھ سالہ کی مسلسل کوششوں کے بعد اسے بس اتنی بات حاصل ہوئی تھی کہ ابھی تک اس کے خلاف فیصلہ نہیں سنایا گیا تھا۔

موسیو دلاموّل اور پادری پی رار دونوں اس معاملے میں پوری تن دہی سے کام کر رہے تھے، اور ان میں برابر خط و کتابت کا سلسلہ جاری تھا۔ چنانچہ آہستہ آہستہ موسیو دلاموّل پی رار کی شخصیت اور کردار کا بڑا معترف ہو گیا اور ان کی سماجی حیثیت میں اتنے فرق کے باوجود اُن کے خطوں میں دوستانہ لہجہ آ گیا۔ پادری پی رار نے مارکوئس کو بتایا کہ میرے دشمن ہر طریقے سے میری توہین کر کر کے مجھے استعفےٰ دینے پر مجبور کر دینا چاہتے ہیں۔ اس کے خیال میں ژولیاں کے ساتھ بھی بڑی نازیبا چال چلی گئی تھی۔ چنانچہ اس غصے میں اس نے ژولیاں کی کہانی

بھی مارکوئس کو سنا دی۔

مارکوئس مالدار تو بہت تھا مگر خسیس بالکل نہیں تھا۔ ادھر پی رار نے مقدمے کے سلسلے میں جو خط و کتابت کی تھی۔ اس کا ڈاک کا خرچ تک مارکوئس سے نہیں لیا تھا۔ چنانچہ مارکوئس نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر پادری کے خاص شناگرد کو پانچ سو فرانک نیچ دیئے۔

روپیہ کے ساتھ جو خط آیا تھا۔ وہ مارکوئس نے خود اپنے ہاتھ سے لکھا تھا اس پر اُسے پادری کا خیال آنے لگا۔

ایک دن پادری کو ایک رقعہ ملا جس میں درخواست کی گئی تھی کہ بساں سوں کے باہر ایک سرائے میں فوراً پہنچیے، بہت ضروری کام ہے۔ وہاں موسیو دلاموِل کا خادم اُس کے انتظار میں بیٹھا تھا۔

"نواب صاحب نے آپ کے لئے اپنی گاڑی بھجوائی ہے۔" خادم نے کہا۔ "انہیں امید ہے کہ یہ خط پڑھنے کے بعد آپ چار یا پانچ دن کے اندر پیرس جاسکیں گے۔ آپ فرما دیجئے کہ کس دن چلنا ہے۔ میں اس دوران میں نواب صاحب کی ریاست تک ہو آؤں گا۔ پھر جس دن آپ فرمائیں گے۔ ہم پیرس روانہ ہو جائیں گے۔"

خط بالکل مختصر تھا ــــ

"ان قصباتی جھگڑوں سے پیچھا چھڑائیے اور آ کے پیرس کی پُر سکون فضا میں سانس لیجیے۔ میں اپنی گاڑی بھیج رہا ہوں جو چار دن تک ٹھیری رہے گی۔ اس عرصے میں آپ فیصلہ کر لیجئے۔ میں خود پیرس میں منگل تک آپ کا انتظار

کروں گا۔ پیرس کے قریب ایک بہت اچھے علاقے میں پادری کی جگہ خالی ہے۔ آپ کے بس ہاں کرنے کی دیر ہے۔ میں آپ کی طرف سے یہ جگہ قبول کر لوں گا۔ اس علاقے کے سب سے مالدار آدمی نے آپ کو دیکھا تو نہیں، مگر آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ اُسے آپ سے کتنی عقیدت ہے۔ اس کا نام مارکوئس ولاموِل ہے۔"

پادری پی رار پندرہ سال سے اس دارالعلوم کی خدمت کر رہا تھا۔ یہاں اس کے دشمن بھرے پڑے تھے۔ مگر اُسے خود معلوم نہیں تھا کہ مجھے اس جگہ سے کتنی محبت ہو گئی ہے۔ موسیو دلاموِل کا خط اس کے لئے بالکل ایسا تھا جیسے کوئی تکلیف دہ مگر ضروری آپریشن کرنے کے لئے ڈاکٹر آ جائے۔ اس کی برطرفی یقینی تھی۔ اس نے مارکوئس کے خادم کو تین دن بعد بُلایا۔

تذبذب کی وجہ سے پادری پی رار نے اگلے اڑتالیس گھنٹے بخار کی سی حالت میں گزارے۔ آخر اس نے موسیو دلاموِل کو خط لکھ ہی دیا اور ایک دوسرا خط اسقف کے نام لکھا جو کچھ طویل تو ضرور تھا، مگر کلیسائی اندازِ بیان کا شاہ کار تھا۔ خط کی زبان ایسی بے داغ تھی اور اس سے آتنا پُرخلوص احترام ٹپکتا تھا جس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ مگر اس کے باوجود خط کا مقصد یہ تھا کہ موسیو فری لئیر کو اپنے سرپرست کے ساتھ ایک بڑا صبر آزما گھنٹہ گزارنا پڑے۔ پی رار نے اپنی شکایت کے سارے اسباب ایک ایک کر کے گنوائے تھے اور بتایا تھا کہ یہ لوگ کس طرح میرے چٹکیاں لیتے رہے ہیں، چھ سال تک تو میں نے صبر سے کام لیا، مگر اب تنگ آ کے استعفٰے دے رہا ہوں۔

ان لوگوں نے اس کے گودام سے لکڑی چرائی تھی، اس کے کتے کو زہر

دیا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہ خط لکھ کر اس نے آدمی بھیجا کہ ژولیاں کو جگا کے لائے جو دوسرے طالب علموں کی طرح شام کے آٹھ بجے ہی سو گیا تھا۔

"تمہیں معلوم ہے نا کہ اُسقف کا محل کہاں ہے؟" اس نے بڑی نفیس لاطینی میں ژولیاں سے کہا۔ "یہ خط وہاں لے جاؤ۔ میں تم سے یہ بات نہیں چھپاؤں گا کہ میں تمہیں بھیڑیوں کے درمیان بھیج رہا ہوں۔ اپنے کان اور آنکھیں کھلی رکھنا جو بات بھی کہو اس میں ذرا دروغ باقی نہ ہو۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا کہ جو آدمی تم سے سوالات پوچھے گا۔ اُسے تمہیں نقصان پہنچانے میں بڑا مزا آئے گا۔ بیٹے اب مجھے خوشی ہے کہ میرے جانے سے پہلے تمہیں یہ تجربہ حاصل ہو جائے گا۔ کیونکہ میں یہ بات بھی نہیں چھپاؤں گا۔ کہ تم جو خط لے جا رہے ہو وہ دراصل میرا استعفیٰ ہے۔"

ژولیاں کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ اسے پادری پی رار سے ایک لگاؤ سا ہو گیا تھا۔ اس کی عاقبت بینی نے اسے بہت سمجھایا کہ "اس شریف آدمی کے جانے کے بعد دوسری پارٹی تمہیں برطرف کر دے گی بلکہ شاید یہاں سے نکال ہی دے۔" مگر اس وقت ژولیاں سے اپنے بارے میں سوچا ہی نہ جا رہا تھا۔

وہ بوکھلا اس وجہ سے گیا تھا۔ کہ وہ ایک بات ذرا شائستگی کے ساتھ کہنا چاہتا تھا مگر اس وقت دماغ قابو میں ہی نہ رہا تھا۔

"کیوں بھئی، جاتے کیوں نہیں؟"

"جی، دیکھیے۔" ژولیاں نے شرما شرما کر کہنا شروع کیا۔ "آپ یہاں اتنے عرصے تک نگراں رہے۔ لیکن آپ نے پس انداز کچھ بھی نہیں کیا۔ میرے

پاس چھ سو فرانک ہیں"۔

آنسوؤں کے مارے اس سے آگے نہ بولا جا سکا۔

"یہ بات بھی میرے نامۂ اعمال میں لکھ لی جائے گی"۔ دارالعلوم کے معتوب نگراں نے بے اعتنائی سے کہا۔ "اب تم جاؤ۔ دیر ہو رہی ہے"۔

اتفاق ایسا ہوا کہ اس روز اُسقف کے دیوان خانے میں پادری فری لیئر بیٹھا تھا اور اسقف ناظم کے یہاں دعوت میں گیا ہوا تھا۔ چنانچہ ژولیاں نے خط خود فری لیئر کے ہاتھ میں جا دیا۔ لیکن اُسے معلوم نہیں تھا کہ یہ ہے کون۔ ژولیاں کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ پادری نے اُسقف کے نام کا خط بے دھڑک کھول لیا۔ پادری کے حسین چہرے پر تعجب اور خوشی کے ملے جلے آثار ہویدا ہو گئے اور اس کی سنجیدگی بڑھ گئی۔ ژولیاں کو اس کی حسین شکل دیکھ کر ایسی حیرت ہوئی کہ جب پادری خط پڑھ رہا تھا تو وہ غور سے اس کا جائزہ لینے لگا۔ یہ چہرہ اس قسم کا تھا کہ اگر بعض خطوط سے انتہائی ہوشیاری نہ ٹپک رہی ہوتی تو اور بھی سنجیدہ لگتا اور اگر اس حسین چہرے کا مالک ایک لمحے کے لیے بھی اس پر قابو رکھنے سے غافل ہو جاتا تو واقعی بے ایمانی برسنے لگتی۔ اس کی ناک بہت نمایاں اور بالکل خطِ مستقیم کی طرح تھی۔ پہلو کی طرف سے تو اس کا چہرہ نہایت شاندار معلوم ہوتا تھا، لیکن بد قسمتی سے اس ناک نے بالکل لومڑی سے مشابہت پیدا کر دی تھی۔ اس کے علاوہ یہ پادری جو موسیو پی راں کے استعفے سے اتنی دلچسپی لے رہا تھا۔ بڑے نفیس کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ یہ چیز ژولیاں کو بہت پسند آئی۔ کیونکہ اس نے یہ بات کسی پادری میں نہیں دیکھی تھی۔

کہیں بعد میں جاکر ژولیاں کو پتہ چلا کہ پادری فری لیبئر میں اصلی ہنر کیا ہے۔ وہ اپنے اُسقف کو خوش رکھنا جانتا تھا۔ یہ اُسقف ایک خوش طبع بڈھا آدمی تھا جو پیرس میں رہنے کے لئے بنا تھا اور جس کے لئے بساں سوں میں رہنا جلاوطنی کے برابر تھا۔ اس کی آنکھیں بہت کمزور تھیں اور اسے مچھلی کا بے انتہا شوق تھا جب اس کے سامنے مچھلی آتی تو پادری فری لیبئر کانٹے چن کر نکال دیا کرتا۔

پادری خط کو دوبارہ پڑھنے لگا۔ ژولیاں خاموشی سے اس کی طرف تک رہا تھا کہ دروازہ ایک دم سے کھلا۔ ایک زرق برق وردی میں ملبوس خادم کمرے میں آیا اور جلدی سے گزر گیا۔ ژولیاں کو مڑ کر دروازے کی طرف دیکھنے کا وقت مشکل ہی سے ملا۔ اُسے ایک پستہ قد بڈھا نظر آیا جس کے گلے میں اُسقف والی صلیب پڑی تھی۔ وہ گھٹنوں کے بل جھک گیا۔ اسقف نے بڑی شفقت کے ساتھ مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور کمرے میں سے گزرا چلا گیا۔ حسین پادری بھی اس کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ ژولیاں کمرے میں اکیلا رہ گیا اور بڑی فرصت کے ساتھ اس ویندارانہ ٹھاٹ باٹ کا نظارہ کرنے لگا۔

بساں سوں کا اُسقف بڑے مضبوط کردار کا آدمی تھا۔ وہ جلاوطنی کی آزمائشوں سے گزر چکا تھا، مگر اس کی ہمت میں فرق نہیں آیا تھا۔ اس کی عمر پچھتر سال تھی۔ مگر اسے اس بات کی ذرا بھی پروانہ تھی کہ اگلے دس سال میں کیا ہونے والا ہے

"شاید کمرے میں سے گزرتے ہوئے مجھے ایک طالب علم نظر آیا تھا جو صورت سے کچھ چالاک سا لگتا ہے۔ یہ کون ہے؟" اسقف نے کہا "میں نے کیا یہ حکم نہیں دے رکھا کہ اس وقت سب طالب علم سو جائیں؟"

"حضور، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ لڑکا اس وقت بالکل بیدار ہے۔ اور بڑی زبردست خبر لے کے آیا ہے۔ آپ کے علاقے میں بس ایک شے اس تسفیت رہ گیا تھا، اس کا بھی استعفیٰ آ گیا۔ آخر وہ خوفناک شخص پادری پی رآر انشا ہے کا مطلب سمجھ ہی گیا۔"

اُسقف نے شرارت سے ہنس کر کہا۔ "خیر، میں شرط بدتا ہوں کہ تم اس جگہ کے لئے اُس کے مقابلے کا آدمی لا کے دکھاؤ اور تمہیں یہ دکھانے کے لئے کہ وہ آدمی کس غضب کا ہے۔ میں اُسے کل اپنے ساتھ کھانا کھانے کے لئے بلاتا ہوں۔"

پادری نے چاہا۔ کہ نئے آدمی کے تقرر کے سلسلے میں چپکے سے ایک آدھ بات کہہ دے۔ مگر اُسقف کا جی اس وقت کاروباری باتیں کرنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ بولا ـــــ

"نئے آدمی کو لانے سے پہلے یہ تو معلوم کرنا چاہئے کہ یہ کیوں جا رہا ہے۔ اس طالب علم کو یہاں لاؤ۔ بچوں کی باتوں میں صداقت ہوتی ہے۔"

ژدلیاں کی طلبی ہوئی۔ اس نے دل میں کہا "اب دو دو محتسب مجھے گھیریں گے۔" اس سے زیادہ ہمت اس نے اپنے اندر کبھی محسوس نہیں کی تھی۔

ژدلیاں اندر داخل ہوا تو دو لمبے تڑنگے خادم جو موسیو وال نو سے بھی اچھا لباس پہنے ہوئے تھے، اُسقف کے کپڑے اتار رہے تھے۔ اُسقف نے موسیو پی رار کا ذکر چھیڑنے سے پہلے مناسب سمجھا کہ ژدلیاں سے اس کی پڑھائی کے بارے میں پوچھے۔ پہلے تو اس نے دو ایک سوال عقائد کے بارے میں کئے

اور اسے بڑی حیرانی ہوتی۔ پھر اس نے ورجل، ہوریس، کی کیرو وغیرہ لاطینی مصنفین کی طرف رُخ کیا۔ ژولیاں نے سوچا — "انہیں لوگوں کی وجہ سے میں ۱۹۸ نمبر پہ آیا ہوں۔ اب اس سے زیادہ میرا کیا نقصان ہوگا؟ لاؤ میں اپنے جوہر ہی دکھاؤں"۔ وہ بہت کامیاب رہا۔ اسقف لاطینی ادب کا بڑا اچھا عالم تھا۔ وہ مسحور ہو کے رہ گیا۔

ناظم کے یہاں دعوت میں ایک لڑکی نے جو واقعی جائز طور پر مشہور تھی، ایک نظم ترنم سے سُنائی تھی۔ اُسقف کا جی چاہ رہا تھا کہ ادبی گفتگو ہو۔ چنانچہ وہ پادری پی رار وغیرہ سب کو بھول کر طالب علم سے اس اہم مسئلے پر بحث کرنے لگا کہ ہوریس امیر تھا یا غریب۔ پادری نے کئی نظموں کے ٹکڑے سُنائے۔ لیکن بعض وقت اس کا حافظہ کام نہ کرتا اور ژولیاں بڑے انکسار کے ساتھ فوراً ساری نظم فرفر سُنا ڈالتا۔ اسقف پر جس چیز کا خاص اثر ہوا، وہ یہ تھی کہ ساری گفتگو میں ژولیاں کا لہجہ ایک سا ہی رہا۔ اس نے بیس یا تیس لاطینی نظمیں اس طرح سُنائیں جیسے یہ بتا رہا ہو کہ دارالعلوم میں کیا کیا ہوتا ہے۔ اب ورجل اور کی کیرو پر ایک طویل بحث چھڑ گئی۔ آخر اُسقف سے نہ رہا گیا، اور اس نے طالب علم کی تعریف میں ایک جملہ کہہ ہی دیا۔

"اس سے اچھا مطالعہ ہونا ممکن نہیں"۔

ژولیاں نے کہا — "حضور، آپ کے دارالعلوم میں تو ۱۹۷ آدمی ایسے موجود ہیں جو اس اعزاز کے مجھ سے زیادہ مستحق ہیں"۔

"یہ کیسے؟" اُسقف نے ان اعداد و شمار پر متعجب ہو کے پوچھا۔

"میں نے حضور کی خدمت میں جو کچھ عرض کیا ہے۔ میں اس کا سرکاری ثبوت پیش کر سکتا ہوں۔

"جن موضوعات کے سلسلے میں اس وقت حضور نے میری تعریف فرمائی ہے۔ سالانہ امتحان میں بھی انہیں کے متعلق سوالات ہوئے تھے اور میرا ۱۹۸ نمبر آیا"

"اوہو، یہ تو پادری پی ربار کا آدمی ہے"۔ اُسقف نے قہقہہ لگا کر موسیو فری لیبر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔" اس کی تو ہمیں پہلے سے توقع ہونی چاہیئے تھی مگر یہ تو انصاف کی بات ہے"۔ پھر ژردلیاں سے مخاطب ہوا۔" یہ بات ہے کہ نہیں کہ تمہیں سوتے سے جگا کر یہاں بھیجا گیا ہے؟"

"جی، حضور، میں دارالعلوم سے بس ایک دفعہ اکیلا باہر نکلا ہوں، اور وہ بھی تہوار کے دن بڑے گرجا کو سجانے میں موسیو شاس برنار کی مدد کرنے کے لئے"۔

اُسقف بولا۔" اچھا تو یہ ہمت تمہیں نے کی تھی کہ پردوں کا گچھا قربان گاہ کے اوپر رکھ دیا؟ ہر سال میں ڈر کے مارے کانپنے لگتا ہوں۔ مجھے ہمیشہ یہ خوف رہتا ہے کہ کسی آدمی کی جان نہ ضائع ہو۔ دوست، تم بہت ترقی کرو گے۔ تمہاری زندگی بڑی شاندار ہو گی۔ میں نہیں چاہتا کہ بھوک کے ہاتھوں اسے یہیں کے یہیں ختم ہو جانے دوں"۔

اُسقف کے حکم سے ملازم بسکٹ اور شراب لائے۔ ژردلیاں نے خوب خوب ہاتھ دکھائے اور اس سے بھی زیادہ پادری فری لیئیر نے جسے معلوم تھا کہ

میرا اُسقف آدمی کو پوری رغبت سے اور ہنسی خوشی کے ساتھ کھاتا دیکھ کر خود بھی بہت خوش ہوتا ہے۔

اس کی شام جس طرح گذر رہی تھی اس سے اسقف اتنا مطمئن ہوتا چلا گیا کہ وہ تھوڑی دیر کے لئے کلیسا کی تاریخ کی باتیں کرنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ ژدلیاں کچھ سمجھ ہی نہیں رہا۔ اب کونسٹنٹائن کے دور کے شہنشاہوں کے ماتحت رُومی سلطنت کی اخلاقی حالت بیان ہونی شروع ہوئی۔ کفر کے آخری زمانے میں وہی بےچینی اور تشکیک پیدا ہوگئی تھی جو انیسویں صدی میں افسردہ اور تھکی ماندی روحوں کو پریشان کئے ہوئے ہے۔ اُسقف نے دیکھا کہ معلوم ہوتا ہے ژدلیاں تو ٹےسی ٹس کا نام تک نہیں جانتا۔

ژدلیاں نے بھولے پن سے جواب دیا کہ دارالعلوم کے کتب خانے میں اس مصنف کی کوئی کتاب نہیں۔ اس پہ اُسقف کو بڑا تعجب ہوا۔

"یہ سُن کر مجھے بڑی خوشی ہوئی۔" اُسقف نے کھِل کھلا کر ہنستے ہوئے کہا۔ "تم نے میری مشکل دور کر دی۔ تمہارے ساتھ میری شام بڑی اچھی گذری، اب مجھے اس کی ذرا امید نہ تھی۔ مجھے کیا خبر تھی کہ میرے دارالعلوم کا ایک طالب علم تو اچھا خاصا عالم فاضل نکلے گا؟ دس منٹ سے میں یہی سوچ رہا ہوں کہ تمہارا شکریہ کیسے ادا کروں۔ یہ تحفہ پادریوں کا سا تو نہیں، مگر میں تمہیں ٹےسی ٹس کی کتابیں دینا چاہتا ہوں۔"

اسقف نے آٹھ بڑی خوبصورت جلد والی کتابیں منگوائیں اور اصرار کے ساتھ پہلی کتاب کے سرورق پر لاطینی میں ایک جملہ ژدلیاں کی تعریف میں لکھا۔ اُسقف

کو لاطینی زبان سے اپنی واقفیت پر بڑا ناز تھا۔ آخر میں اس نے ژرولیاں سے کہا اور ایک ایسے سنجیدہ لہجے میں جو باقی گفتگو کے لہجے سے بالکل مختلف تھا۔

"لڑکے، دیکھو اگر تم نے عقلمندی سے کام لیا تو ایک دن تم بڑے اچھے علاقے کے پادری بنو گے اور یہ جگہ میرے محل سے ڈیڑھ سو دو سو میل سے زیادہ دور نہیں ہوگی۔ مگر شرط یہی ہے کہ تم عقل مندی سے کام لو۔"

جب آدھی رات کا گھنٹہ بج رہا تھا تو ژرولیاں کتابیں لادے، حیران و پریشان محل سے روانہ ہوا۔

اُسقف نے پادری پی رار کے بارے میں ایک لفظ بھی نہ کہا تھا۔ ژرولیاں کو سب سے زیادہ تعجب اس بات پر ہوا کہ اُسقف اس کے ساتھ بڑے اخلاق سے پیش آیا۔ اُسے کبھی خیال بھی نہ آیا تھا کہ ایسے فطری وقار کے ساتھ ایسی شائستگی بھی مل سکتی ہے۔ جب وہ دوبارہ اس گمبھیر پادری پی رار کے سامنے پہنچا تو اسے یہ تضاد بہت کھٹکا۔ پی رار اس کے انتظار میں تھا اور اس کی بے چینی لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جا رہی تھی۔

جیسے ہی ژرولیاں نظر آیا۔ اس نے لاطینی میں زور سے چلا کے پوچھا: "ان لوگوں نے تم سے کیا کہا؟"

پھر جب ژرولیاں کو اُسقف کی گفتگو کا لاطینی ترجمہ پیش کرنے میں دشواری ہوئی تو دارالعلوم کا معتوب نگران اپنے سخت لہجے میں اور بہت ہی ناشائستہ انداز سے بولا۔

"فرانسیسی بولو، اور اسقف کے الفاظ دہراؤ۔ اپنی طرف سے دکچھ گھٹاؤ

نہ کچھ بڑھاؤ۔"

"ایک اسقف کی طرف سے ایک نوجوان کو کتنا عجیب تحفہ ملا ہے۔" اس نے ان خوبصورت کتابوں کے ورق اُلٹتے ہوئے کہا۔ جن کے ملمع شدہ کنارے دیکھ کر شاید اسے گھن آ رہی تھی۔

اس نے جب تک ایک ایک بات مفصل طور سے نہ سُن لی۔ اپنے شاگرد کو سونے کے لئے نہ جانے دیا۔ ژولیاں کو دو بجے چھٹکارا ملا۔

"ٹے سی ٹس کی پہلی جلد میرے پاس چھوڑتے جاؤ جس پر اسقف نے کچھ لکھا ہے۔" وہ ژولیاں سے بولا۔ "میرے جانے کے بعد یہاں تمہیں خطرات سے یہی لاطینی کی سطر بچائے گی ـــــ بیٹے، میرا جانشین تمہارے لئے ایسا ہوگا جیسے کوئی شیر اپنا شکار ڈھونڈتا ہو۔"

اگلے دن صبح کو ژولیاں نے دیکھا کہ میرے ساتھی مجھ سے کچھ عجیب ہی طرح بات کرتے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ ان سے دُور دُور پھرنے لگا۔ اس نے سوچا۔ "یہ موسیو پی رار کے استعفےٰ کا اثر ہے۔ سب لوگوں کو پتہ چل چکا ہے اور وہ مجھے ان کا محبوب شاگرد سمجھتے ہیں۔ ایسا انداز اختیار کرنے کا مطلب یہی ہے کہ وہ میری توہین کرنا چاہتے ہیں۔" مگر اسے یہ توہین کہیں نظر نہ آئی۔ اس کے برخلاف سونے کے کمروں میں اُسے جتنے آدمی ملے۔ سب کی آنکھوں میں نفرت کا نشان تک نہ تھا

"اس کا کیا مطلب ہے؟ ضرور ان لوگوں نے کوئی جال بچھایا ہے۔ اب تو ہم میں ٹھن گئی۔" آخر وِیریئر کے نوجوان طالب علم نے ہنس کر اس سے کہا۔ "یہ سب ٹے سی ٹس کی مکمل تصنیفات کی کرامات ہے۔"

یہ بات اوروں نے بھی سُن لی اور سب کے سب ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ژرولیاں کو مبارک باد دینے لگے۔ صرف اس شاندار تحفے پر ہی نہیں بلکہ اسقف سے دو گھنٹے باتیں کرنے کے اعزاز پر بھی۔ اس گفتگو کی چھوٹی چھوٹی تفصیلات تک لوگوں کو معلوم تھیں۔ اب رشک وحسد بالکل ختم ہوگیا۔ ہر آدمی عاجزی اور انکساری سے پیش آنے لگا۔ پادری کا نمائندہ جو کل تک ژرولیاں سے اتنی بدتمیزی برتتا تھا۔ اب آیا اور اس کا بازو پکڑ کر دوپہر کے کھانے کی دعوت دی۔

ژرولیاں کے کردار میں ایک عجیب کمزوری تھی۔ اُن اجڈ لوگوں کی بدتمیزی تو اسے بہت گراں گذرتی تھی۔ مگر اُن کی عاجزی دیکھ کر اُسے ذرا خوشی نہ ہوئی، اُلٹی گھن آئی۔

دوپہر کے قریب پادری پی رار اپنے شاگردوں سے رخصت ہوا، مگر پہلے ایک بہت سخت وعظ کہا۔ وہ بولا — "تم کیا چاہتے ہو؟ اس دنیا کی عزت؟ سماجی رتبے؟ لوگوں پر حکم چلانے کی لذت؟ قانون کی خلاف ورزی کرنے اور سب آدمیوں سے بدتمیزی کے ساتھ پیش آنے کی آزادی؟ یا پھر تمہیں واقعی دائمی نجات درکار ہے؟ تم میں جاہل سے جاہل آدمی بھی اگر آنکھیں کھول کے دیکھے گا تو ان دونوں راستوں کا فرق صاف نظر آ جائے گا۔"

اس کے جاتے ہی جینزونسٹ فرقے کے لوگوں نے گرجا پہنچ کے اپنی مخصوص مناجات شروع کردی۔ دارالعلوم میں کسی نے پرانے نگران کے وعظ کو ذرا اہمیت بھی نہ دی۔ لوگ ہر طرف یہی کہہ رہے تھے — "انہیں تو اپنی برطرفی پر جھنجلاہٹ ہو رہی ہے۔" ایک طالب علم بھی اتنا سادہ دل نہیں تھا کہ اس بات پر یقین لے آتے

کہ کوئی آدمی جان بوجھ کر ایسی ملازمت چھوڑ سکتا ہے جہاں بڑے بڑے ٹھیکیداروں سے تعلقات قائم کرنے کے بیسیوں موقعے ملتے ہیں۔

پادری پی رآر بساں سوں کی بہترین سرائے میں جا ٹھیرا۔ اس کا ارادہ تھا کہ کسی ذاتی کام کے بہانے دو ایک دن یہاں رہوں گا۔

اُسقف نے پادری فری لیئر کو تنگ کرنے کے لئے اسے کھانے پر بلایا اور یہ کوشش کی کہ خوب چمکے۔ نقل کے دوران میں پیرس سے یہ عجیب وغریب خبر آئی کہ پی رآر دارالسلطنت سے تھوڑی دُور کے فاصلے پر ن ——— کے نفیس علاقے کا پادری مقرر ہو گیا ہے۔ نیک دل اسقف نے خلوص کے ساتھ اسے مبارک باد دی۔ اس سارے معاملے میں اُسے ایک زبردست چال نظر آئی جس سے وہ بہت خوش ہوا اور اس نے پی رآر کی صلاحیتوں کے بارے میں بڑی اچھی رائے قائم کی اور اس نے پادری کو لاطینی میں بڑی شاندار سند لکھ کے دی، اور جب فری لیئر نے کچھ اعتراض کرنا چاہا تو اسے خاموش کر دیا۔

اس روز شام کو اُسقف نے بیگم ورو بان پرے کے دیوان خانے میں بھی پی رآر کے گُن گائے۔ بساں سوں کے اونچے طبقوں میں اس خبر کا بڑا چرچا ہوا۔ لوگ اس فکر میں پڑ گئے کہ آخر اس غیر معمولی عنایت کے کیا معنی ہیں۔ انہوں نے طے کر لیا کہ پی رآر اب اسقف ہوا چاہتا ہے۔ جو لوگ ذرا تیز طبع تھے انہوں نے یہاں تک فرض کر لیا کہ موسیو دلا مول وزیر ہو گیا ہے اور شام کے وقت مجلس میں پادری فری لیئر کے تحکمانہ انداز پر خوب مسکرائے۔

اگلے دن صبح کو لوگ سڑکوں پہ پادری پی رآر کے پیچھے پیچھے پھر رہے تھے

اور جب وہ مارکوئس کے ججوں سے ملنے گیا تو دکان دار اپنی دکانوں کے دروازے میں آکھڑے ہوئے۔ جج اس کے ساتھ پہلی مرتبہ اخلاق سے پیش آئے۔ اس نے اپنے چاروں طرف جو کچھ دیکھا اس پر سخت گیر ژاں سینٹ کو بڑا غصہ آیا۔ اس نے مارکوئس دلاتول کے لئے جو وکیل انتخاب کیا تھا۔ اس کے ساتھ بہت دیر تک کام کرتا رہا اور پھر پیرس روانہ ہو گیا۔ اس کے دو تین پرانے دوست اسے گاڑی تک پہنچانے آئے اور گاڑی پر مارکوئس کا جو خاندانی نشان بنا ہوا تھا کھڑے ہوکے اسے پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھنے لگے۔ پی تار نے اپنی بے وقوفی میں اُن سے یہ کہہ دیا کہ پندرہ سال تک دارالعلوم کا انتظام کرنے کے بعد میں شہر سے پانچ سو بیس فرانک لے کر جا رہا ہوں، یہی میرا کُل سرمایہ ہے۔ ان دوستوں نے آنکھوں میں آنسو لا کے پادری کو گلے لگا لیا اور پھر آپس میں کہنے لگے۔۔۔" پادری کو یہ جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔ بالکل مہمل بات ہے"۔

عام لوگ روپیہ کی محبت میں اندھے ہوتے ہیں۔ اُن میں یہ بات سمجھنے کی اہلیت نہیں تھی کہ پی تار کے خلوص نے اسے یہ ہمت بخشی تھی کہ وہ چھ سال تک جینزونسٹ لوگوں اور اپنے اُسقف کے خلاف تنِ تنہا لڑتا رہا۔

تیسواں باب

حوصلے

نوابوں کے طبقے میں بس ایک خطاب کی وقعت باقی رہ گئی ہے یعنی ڈیوک کے خطاب کی۔ مارکوئس تو مہمل بات ہے۔ لیکن ڈیوک کا لفظ سنتے ہی لوگ سر پھرا کر دیکھنے لگتے ہیں۔

ایڈنبرا ریویو

پادری کو مارکوئس کے رئیسانہ انداز اور اس کی زندہ دلی دیکھ کر تعجب سا ہوا۔ بہر حال اس مستقبل کے وزیر نے اس کا خیر مقدم رئیسوں کی سی اُن چھوٹی چھوٹی اداؤں کے ساتھ نہیں کیا جو ظاہر میں تو بڑی شائستہ ہوتی ہیں۔ لیکن جو لوگ اُن کا مطلب سمجھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ ان میں کتنی بدتمیزی چھپی ہوتی ہے۔ ان باتوں میں فضول وقت ضائع ہوتا اور مارکوئس سیاست میں اتنا الجھا ہوا تھا کہ اس کے پاس فالتو وقت تھا ہی نہیں۔

چھ مہینے سے وہ اس سازش میں لگا ہوا تھا کہ بادشاہ اور قوم دونوں ایک خاص وزارت قبول کر لیں جو شکر گزاری کے طور پر اسے ڈیوک بنا دے گی۔

مارکوئس اپنے بساں سٹوں والے وکیل سے ہر سال یہی کہتا تھا کہ میرے مقدمے کے بارے میں صحیح اور واضح اطلاع پیش کرو۔ لیکن جب بات بچارے وکیل ہی کی سمجھ میں نہیں آتی تھی تو وہ اسے کیا بتاتا؟

پادری نے اسے کاغذ کا ایک چھوٹا سا جائزہ دیا۔ جس سے ہر بات صاف ہو گئی۔

مارکوئس نے ذاتی استفسارات اور تمام رسمی باتیں پانچ منٹ کے اندر اندر ختم کر دیں۔ پھر کہنے لگا۔ "پادری صاحب! اپنی مفروضہ دولت کے باوجود میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ دو چھوٹی سی باتوں کی طرف سنجیدگی سے توجہ کرسکوں جو بہر حال خاصی اہم ہیں۔ یعنی میرا خاندان اور میرے معاملات۔ مجھے اپنے خاندان کی ترقی سے بڑی دلچسپی ہے۔ امید ہے میں اس سلسلے میں بہت کچھ کرسکوں گا۔ پھر میں اپنے عیش و آرام کا بھی بہت خیال رکھتا ہوں۔ یہ چیز سب سے پہلے آتی ہے۔۔۔ کم سے کم میری نظروں میں"۔ پادری کی نظروں میں حیرانی کی جھلک دیکھ کر اس نے تصریح کی۔ پادری حالانکہ سمجھدار آدمی تھا لیکن ایک بڈھے کو اپنے عیش و آرام کا ذکر اس طرح کھلم کھلا کرتے دیکھ کر اسے تعجب سا ہوا۔

"پیرس میں بھی لوگ کام کرتے ہیں، مگر وہ لوگ جو پانچویں منزل پر ٹوٹے پھوٹے کمروں میں رہتے ہیں۔" رئیس کہہ رہا تھا۔ "جس آدمی سے میری ملاقات ہوتی ہے تھوڑے دن بعد دیکھتا ہوں تو دوسری منزل پر آ گیا اور اس کی بیوی نے ٹھاٹ باٹ شروع کر دیئے۔ اس کے بعد جو کام ہوتا ہے، جتنی کوشش ہوتی ہے۔ سب اس لئے کہ فیشن ایبل بن جائیں یا کم سے کم نظر آئیں۔ روٹی کا ٹھکانہ ہوا

اور بس ان باتوں کی سوجھی۔

"آمدم بر سرِ مطلب، اپنے مقدموں کے لئے، اور الگ الگ ہر مقدمے کے لئے بھی میں وکیل رکھتا ہوں جو کام کرتے کرتے مر جاتے ہیں۔ ایک آدمی تو پرسوں ہی تپ دق سے مرا ہے۔ لیکن آپ یقین کیجئے کہ اپنے عام کاروبار کے لئے تو میں نے پچھلے تین سال سے ایسا آدمی ملنے کی اُمید ہی چھوڑ دی ہے جو حساب کتاب وغیرہ لکھتے ہوئے یہ بھی خیال رکھے کہ میں کر کیا رہا ہوں۔ بہر حال یہ تو تمہید تھی۔

"میرے دل میں آپ کی عزت ہے اور حالانکہ ہم آج پہلی دفعہ ملے ہیں لیکن مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ آپ مجھے پسند آئے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں۔ تو میرے سکرٹری بن جایئے۔ میں آٹھ ہزار فرانک بلکہ اس سے بھی دُگنی تنخواہ دینے کو تیار ہوں۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ آپ کے آنے سے میرا اس سے بھی زیادہ فائدہ ہوگا۔ وہ پادری کی جگہ میں آپ کے لئے خالی رکھوں گا۔ اگر کبھی ہمارے درمیان مفاہمت قائم نہ رہ سکی تو آپ وہاں جا سکتے ہیں"۔

پادری نے انکار کر دیا، مگر گفتگو کے آخر میں مارکوئس کی حقیقی پریشانی دیکھ کر ایک بات سوجھی، اور وہ کہنے لگا۔

"میں دارالعلوم میں ایک غریب نوجوان کو چھوڑ کے آیا ہوں۔ اگر میں غلطی نہیں کرتا تو وہاں لوگ اس پر بڑا ظلم ڈھائیں گے۔ اگر وہ سیدھا سادہ مذہبی قسم کا آدمی ہوتا تو اب تک اس نے خاصی ترقی کر لی ہوتی۔

"فی الحال یہ لڑکا صرف لاطینی اور انجیل جانتا ہے۔ لیکن یہ بات بالکل ممکن ہے کہ ایک دن اس کے جوہر کھلیں اور وہ بڑا اچھا واعظ بنے یا لوگوں کی روحانی

رہنمائی میں کمال حاصل کرے۔ پتہ نہیں وہ کون سا راستہ اختیار کرے گا۔ مگر اس کے اندر وہ مقدس جذبہ موجود ہے اور وہ بڑی ترقی کر سکتا ہے۔ میرا خیال تھا کہ اگر کوئی ایسا اسقف آیا جو آپ کی طرح معاملہ فہم اور مردم شناس ہو تو اس نوجوان کو اس کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔"

"یہ نوجوان ہے کہاں کا؟" مارکوئس نے کہا

"کہتے ہیں کہ کسی بڑھئی کا لڑکا ہے اور یہیں پہاڑوں کا رہنے والا ہے۔ لیکن میرا تو خیال ہے کہ یہ کسی مالدار آدمی کی ناجائز اولاد ہے۔ اس کے پاس گمنام یا فرضی نام سے ایک خط آیا تھا جس میں پانچ سو فرانک کی ہنڈی رکھی تھی۔"

"اچھا تو ژولیاں سوریل ہے!" مارکوئس نے کہا۔

"آپ کو اس کا نام کیسے معلوم ہوا؟" پادری نے تعجب سے پوچھا۔ پھر جب وہ سوال پوچھ کر خود ہی شرما گیا تو مارکوئس نے جواب دیا۔ "یہ میں آپ کو نہیں بتاؤں گا۔"

"خیر، آپ اسے اپنا سکرٹری بنا کے تو دیکھئے۔ اس میں کام کرنے کی ہمت بھی ہے، سمجھ بوجھ بھی اچھی ہے۔ غرض اُسے آزما کے تو دیکھنا چاہئے۔"

"کیوں نہیں؟" مارکوئس نے کہا۔ "لیکن کہیں وہ ایسا آدمی تو نہیں کہ ناظم یا کوئی اور اس کی مٹھی گرم کر دے اور وہ میری جاسوسی پر تعینات ہو جائے۔ بس مجھے یہی ایک اعتراض ہے۔"

پادری نے اسے اطمینان دلایا تو اس نے ایک ہزار فرانک کا نوٹ نکال کر کہا۔ "ژولیاں سوریل کو سفر خرچ بھیج دیجئے اور اس سے کہئے کہ میرے پاس

آجائے۔"

"جی، آپ پیرس میں رہتے ہیں۔ اسی لئے آپ کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے۔ آپ کا مرتبہ اعلیٰ ہے، آپ کو خبر نہیں کہ ہم بچارے قصباتی لوگوں پر، خصوصاً جن پادریوں کے جیزوئٹ لوگوں سے اچھے تعلقات نہ ہوں۔ اُن پر کیا ظلم ٹوٹتا ہے۔ وہ لوگ کبھی ژدلیاں کو آنے کی اجازت نہیں دیں گے، پھر اپنے بچاؤ کے لئے ایک سے ایک نیا عذر تراشیں گے۔ وہاں سے جواب ملے گا۔ کہ ژدلیاں بیمار ہے ڈاک میں خط کھو گئے" وغیرہ، وغیرہ۔

"میں آج کل میں وزیر سے اُسقف کے نام خط لکھوا دوں گا" مارکوئس نے کہا۔

"ایک بات تو میں بھول ہی گیا" پادری بولا" یہ لڑکا ہے تو معمولی درجے کا۔ مگر ہے بڑا مغرور۔ اگر اس کے پندار کو دھکا لگا تو آپ کو اپنے کاروبار میں اس سے ذرا مدد نہیں ملے گی۔ وہ بس بدھو بن کے رہ جائے گا۔"

"مجھے یہ بات پسند آئی" مارکوئس نے کہا" میں اسے اپنے بیٹے کی مصاحبت میں رکھ دوں گا۔ یہ ٹھیک رہے گا نا؟"

اس کے کچھ دن بعد ژدلیاں کو کسی نامعلوم آدمی کا لکھا ہوا خط ملا۔ جس پر شالوں کی مہر تھی اور راندربساں سوں کے ایک تاجر کے نام کی ہنڈی رکھی تھی۔ اسے ہدایت کی گئی تھی کہ فوراً پیرس روانہ ہو جائے۔ لکھنے والے کا نام تو فرضی تھا، مگر ژدلیاں نے خط کھولا تو وہ کانپ گیا۔ تیرھویں لفظ پر سیاہی کا بڑا سا دھبہ تھا۔ پی رار اور اُس کے درمیان یہ نشانی پہلے سے مقرر ہو گئی تھی۔

ایک گھنٹے کے اندر اندر اُسقف کے محل میں ژولیاں کی طلبی ہوئی، اور وہاں اس کا استقبال بڑی شفقت کے ساتھ ہوا۔ پیرس میں ژولیاں کو جو اونچا رتبہ حاصل ہونے والا تھا اس کے سلسلے میں اُسقف نے اس کی بڑی تعریفیں کیں، اور ساتھ ساتھ ہوریس کے اشعار بھی پڑھتا گیا۔ ژولیاں نے شکریہ ادا کرنا چاہا، مگر ساتھ میں یہ بھی تو بتانا ضروری تھا کہ بات اصل میں کیا تھی۔ ژولیاں کچھ بھی نہ کہہ سکا، خاص طور سے اس لئے کہ اسے کچھ معلوم ہی نہ تھا۔ دوسرے یہ کہ اُسقف اس کے ساتھ بڑی تکریم سے پیش آ رہا تھا۔ محل کے ایک چھوٹے پادری نے میئر کے نام رقعہ لکھا، اور میئر بذات خود پروانہ راہداری لے کر آیا جس پر دستخط تو موجود تھے، مگر مسافر کے نام کی جگہ خالی تھی۔

آدھی رات سے پہلے ہی ژولیاں فوکے کے پاس پہنچ گیا جس قسم کا مستقبل اس کے دوست کا منتظر تھا اس پہ اس سنجیدہ مزاج آدمی کو خوشی تو ہوئی، مگر حیرت اس سے بھی زیادہ۔

آزاد خیال فوکے بولا ـــ "تمہیں کوئی سرکاری ملازمت تو مل جائے گی، مگر نتیجہ یہ ہوگا کہ تم سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہوگی جسے اخبار لے اڑیں گے۔ جب تمہاری بے عزتی ہوگی۔ اسی وقت مجھے تمہاری خبر ملے گی۔ یہ بات یاد رکھو کہ چاہے حکومت حضرت سلیمان ہی کی کیوں نہ ہو، مگر کسی حکومت سے چار ہزار فرانک پانے کی بہ نسبت مالی اعتبار سے بھی لکڑی کی تجارت جیسے ایماندارانہ پیشے میں سو لوئی کمانا اچھا ہے، جہاں آدمی اپنی مرضی کا مالک تو ہوتا ہے۔"

ژولیاں کو اس بات میں ایک دیہاتی دماغ کے چھوٹے پن سے اور کچھ

زیادہ نظر نہ آیا۔ اب جا کے تو اسے عظیم واقعات کے میدان میں آنے کا موقع ملا تھا۔ اسے اسی بات میں مزا ملتا تھا کہ مواقع تو زیادہ ہوں اور یقین کم ہو۔ اس کے دماغ میں پیرس کا یہ تصوّر تھا کہ وہاں بڑے ذہین لوگ، بڑے بڑے سازشی اور بڑے بڑے ریاکار بستے ہیں۔ مگر وہ سب کے سب بساں سوں اور آگدؔ کے اُسقفوں سے زیادہ با اخلاق اور شائستہ ہیں۔ ایسی جگہ جانے کی امید کے سامنے اس کی نظروں میں ہر دوسری چیز ماند پڑ گئی۔ اس نے بڑی بے چارگی کے ساتھ اپنے دوست کو بتایا کہ پادری پی رآر کا خط آنے کے بعد میں اپنی مرضی کا مالک نہیں رہا۔

اگلے دن دوپہر کے قریب وہ بڑا خوش خوش ویرٓیئر پہنچا۔ اسے مادام ورنیال سے دوبارہ ملنے کی امید تھی۔ پہلے تو وہ اپنے اصلی سرپرست نیک دل پادری شیلاںؔ کے پاس گیا۔ وہاں اس کا خیر مقدم بڑی سختی کے ساتھ ہوا۔

"تمہارے اوپر میرا کوئی احسان ہے یا نہیں؟" موسیو شیلان نے اس کے سلام کا جواب دیئے بغیر کہا۔ "تم میرے ساتھ کھانا کھاؤ۔ اس عرصے میں تمہارے لئے دوسرا گھوڑا کرائے کا کر دیا جائے گا۔ اور پھر تم کسی سے ملے بغیر ویریئر سے چل دو۔"

"آپ کے حکم کی تعمیل میرے اوپر فرض ہے۔" ژولیاں نے دنیات کے طالب علم کا سا سنجیدہ چہرہ بنا کر جواب دیا۔ اس کے بعد دینیات اور لاطینی کی تعلیم کے علاوہ اور کسی موضوع پر بات نہیں ہوئی۔

وہ گھوڑے پر چڑھ کے چل دیا۔ دو چار میل آگے جا کے ایک جنگل ملا۔ اسے

کوئی دیکھ نہیں رہا تھا، چنانچہ وہ جنگل میں جا کے چھپ گیا۔ سورج غروب ہونے کے وقت اس نے گھوڑا ایک کسان کے ہاتھ شہر کے قریب ترین دروازے پر بھجوا دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک مالی کے یہاں پہنچا اور اس سے ایک سیڑھی خریدی۔ مالی راضی ہو گیا۔ کہ میں سیڑھی بڑی سڑک کے پاس والے جنگل تک پہنچا دوں گا۔ "دیا تو تم فوج سے بھاگے ہو یا چوری کا مال بیچنے والے ہو" مالی نے اس سے رخصت ہوتے ہوئے کہا۔ "لیکن مجھے کیا؟ میری سیڑھی کے دام تو اچھے مل گئے پھر مجھے بھی تو اپنی عمر میں کئی دفعہ ایسی کھکھیڑ اٹھانی پڑی ہے۔"

رات اندھیری تھی۔ ایک بجے کے قریب ژولیاں سیڑھی اٹھائے ویریئیر میں داخل ہوا۔ جتنی جلدی ممکن ہو سکا وہ اس چشمے کے اندر اتر گیا جو موسیو درنیال کے شاندار باغ میں سے ہو کر گزرتا تھا۔ اور جس کے دونوں طرف دیواریں تھیں۔ اپنی سیڑھی کی مدد سے ژولیاں بڑی آسانی سے پھر اوپر آ گیا۔ وہ سوچنے لگا —— "کتے میرا استقبال کس طرح کریں گے؟ سارا سوال تو یہ ہے!" کتے بھونکنے لگے اور اس کی طرف دوڑے۔ مگر اس نے ہلکے ہلکے سیٹی بجائی تو وہ آ کے اس کی ٹانگوں سے لپٹ گئے۔

حالانکہ پھاٹک بند تھے، مگر وہ باغ کے تختوں پر چڑھتا ہوا بغیر کسی دشواری کے مادام درنیال کی خواب گاہ کی کھڑکی کے نیچے جا پہنچا جو باغ کی طرف زمین سے کوئی نو، دس فٹ اونچی تھی۔

کواڑوں میں دل کی شکل کا ایک چھوٹا سا سوراخ تھا جس سے ژولیاں خوب واقف تھا۔ اسے یہ دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی کہ سوراخ میں سے اندر کی روشنی

نہیں جھلک رہی تھی۔

"خدایا!" اس نے دل میں کہا "یہ آج ہی کی رات ہونا تھا کہ مادام درنیال اس کمرے میں نہ سوئے! وہ ہے کس کمرے میں؟ آج سب لوگ ہیں تو دیر تک ہی ہیں، کیونکہ کتّے تو ابھی ملے تھے۔ لیکن اگر میں اس اندھیرے کمرے میں گیا تو ممکن ہے خود موسیو درنیال یا کسی اجنبی سے مڈبھیڑ ہو جائے پھر تو بڑا فضیحتا ہو گا!"

دور اندیشی کی بات تو یہ تھی کہ وہیں سے واپس ہولے۔ مگر اس خیال سے ژولیاں کو دھکا سا لگا "اگر وہاں کوئی اجنبی ہوا تو میں اپنی سیڑھی چھوڑ چھاڑ کے بھاگ لوں گا۔ لیکن اگر وہ ہوئی تو مجھ سے کس طرح پیش آئے گی؟ یہ تو ٹھیک ہے کہ آج کل اسے ندامت اور دین داری کا دورہ پڑا ہے، لیکن پھر بھی وہ مجھے یاد تو کرتی ہے، ابھی تو اس نے مجھے خط لکھا تھا" یہ بات سوچ کر اس نے قطعی فیصلہ کر لیا۔

اس کا دل تو دھڑک رہا تھا، مگر وہ مصمم ارادہ کر چکا تھا کہ میں یا تو اس سے مل کے رہوں گا یا فنا ہو جاؤں گا۔ اس نے تھوڑی سی بجری اٹھا کر دروازے پر ماری۔ لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ اب اس نے کھڑکی کے پاس دیوار پر سیڑھی لگا کے خود کھٹکھٹایا، پہلے تو ہلکے ہلکے، پھر زور زور سے۔ وہ سوچنے لگا ——— "اندھیرا تو ہے، مگر ممکن ہے میرے اوپر بندوق چلا دیں" اب یہ مجنونانہ حرکت جسمانی ہمت کے سوال پر آ ٹھہری۔

وہ دل میں بولا ——— "آج رات اس کمرے میں کوئی نہیں معلوم ہوتا" اور اگر کوئی اندر سو رہا ہے تو اس وقت تک ضرور جاگ گیا ہو گا۔ چنانچہ اب یہاں تو زیادہ احتیاط برتنے کی ضرورت نہیں۔ خیال یہ رکھنا ہے کہ دوسرے کمروں میں سونے والے میری

آواز نہ سن لیں"

وہ نیچے اترا، ایک کواڑ سے اپنی سیڑھی لگائی، پھر چڑھا، اور دل کی شکل کے سوراخ میں ہاتھ ڈالا۔ خوش قسمتی سے وہ تار فوراً ہی مل گیا جس سے کھڑکی کی زنجیر بند ہوتی تھی۔ اس نے تار کھینچ لیا، اور یہ دیکھ کر اسے بے انتہا خوشی ہوئی کہ اب کواڑ بند نہیں تھا بلکہ اس کے دھکا دینے سے کھلتا جا رہا تھا" کواڑ آہستہ آہستہ کھولنا چاہیے پھر یہ کوشش کروں کہ وہ میری آواز پہچان لے" اس نے کواڑ اتنا کھولا کہ سر اندر چلا جائے اور آہستہ آہستہ دو دفعہ کہا ــــ "ایک دوست ہے"

اس نے کان لگا کر سنا، اور اسے یقین ہو گیا کہ کمرے کی مکمل خاموشی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ لیکن آتش دان میں آدھی بجھی ہوئی بتی تک موجود نہ تھی۔ یہ بری علامت تھی۔

اس نے لمحے بھر کے لئے سوچا ــــ "ذرا بندوق کے فیر سے بچے رہنا!" پھر ہمت کر کے انگلی سے کھڑکی کا شیشہ کھٹکھٹایا۔ کوئی جواب نہ ملا۔ اب اس نے اور زور سے کھٹکھٹایا۔ "چاہے شیشہ ٹوٹ جائے، مگر میں آج تصفیہ کر کے رہوں گا!" جب وہ دھماد ھم کھڑکی پیٹ رہا تھا تو اسے خیال ہوا کہ اندھیرے میں ایک سفید سایہ سا کمرے میں آگے آتا نظر آیا ہے، لمحے بھر بعد شک رفع ہو گیا۔ اب وہ سایہ بالکل صاف دکھائی دینے لگا جو بہت ہی آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ اچانک اس نے دیکھا کہ جس شیشے پر میں نے آنکھ لگا رکھی ہے۔ اس کے دوسری طرف ایک رخسار ہے۔

وہ کانپ کے تھوڑا سا پیچھے کو ہٹ گیا۔ لیکن رات ایسی اندھیری تھی کہ اتنے

قریب سے بھی صاف پتہ نہیں چلتا تھا کہ یہ مادام درنیاں ہے یا کوئی اور۔ اسے ڈر ہوا کہ وہ سایہ ایک دم سے چیخ نہ پڑے۔ نیچے سیڑھی کے پاس سے کتوں کے غرّانے اور چکر کاٹنے کی آواز آ رہی تھی۔ اس نے دوبارہ غلصے زور سے کہا۔ "میں ہوں۔۔۔ ایک دوست۔" کوئی جواب نہ ملا۔ سفید سایہ غائب ہو گیا تھا۔ "خدا کے لئے کھڑکی کھولو۔ مجھے ایک ضروری بات کہنی ہے۔ میری حالت خراب ہو رہی ہے!" اور اس نے اتنی زور سے دھم دھمایا کہ کھڑکی ٹوٹتے ٹوٹتے بچی۔

ایک ہلکی سی کھڑکن ہوئی۔ کواڑ کا کھٹکا کھل گیا۔ اس نے دھکا دے کے کھڑکی کھولی، اور چپکے سے اندر کود گیا۔

سفید سایہ دور ہٹ گیا۔ اس نے بازو پکڑ لئے۔ یہ کوئی عورت تھی۔ اس کی ہمت جواب دے گئی "اگر یہ وہی ہے تو مجھ سے کیا کہے گی؟" جب اسے ایک ہلکی سی چیخ سے پتہ چلا کہ مادام درنیاں ہی ہے تو اس کی عجیب حالت ہوئی۔

اس نے مادام درنیاں کو بازوؤں میں جکڑ لیا۔ وہ کانپ اٹھی، اور اس میں اتنی طاقت نہ رہی کہ ژولیاں کو پیچھے ہٹا دے۔

"کمبخت! کیا کر رہا ہے؟"

اس کی آواز ایسی لرز رہی تھی کہ لفظ ادا نہ ہوتے تھے۔ ژولیاں نے دیکھا کہ وہ واقعی غصے میں ہے۔

"چودہ مہینے کی دردناک جدائی کے بعد میں تم سے ملنے آیا ہوں۔"

"جاؤ، فوراً میرے پاس سے چلے جاؤ۔ آہ! موسیو شیلاں، آپ نے مجھے خط لکھنے سے کیوں روکا؟ میں یہ حرکت کبھی نہ ہونے دیتی۔" اس نے ژولیاں کو ایسے

زور سے پیچھے ڈھکیلا جو ایک عورت کے لئے بڑی غیر معمولی بات تھی۔ "میں اپنے گناہ پر نادم ہوں۔ خدا نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔" وہ رُندھی ہوئی آواز میں بولی۔ "جاؤ! بھاگ جاؤ!"

"چودہ مہینے دکھ جھیلنے کے بعد میں تم سے بات کئے بغیر بالکل نہیں جاؤں گا۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ اس عرصے میں تم کیا کرتی رہی ہو۔ میں نے تم سے اتنی شدید محبت کی ہے کہ مجھے تمہارا محرم راز بننے کا حق پہنچتا ہے .... میں ساری باتیں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

اپنی کوشش کے باوجود مادام درنیال کے دل پر اس تحکمانہ لہجے کا بڑا اثر پڑا۔

ژولیاں اسے چپٹائے ہوئے تھا، اور الگ نہ ہونے دے رہا تھا۔ اب اس نے یہ لپٹانا چپٹانا بند کر دیا۔ اس بات سے مادام درنیال کو ذرا تسلی ہوئی۔

وہ بولا۔ "میں سیڑھی اوپر کھینچے لیتا ہوں۔ کتوں کے شور سے جاگ کے کوئی نوکر ادھر آنکلا تو ہم پکڑے جائیں گے۔"

"چلے جاؤ! بہتر یہ ہے کہ تم چلے ہی جاؤ۔" مادام درنیال نے واقعی بگڑ کر جواب دیا۔ "مجھے لوگوں کی کیا پروا ہے؟ خدا تو دیکھ رہا ہے کہ تم مجھے کس خوفناک گناہ میں گھسیٹ رہے ہو۔ اور وہ مجھے اس کی سزا دے گا۔ ایک زمانہ تھا۔ کہ جب میرے دل میں تمہاری جگہ تھی، لیکن اب تو نہیں رہی۔ اور تم بزدلوں کی طرح اسی سے فائدہ اٹھا رہے ہو۔ سنتے ہو، ژولیاں صاحب؟"

اس نے سیڑھی آہستہ آہستہ اوپر کھینچی تاکہ شور نہ ہو۔

"تمہارے شوہر یہیں شہر میں ہیں؟" اس نے مادام درنیال کی مدافعت کو نظر انداز کرنے کے لئے نہیں، بلکہ محض عادتاً پوچھا۔

"خدا کے لئے مجھ سے ایسی باتیں نہ کرو، ورنہ میں اپنے شوہر کو بلا لوں گی۔ اتنا گناہ تو مجھ سے پہلے ہی سرزد ہو چکا ہے کہ میں نے تمہیں واپس کیوں نہ لوٹا دیا۔ مجھے تمہارے اوپر رحم آتا ہے۔" وہ ژولیاں کے پندار کو مجروح کرنے کی غرض سے بولی، کیونکہ اسے معلوم تھا وہ بڑا زود حس ہے۔

وہ اس وقت ژولیاں کو "تو" کے بجائے "تم" کہہ رہی تھی۔ جس نازک رشتے پر ژولیاں کو ابھی تک بھروسہ تھا، اسے یک لخت ختم کرنے کا یہ طریقہ اختیار کر کے مادام درنیال نے اس کی محبت کی آگ اور بھڑکا دی۔

"ہیں! کیا یہ ممکن ہے کہ اب تمہیں مجھ سے محبت نہیں رہی!" وہ ایسے لہجے میں بولا کہ پتھر کا بھی دل ہو تو موم ہو جائے۔

مادام درنیال نے کوئی جواب نہیں دیا۔ رہا ژولیاں، تو وہ پھوٹ پھوٹ کے رو رہا تھا۔

اب اس میں بولنے کی بھی طاقت نہیں رہی تھی۔

"آج تک صرف ایک ہستی نے مجھ سے محبت کی ہے، اور وہ بھی مجھے بھول گئی! اب زندہ رہنے سے کیا فائدہ؟" جب کسی مرد سے مقابلے کا خطرہ نہیں رہا تو اس کی ساری ہمت فوراً رخصت ہو گئی تھی۔ اس کے دل میں محبت کے سوا کچھ باقی نہ رہا تھا۔

وہ دیر تک چپ چاپ روتا رہا۔ مادام درنیال کو اس کے سسکیاں لینے کی آواز

سنائی دے رہی تھی۔ ژولیاں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی، مگر دو چار اضطراری حرکتوں کے بعد یوں ہی رہنے دیا۔ اندھیرا بہت گھرا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ دونوں مادام درنیال کے بستر پر بیٹھے ہیں۔

"چودہ مہینے پہلے کی حالت اور اب کی حالت میں کتنا فرق ہے!" ژولیاں نے سوچا، اور وہ پہلے سے بھی زیادہ رونے لگا۔ "جدائی سارے انسانی جذبات کا خاتمہ کر دیتی ہے! بہتر یہی ہے کہ میں چل دوں!"

"مہربانی کر کے یہ تو بتاؤ کہ تمہارے اوپر کیا گزری؟" آخر ژولیاں نے خاموشی سے گھبرا کر گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔

مادام درنیال نے ذرا سخت آواز میں جواب دیا جس کا لہجہ ژولیاں کو ملامت آمیز معلوم ہوا ——— "اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ جب تم گئے ہو تو شہر میں لوگوں کو میری خطا کاریوں کا علم تھا۔ تم نے کام ہی ایسی ناعاقبت اندیشی سے لیا تھا۔ کچھ دن بعد جب میں بالکل مایوس ہو چکی تھی، بچارے موسیو شیلاں میرے پاس آئے۔ وہ بڑی دیر تک مجھ سے گناہ کا اعتراف کرانے کی کوشش میں لگے رہے۔ مگر لاحاصل۔ ایک دن انہیں کچھ خیال آیا۔ وہ مجھے دی ژوں کے اس گرجا میں لے گئے جہاں میری پہلی مذہبی رسم ادا ہوئی تھی۔ وہاں انہوں نے یہی ذکر چھیڑ دیا۔۔۔" مادام درنیال بات کرتے کرتے رونے لگی۔ "مجھے کیسی شرم آئی اس وقت! میں نے سب کچھ قبول لیا۔ وہ اتنے شریف آدمی ہیں کہ انہوں نے مجھے لعنت ملامت کے بوجھ تلے نہیں دبایا، بلکہ وہ میرے دکھ درد میں برابر کے شریک ہوئے۔ ان دنوں میں تمہیں روز خط لکھا کرتی تھی، مگر بھیجنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، میں انہیں احتیاط سے چھپا کے

رکھ دیتی - اور جب میری حالت خراب ہوتی تو کمرے میں بند ہو کے اپنے خط پڑھا کرتی۔

"آخر موسیو شیلاں نے سمجھا بجھا کر مجھ سے وہ خط لے لئے۔ . . . . جو خط ذرا اعتدال کے ساتھ لکھے تھے وہ تو میں نے بھیجے بھی، مگر تم نے ایک دفعہ بھی جواب نہیں دیا"

"میں قسم کھا کے کہتا ہوں، دار العلوم میں مجھے تمہارا ایک بھی خط نہیں ملا۔"

"خدایا! وہ خط بیچ میں کس نے رکھ لئے؟"

"ذرا سوچو تو مجھے کتنا رنج ہوا ہو گا۔ جس دن میں نے تمہیں گرجا میں دیکھا تھا۔ اس سے پہلے مجھے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ تم زندہ بھی ہو یا نہیں"

مادام درنیاک نے جواب دیا ——— "خدا نے میرے اوپر بڑا فضل کیا، اور میں سمجھ گئی کہ میں خود خدا کے خلاف، اپنے بچوں کے خلاف، اپنے شوہر کے خلاف کتنا بڑا گناہ کر رہی ہوں۔ میرے شوہر کو مجھ سے کبھی اتنا پیار نہیں رہا جتنا اس وقت میرے خیال میں تمہیں مجھ سے تھا . . . . "

ژولیاں کا اس قسم کا کوئی ارادہ تو نہ تھا، مگر اسے اپنے اوپر بالکل قابو نہ رہا اور وہ مادام درنیاک کے بازوؤں میں گر پڑا۔ لیکن مادام درنیاک نے اسے پیچھے ہٹا دیا، اور خاصی سختی سے کہنے لگی ———

"میرے شریف دوست موسیو شیلاں نے مجھے سمجھایا کہ موسیو درنیاک سے شادی کر کے میں نے اپنے تمام جذبات ان کی نذر کر دیئے ہیں۔ یعنی وہ جذبات بھی جن سے میں اس وقت تک ناواقف تھی! اور ایک مہلک دوستی سے پہلے جنہیں کبھی

محسوس بھی نہ کیا تھا۔۔۔۔۔ ان خطوں کو جو مجھے اتنے عزیز تھے، قربان کرنے کے بعد سے، میری زندگی اگر خوش و خرم نہیں تو بہرحال خاصی پرسکون گزری ہے۔ اب میرا سکون برباد نہ کرو۔ بس میرے دوست بنے رہو۔۔۔۔ بہترین دوست۔" ژولیاں نے اس کے ہاتھوں پر بوسوں کی بوچھار کر دی۔ مادام درنیاں کو محسوس ہوا کہ وہ ابھی تک رو رہا ہے۔

"روؤ مت مجھے پریشانی ہوتی ہے۔۔۔۔ چلو اب تمہاری باری ہے۔ بتاؤ تم کیا کرتے رہے۔" ژولیاں سے بولا ہی نہ گیا "میں جاننا چاہتی ہوں کہ تم نے دارالعلوم میں کیسے دن گزارے۔" اس نے دہرایا "پھر تم چلے جانا، ٹھہرنا نہیں۔" ژولیاں کو یہ بھی پتہ نہ تھا کہ میں کہہ کیا رہا ہوں۔ بہرحال اس نے ان تمام سازشوں اور فتنہ پردازیوں کا حال سنایا جن سے شروع میں سابقہ پڑا تھا۔ پھر بتایا کہ استاد مقرر ہونے کے بعد زندگی ذرا سکون کے ساتھ گزری۔

وہ کہنے لگا—" اسی زمانے میں ایک عرصہ دراز کی خاموشی کے بعد جس کا مطلب مجھے وہ کچھ سمجھانا تھا جو اب میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں، یعنی یہ کہ تمہیں مجھ سے محبت نہیں رہی، اور میں تمہاری نظروں سے گر چکا ہوں۔۔۔" مادام درنیاں نے اس کے ہاتھ پکڑ کے دبائے "اسی زمانے میں تم نے مجھے پانچ سو فرانک بھیجے۔"

"میں نے تو کبھی نہیں بھیجے۔" مادام درنیاں نے کہا۔

"خط پر پیرس کی مہر تھی، اور اندر پال سوریل کے نام سے دستخط تھے تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو۔"

اب ایک مختصر سی بحث اس بات پر ہوئی کہ یہ خط کس نے بھیجا ہوگا۔ فضا بدلنے لگی۔ بالکل غیر شعوری طور پر مادام درنیال اور ژولیاں دونوں وہ سنجیدہ لہجہ چھوڑ چکے تھے اور وہی پرانا دوستی اور پیار کا لہجہ اختیار کر لیا تھا۔ اندھیرا اتنا سخت تھا کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ تو نہ سکتے تھے، مگر ان کی آوازیں سب کچھ کہے دے رہی تھیں۔ ژولیاں نے اپنی محبوبہ کی کمر کے گرد بازو ڈال دیا۔ یہ حرکت بڑی خطرناک تھی۔ اس نے ژولیاں کا بازو ہٹانا چاہا، اس پر ژولیاں نے ہوشیاری سے کام لے کر کوئی دلچسپ واقعہ سنانا شروع کر دیا۔ اور اسے باتوں میں لگا لیا۔ مادام درنیال بازو کو بھول ہی گئی، اور وہ وہیں رہا جہاں تھا۔

خط اور روپیہ بھیجنے والے کے متعلق بیسیوں اندازے لگانے کے بعد ژولیاں نے پھر اپنی کہانی شروع کر دی تھی۔ اپنی گزشتہ زندگی کا ذکر کرتے ہوئے اسے اپنے اوپر خاصا قابو حاصل ہو گیا۔ کیونکہ اس وقت اس پر جو کچھ بیت رہی تھی۔ اس کے مقابلے میں اسے ان حالات سے ذرا دلچسپی نہ تھی۔ اسے تو بس یہ فکر لگی ہوئی تھی کہ اس ملاقات کا خاتمہ کس طرح ہوگا۔ مادام درنیاں ذرا سخت لہجے میں بار بار کہہ رہی تھی — "اب تم جاؤ"

ژولیاں دل میں کہنے لگا — "اگر اس نے مجھے نکال دیا تو میرے لئے کیسی شرم کی بات ہوگی! یہ رنج مجھے عمر بھر رہے گا، اور میری زندگی تلخ ہو جائے گی۔ وہ مجھے کبھی خط بھی نہیں لکھے گی۔ خدا جانے یہاں کب آنا ملے گا!" اس صورت حال میں جتنی بھی آسمانی مسرت تھی وہ اب ژولیاں کے دل سے ایک دم غائب ہو گئی، ایسا اندھیرا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ سوجھے، یہ کمرہ جہاں اس نے خوشی کے دن گزارے

تھے، وہ عورت پاس جو اسے جان سے بھی پیاری تھی، بلکہ بازوؤں میں جکڑی ہوئی۔ اس بات کا علم کہ ایک منٹ سے رو رہی ہے، اس کے سینے کی حرکت سے یہ پتہ لگتا کہ سسکیوں کے مارے اس کا بُرا حال ہے، غرض بدقسمتی سے ان سب چیزوں نے ژولیاں کو پکا سیاست باز بنا دیا! وراس میں جذبات سے عاری ہو کر ایک ایک بات جانچنے پرکھنے کی ویسی ہی صلاحیت آ گئی جیسی دارالعلوم کے صحن میں اس وقت آ جاتی تھی۔ کہ جب کوئی قوی ترساتھی اسے اپنے پُرعناد تمسخر کا نشانہ بناتا۔ ژولیاں اپنی کہانی کو لمبا کرتا چلا گیا۔ اور یہ بتانے لگا کہ ویریئر سے جانے کے بعد میں نے کس مصیبت میں زندگی بسر کی ہے۔ مادام درینال اپنے دل میں کہنے لگی —— ”سال بھر کی جدائی کے بعد میں تو اسے بھولنے لگی تھی، مگر میری کسی نشانی کے بغیر بھی وہ اس خوشی کے زمانے کو برابر یاد کرتا رہا جو اس نے ورژی میں گزارا تھا“ اس کی سسکیاں اور شدت اختیار کر گئیں۔ ژولیاں نے دیکھا کہ میری کہانی کا خاطر خواہ اثر ہوا ہے۔ اس نے محسوس کیا کہ اب اپنا آخری ہتھیار استعمال کر کے دیکھنا چاہئے۔ چنانچہ اس نے ایک دم سے اس خط کا ذکر کیا جو ابھی پیرس سے آیا تھا۔

”میں اُسقف سے بھی رخصت ہو لیا ہوں“

”ہیں! تم ہمارے ہاں سے واپس نہیں آؤ گے؟ تم ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو رہے ہو؟“

”ہاں“۔ ژولیاں نے ایسے لہجے میں کہا جس سے پکا ارادہ جھلکتا تھا۔ ”ہاں، میں اس جگہ سے جا رہا ہوں جہاں مجھے وہ ہستی بھی بھول گئی جس سے میں نے

اپنی عمر میں سب سے زیادہ محبت کی ہے، اور میں یہ ارادہ کر کے جارہا ہوں کہ یہاں کبھی قدم نہیں رکھوں گا۔ اب میں پیرس جا کے رہوں گا۔۔۔۔"

"تم پیرس جارہے ہو!" مادام درنیال نے خاصے زور سے کہا۔

آنسوؤں کے مارے اس کی آواز گھٹ سی گئی تھی جس سے اس کے رنج کی شدت کا پتہ چلتا تھا۔ ژولیاں کو اسی ڈھارسے کی ضرورت تھی۔ وہ ایسی ترکیب آزما کے دیکھ رہا تھا جس سے ممکن تھا کہ معاملہ بالکل چوپٹ ہو جائے، روشنی تو تھی نہیں۔ اس لئے مادام درنیال کی چیخ سے پہلے اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ میری بات کا کیا اثر ہوا ہے۔ اب اس کی جھجک دور ہو گئی، ندامت کے ڈر سے ژولیاں کو لمبے اوپر اور بھی قابو حاصل ہو گیا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا، اور بڑی سرد مہری کے ساتھ بولا۔

"ہاں، بیگم صاحب، میں آپ سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو رہا ہوں، خدا کرے آپ خوش رہیں۔ خدا حافظ!"

وہ کھڑکی کی طرف بڑھا، اور اسے کھولنے لگا۔ مادام درنیال اس کے پیچھے لپکی، اس نے ژولیاں کے کندھے پر اپنا سر رکھ دیا، اور اسے بازوؤں میں پکڑ کے اس کے رخسار سے اپنا رخسار لگا دیا۔

غرض تین گھنٹے کی بحث کے بعد ژولیاں نے وہ سب حاصل کر لیا جس کی پہلے دو گھنٹے میں اتنی شدید تمنا رہی تھی۔ اگر یہ پیار بھرے جذبات کچھ دیر پہلے ہی عود کر آئے ہوتے اور مادام درنیال کی توبہ وہیں کے وہیں ٹوٹ گئی ہوتی تو اس میں ژولیاں کو ایک دکھ بھی مسرت حاصل ہوتی، مگر

اب تو جو کچھ ملا تھا وہ چالاکی سے ملا تھا، اس لئے اس کی حیثیت کامرانی کے لطف سے زیادہ نہ تھی۔ اپنی محبوبہ کی التجاؤں کے باوجود ژولیاں نے بصد اصرار بتی جلا ہی دی۔

اس نے مادام ورنیال سے پوچھا۔

"اتنے دن بعد تو میں نے تمہیں دیکھا ہے، کیا تم چاہتی ہو کہ میں اس کی کوئی یاد اپنے ذہن میں لے کر نہ جاؤں؟ تمہاری حسین آنکھیں اس وقت محبت سے چمک رہی ہوں گی۔ کیا میں اس نظارے سے محروم رہوں؟ کیا میں یہ پیارا پیارا سفید ہاتھ نہ دیکھوں؟ ذرا سوچو تو، میں شاید تم سے ایک عرصۂ دراز کے لئے جدا ہو رہا ہوں!"

مادام ورنیال نے دل میں کہا ـــــ "یہ تو بہت بُری بات ہے" لیکن عمر بھر کی جُدائی کے خیال سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے، اور وہ کسی بات سے بھی انکار نہ کر سکی، پو پھٹ رہی تھی، اور ویریئر کے مشرق میں پہاڑوں پر درختوں کے خاکے نظر آنے لگے تھے، ژولیاں لذت میں ایسا سرشار تھا کہ روانہ ہونے کے بجائے اس نے مادام ورنیال کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ میں آج دن بھر تمہارے کمرے میں چھپا رہوں گا اور رات کو جاؤں گا۔

"ہاں، کیوں نہیں؟" اس نے جواب دیا۔ "مجھ سے پھر وہی غلطی سرزد ہوئی ہے۔ اب میری نگاہوں میں اپنی عزت باقی نہیں رہی، میری قسمت میں عمر بھر جلنا کڑھنا ہی لکھا ہے" اور اس نے ژولیاں کو اپنے سینے سے چپٹا لیا۔

"اب میرے شوہر پہلے کی طرح نہیں رہے۔ انہیں شک ہو گیا ہے۔ اُن کا

خیال ہے کہ میں اس معاملے میں انہیں برابر بے وقوف بناتی رہی ہوں، وہ مجھ پر بگڑتے ہی رہتے ہیں۔ اگر ان کے کان میں بھنک بھی پڑ گئی تو میں کہیں کی نہ رہوں گی۔ وہ مجھے فوراً گھر سے نکال دیں گے۔ اور میں ہوں بھی اسی قابل۔"

"تمہاری باتوں میں موسیو شیلاں کی آواز گونج رہی ہے۔" ژولیاں نے کہا۔ "میری بدنصیبی تھی کہ مجھے دارالعلوم جانا پڑا، اس سے پہلے تم ایسی بات کبھی نہ کہتیں۔ ان دنوں تمہیں مجھ سے محبت تھی!"

ژولیاں نے یہ بات جس سرد مہری سے کہی تھی اس کا انعام بھی مل گیا۔ اس نے دیکھا کہ اس کی محبوبہ شوہر کے قریب ہونے کا خطرہ فوراً بھول گئی۔ اور اس سے بھی بڑے خطرے کی فکر میں پڑ گئی، یعنی یہ کہ ژولیاں اس کی محبت پر شک کر رہا ہے۔ روشنی بڑھتی جا رہی تھی، اور اب کمرے میں اجالا ہو گیا تھا جب ژولیاں نے دیکھا کہ وہ حسین عورت، وہ واحد عورت جس سے میں نے محبت کی ہے، اور جو چند گھنٹے پہلے خدائے قہار و جبار کے ڈر سے کانپ رہی تھی اور اپنے فرض کے احساس میں کھوئی ہوئی تھی، اس وقت میرے بازوؤں میں آگئی ہے، بلکہ قدموں پہ آ پڑی ہے تو فخر و مباہات کی لذتیں اسے پھر مل گئیں۔ مادام درنیاں کی مستقل مزاجی سال بھر سے جن ارادوں کی پشت پناہی کرتی رہی تھی وہ ژولیاں کی ہمت کے سامنے ذرا نہ ٹھہر سکے۔

اتنے میں مکان کے اندر سے ایک آواز آئی۔ مادام درنیاں کو ایک بات کا اب تک خیال ہی نہ آیا تھا۔ لیکن اب اسے پریشانی ہونے لگی۔

"وہ بے ایمان الیزا تھوڑی دیر میں یہاں آتی ہو گی۔ اس لمبی چوڑی سیڑھی کا

کیا کریں؟" وہ اپنے عاشق سے کہنے لگی "اسے چھپائیں کہاں؟ میں اسے لیجا کے اوپر کوٹھڑی میں رکھے آتی ہوں۔" وہ ایک دم سے ہشاش بشاش ہو کے بولی۔

"ہاں، اب ٹھیک ہے! یہی چہرہ ہے جو مجھے یاد ہے!" ژولیاں نے خوش ہو کر کہا۔ "لیکن تمہیں نوکر کے کمرے میں سے گزرنا پڑے گا۔"

"میں سیڑھی کو دالان میں چھوڑ دوں گی اور نوکر کو بُلا کے کسی کام سے باہر بھیج دوں گی۔"

"ممکن ہے نوکر دالان میں سے گزرتے ہوئے سیڑھی دیکھ لے۔ اس کے لئے کوئی بہانہ پہلے سے سوچ لو۔"

"ہاں، پیارے۔" مادام دریناال نے اس کا بوسہ لیتے ہوئے کہا۔ "اور دیکھو اگر میری غیر موجودگی میں ایلیزا اندر آجائے تو تم جلدی سے مسہری کے نیچے چھپ جانا۔"

ژولیاں کو اس کے یوں اچانک کھلکھلا پڑنے پر بڑی حیرت ہوئی۔ وہ دل میں کہنے لگا "یعنی جسمانی خطرہ محسوس کر کے وہ پریشان نہیں ہوتی، بلکہ الٹی ہنسنے لگتی ہے کیونکہ ندامت کا خیال اس کے ذہن سے اتر جاتا ہے! واقعی بڑی زبردست عورت ہے! اس دل پہ حکومت کرنا معرکے کا کام ہے۔" ژولیاں کو سرور آ گیا۔

مادام دریناال نے سیڑھی اٹھانی چاہی۔ ظاہر ہے کہ یہ اُس کے لئے بہت بھاری تھی۔ ژولیاں اس کی مدد کرنے لگا۔ وہ ابھی اس کے دلفریب جسم کے نظارے ہی میں محو تھا جس میں قوت کے کوئی آثار نہ ملتے تھے کہ اتنے میں مادام دریناال نے مدد کے بغیر اچانک سیڑھی ایسے اٹھا لی جیسے کرسی ہو۔ وہ اسے جلدی جلدی تیسری منزل پہ دالان میں لے گئی اور دیوار سے لگا کے رکھ دیا۔ اس نے نوکر کو

آواز دی اور اس انتظار میں کہ وہ کپڑے پہن لے کبوتر خانے میں چلی گئی۔ پانچ منٹ بعد وہ دالان میں واپس آئی تو سیڑھی غائب تھی۔ وہ کہاں اڑن چھو ہو گئی تھی؟ اگر ژولیاں گھر کے اندر نہ ہوتا تو کوئی بات نہ تھی۔ لیکن اگر اس وقت اس کا شوہر سیڑھی دیکھ لے تو! اس کے نتائج بڑے ہولناک ہو سکتے ہیں۔ مادام درینال نے سارا گھر چھان مارا۔ آخر سیڑھی چھت کے نیچے رکھی ملی جہاں خود نوکر نے اسے لے جا کر چھپا دیا تھا۔ یہ بات بجائے خود عجیب سی تھی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو اسے بڑی گھبراہٹ ہوتی۔

وہ دل میں بولی ــ "اب سے چوبیس گھنٹے بعد جب ژولیاں چلا گیا ہو گا، کچھ بھی ہوتا رہے، مجھے اس سے کیا؟ پھر تو میرے لئے بہر صورت رنج اور ندامت کے سوا کچھ باقی ہی نہیں رہے گا!"

اُسے ایک مبہم سا خیال آیا کہ مجھے خودکشی کر لینی چاہئے۔ لیکن اب اس کے بھی کوئی معنی نہ تھے۔ اس نے تو سمجھا تھا کہ ژولیاں ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا۔ لیکن وہ پھر واپس آ گیا تھا۔ وہ پھر اس کی نظروں کے سامنے تھا اور اس تک پہنچنے کے لئے ژولیاں نے جو جتن کئے تھے ان سے پتہ چلتا تھا کہ اس کی محبت کتنی شدید ہے!

وہ ژولیاں کو سیڑھی کا قصہ سناتے ہوئے پوچھنے لگی "اگر نوکر نے میرے شوہر کو بتا دیا کہ سیڑھی کس طرح ملی ہے تو میں اُن سے کیا کہوں گی؟" اس نے ذرا سی دیر کچھ غور کیا۔ "تم نے جس آدمی سے سیڑھی خریدی ہے۔ اس کا پتہ چلانے میں بھی چوبیس گھنٹے لگیں گے۔" وہ ژولیاں کے بازوؤں میں گر پڑی اور اسے اضطراری طور سے جکڑ لیا۔ "آہ! اگر اسی طرح مر جائیں تو کتنا اچھا ہو۔" اس نے ژولیاں کو

دھر اُدھر سوچتے ہوئے کہا۔ پھر ہنس کے بولی "لیکن تمہیں بھوک سے تو نہیں مرنے دینا چاہیئے"۔

"آؤ، پہلے تو میں تمہیں مادام ڈروئیل کے کمرے میں چھپا دوں۔ جس میں ہمیشہ تالا لگا رہتا ہے"۔

وہ نگرانی کے لیئے دالان کے آخر میں جا کھڑی ہوئی اور ژدلیاں جلدی سے اس کمرے میں جا پہنچا۔ وہ باہر سے تالا لگاتے ہوئے بولی۔ "اگر کوئی کھٹکھٹائے تو دیکھو دروازہ مت کھولنا، اور کوئی نہیں ہوگا، بچے کھیل کھال رہے ہوں گے"۔

ژدلیاں نے کہا۔ "ذرا انہیں باغ میں کھڑکی کے نیچے بھیجو۔ میں انہیں دیکھ تو لوں۔ ذرا انہیں باتیں کرنے دو"۔

"اچھا، اچھا" مادام ورینال نے جاتے ہوئے کہا۔

وہ تھوڑی دیر بعد نارنگیاں، بسکٹ اور شراب کی بوتل لے کر پھر واپس آئی۔ اسے روٹی اڑانے کا موقع نہیں ملا تھا۔

"تمہارے شوہر کیا کر رہے ہیں؟" ژدلیاں نے پوچھا۔

"کسانوں سے کچھ معاملات طے کر رہے ہیں۔ اُس سلسلے میں کچھ لکھ لکھا رہے ہیں"۔

لیکن آٹھ بج چکے تھے اور گھر میں شور و غل برپا تھا۔ اگر مادام ورینال نظر نہ آتی تو لوگ اُسے ہر طرف ڈھونڈنے لگتے۔ چنانچہ اُسے ژدلیاں کے پاس سے ہٹنا پڑا۔ تھوڑی دیر بعد وہ احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر پھر آموجود ہوئی اور اس کے لیے کافی کی ایک پیالی لائی۔ اسے ڈر تھا۔ کہیں ژدلیاں کی آنتیں قل ھو اللہ نہ پڑھ رہی

ہوں۔ دوپہر کے کھانے کے بعد وہ بچوں کو مادام دُرویل والے کمرے کی کھڑکی کے نیچے لے آئی۔ ژدلیاں نے دیکھا کہ وہ کافی بڑے ہو گئے تھے۔ مگر اب وہ کچھ حامیانہ سے لگنے لگے تھے، یا پھر اُسی کے خیالات کچھ بدل گئے تھے۔ مادام دریناَل اُن سے ژدلیاں کی باتیں کرنے لگی۔ سب سے بڑے بچے کی باتوں سے تو اپنے پرانے اتالیق کی محبت اور اس کے جانے کا افسوس ظاہر ہوتا تھا، لیکن دونوں چھوٹے بچے شاید اسے بھول چکے تھے۔

اُس دن موسیو دریناَل گھر سے نکلا ہی نہیں۔ وہ اوپر سے نیچے دوڑا دوڑا پھر رہا تھا۔ اور کسانوں سے سودا چکانے میں مصروف تھا جن کے ہاتھ آلوؤں کی فصل بیچنی تھی۔ رات کے کھانے کے وقت تک مادام دریناَل اپنے قیدی کے لیے فرصت کا ایک لمحہ بھی نہ نکال سکی۔ جب کھانا میز پر لگ گیا تو اسے خیال آیا کہ گرم گرم شوربے کی ایک کابی ژدلیاں کے لیے اڑاؤں۔ جب وہ احتیاط سے رکابی اٹھائے چپکے چپکے ژدلیاں کے کمرے کے پاس پہنچی تو اس نوکر سے مڈبھیڑ ہو گئی جس نے صبح سیڑھی چھپائی تھی۔ اس وقت وہ بھی دالان میں چپکے چپکے قدم اٹھاتا آ رہا تھا جیسے کچھ سن رہا ہو۔ شاید ژدلیاں نے چلنے پھرنے میں بے احتیاطی سے کام لیا تھا۔ نوکر گھبرا کے بھاگ گیا۔ مادام دریناَل بے دھڑک ژدلیاں کے کمرے میں چلی گئی۔ اس نے جو یہ قصہ سنایا تو ژدلیاں کانپ گیا۔

"تم ڈر رہے ہو۔" وہ بولی۔ "اور میں؟ میں آنکھ جھپکائے بغیر دنیا کے سارے خطروں کا مقابلہ کر سکتی ہوں۔ مجھے تو صرف ایک بات کا ڈر ہے، یعنی اس لمحے کا جب تم چلے جاؤ گے اور میں اکیلی رہ جاؤں گی۔" اور وہ دوڑ کے کمرے سے نکل گئی۔

"آہ!" ژدلیاں نے بڑا جوش اور فخر محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "اس بلند ہستی کو اگر کسی چیز سے ڈر لگتا ہے تو ندامت سے!"

آخر رات آگئی۔ موسیو ورینال کلب چلا گیا۔

اس کی بیوی سر کے درد کا بہانہ کر کے اپنے کمرے میں چلی گئی اور ایلیزا کو جلدی ہی رخصت کر دیا۔ پھر وہ فوراً اُٹھی اور ژودلیاں کو باہر نکالا۔

اب وہ بھوک کے مارے واقعی بے حال ہو رہا تھا۔ مادام ورینال روٹی کی فکر میں ہی باورچی خانے گئی۔ ژودلیاں کو ایک چیخ کی آواز سنائی دی وہ واپس آئی اور اسے بتایا کہ جب میں اندھیرے میں باورچی خانے کے اندر گئی اور جس نعمت دان میں روٹی رکھی تھی اسے ٹٹولنا چاہا تو ہاتھ بڑھاتے ہی ایک عورت کا بازو ملا۔ ژودلیاں نے جو چیخ سُنی تھی وہ ایلیزا کی تھی۔

"وہ وہاں کیا کر رہی تھی؟"

"مٹھائی چُرا رہی تھی یا شاید ہماری ٹوہ میں ہو" مادام ورینال نے بڑی بے پروائی سے کہا۔ "مگر خوش قسمتی سے مجھے تھوڑی سی مٹھائی اور ایک ڈبل روٹی مل گئی۔"

"اور وہ اس میں کیا ہے؟" ژودلیاں نے اس کی جیب کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

مادام ورینال بھول ہی گئی تھی کہ کھانے کے بعد سے اس کی جیبوں میں روٹی بھری ہوئی تھی۔ ژودلیاں نے بڑی شدید محبت کے ساتھ اسے گلے لگا لیا۔ وہ اسے اتنی حسین کبھی نہیں لگی تھی۔ وہ ایک مبہم انداز سے اپنے دل میں بولا "پیرس میں بھی ایسا بلند کردار مجھے کہیں نہیں ملے گا۔" مادام ورینال میں اس عورت کا سا بے ڈھنگا پن موجود تھا جو اس قسم کی توجہات کی عادی نہ ہو۔ مگر ساتھ ساتھ اس آدمی کی سی سچی بہادری بھی تھی جو صرف دوسرے قسم کے ادراک سے کہیں زیادہ ہولناک خطرات سے ڈرتا ہو۔

ژودلیاں کو اتنی سخت بھوک لگی ہوئی تھی کہ وہ خوب ڈٹ کے کھانا کھا رہا تھا اور اس کی

مھو بہ ہنس ہنس کر اس سیدھے سادے کھانے کے متعلق معافی مانگ رہی تھی۔ کیونکہ وہ سنجیدہ گفتگو سے ڈرتی تھی۔ اتنے میں کسی نے کمرے کا دروازہ زور زور سے دھڑ دھڑایا۔ یہ موسیو دریناں تھا

"دروازہ اندر سے کیوں بند کر رکھا ہے؟" اس نے چیخ کے کہا۔

ژدلیاں کو مشکل سے اتنی مہلت ملی کہ صوفے کے نیچے گھس جائے۔

"ہیں! تم تو پورے کپڑے پہنے ہوئے ہو؟" موسیو دریناں نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔ "تم کھانا کھا رہی ہو اور دروازہ اندر سے بند کر رکھا ہے؟"

یہ سوال شوہروں کی سی وحشت کے ساتھ پوچھا گیا تھا۔ کوئی اور دن ہوتا تو مادام دریناں کو برا لگتا۔ مگر اس نے دیکھا کہ اگر میرے شوہر نے ذرا بھی نظریں نیچی کیں تو ژدلیاں دکھائی دے جائے گا۔ کیونکہ موسیو دریناں صوفے کے سامنے والی اس کرسی پر بیٹھ گیا تھا، جہاں ایک لمحے پہلے ژدلیاں بیٹھا تھا۔

سر کا دردھر چیز کا بہانہ بن گیا۔ اس کا شوہر پوری تفصیلات کے ساتھ ایک لمبا چوڑا قصہ سنانے لگا کہ میں نے کلب میں بلیرڈ کھیلتے ہوئے انیس فرانک کس طرح جیتے۔ اتنے میں مادام دریناں نے دیکھا کہ ان سے دو چار قدم کے فاصلے پر ٹھیک ان کی نظروں کے سامنے ایک کرسی پر ژدلیاں کی ٹوپی پڑی ہے۔ اس نے پہلے سے بھی زیادہ اطمینان کے ساتھ کپڑے اتارنا شروع کر دیے۔ موقع پا کر وہ جلدی سے شوہر کی کمر کے پیچھے پہنچی اور جس کرسی پر ٹوپی پڑی تھی وہاں ایک کپڑا ڈال دیا۔

آخر موسیو دریناں چلا گیا۔ اس نے ژدلیاں سے درخواست کی کہ دارالعلوم میں تم پر جو کچھ گذری۔ اس کے حالات پھر سناؤ۔ "کل تو میں سن ہی نہیں رہی تھی۔ تم تو باتیں کر رہے تھے اور میں بس یہ سوچ رہی تھی کہ اتنی ہمت کہاں سے لاؤں جو تمہیں یہاں سے چلتا کروں۔"

وہ اس وقت مجسم نا عاقبت اندیشی بن کے رہ گئی تھی۔ دونوں اونچی آواز میں باتیں کر رہے تھے۔ کوئی دو کا عمل ہو گا کہ کسی نے دروازے پر زور سے مکا مارا۔ یہ پھر موسیو ورینال تھا۔

"مجھے فوراً اندر آنے دو۔ مکان میں چور گھسے ہوئے ہیں!" وہ بولا۔ "ان کی سیڑھی صبح نوکر کو ملی تھی۔"

"لو اب خاتمہ بخیر ہوا!" مادام ورینال نے ژولیاں کے بازوؤں میں گرتے ہوئے کہا۔ "وہ ہم دونوں کو مار ڈالیں گے۔ چوروں کا تو بہانہ ہے۔ خیر، میں تمہاری آغوش میں مروں گی۔ جو خوشی مجھے عمر بھر نہیں ملی وہ مرتے وقت ملے گی۔" اس نے شوہر کو کوئی جواب نہیں دیا جو باہر کھڑا بگڑ رہا تھا۔ وہ تو ژولیاں سے چمٹی ہوئی تھی۔

"تم استانس لاس کی ماں کو بچاؤ۔" ژولیاں نے تحکمانہ انداز میں کہا۔ "میں کھڑکی میں سے صحن میں کودتا ہوں۔ باغ میں سے ہو کر نکل جاؤں گا۔ کتے مجھے پہچان گئے ہیں۔ جتنی جلدی بھی ہو سکے۔ میرے کپڑوں کا گولا بنا کے باغ میں پھینک دینا۔ اسے دروازہ توڑنے دو۔ دیکھو! اور چاہے جو کرو۔ لیکن قبولنا مت۔ یہ میرا حکم ہے۔ یقین کی بہ نسبت شک بہتر ہے۔"

"کودنے میں تمہاری جان جائے گی۔" مادام ورینال نے بس اتنا کہا اور اسے فکر تھی بھی تو صرف اس بات کی۔

وہ اس کے ساتھ کھڑکی تک گئی۔ پھر جلدی جلدی ژولیاں کے کپڑے چھپا کر دروازہ کھول دیا۔ اس کا شوہر آگ بگولا ہو رہا تھا۔ اس نے ایک لفظ منہ سے نہ نکالا، سارے کمرے اور الماری کی تلاشی لی اور چلا گیا۔ مادام ورینال نے ژولیاں کے کپڑے نیچے

پھینک دیئے۔ وہ کپڑے لپک کر باغ میں سے ہوتا ہوا سیدھا دریا کی طرف بھاگا۔

جب وہ بھاگ رہا تھا تو ایک گولی سرسراتی ہوئی اس کے پاس سے نکل گئی۔ اور ساتھ ہی ساتھ بندوق کی آواز آئی۔

"یہ موسیو ورینال تو ہے نہیں" ژولیاں نے فیصلہ کیا "اس کا نشانہ اتنا اچھا نہیں ہے۔" کتے چپ چاپ اس کے ساتھ بھاگ رہے تھے۔ دوسرا فیر ہوا اور گولی شاید ایک کتے کی ٹانگ میں لگی، کیونکہ وہ بُری طرح چیخنے چلانے لگا۔ ژولیاں دیوار پھاند گیا۔ اور پچاس گز دیوار کی آڑ میں چلنے کے بعد دوسری سمت میں بھاگ نکلا۔ لوگ اس کا نام لے کر پکار رہے تھے۔ اس نے صاف دیکھا کہ جو نوکر اس کا دشمن تھا، بندوق چلا رہا ہے۔ باغ کے دوسری طرف سے ایک کسان نے فیر کیا۔ لیکن اب ژولیاں دریا کے کنارے پہنچ چکا تھا۔ وہاں اس نے کپڑے پہنے۔

گھنٹہ بھر بعد وہ ویریئر سے چھ سات میل دور نکل چکا تھا اور جینوا کی سڑک پر جا رہا تھا۔ اس نے سوچا ـــ "اگر ان لوگوں کو شک ہوا تو وہ مجھے پیرس کی سڑک پر تلاش کریں گے۔"

